U/2249. H 12-12-09

Title - SAYYEDA KA LAAL

Creator - Rashid Al Khairi

Publisher - Ismat Book Dipo (Delhi).

Date - N.A.

Pages - 234

Subjects - Imam Hussain.

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

۵۷

سیدہ کا لال
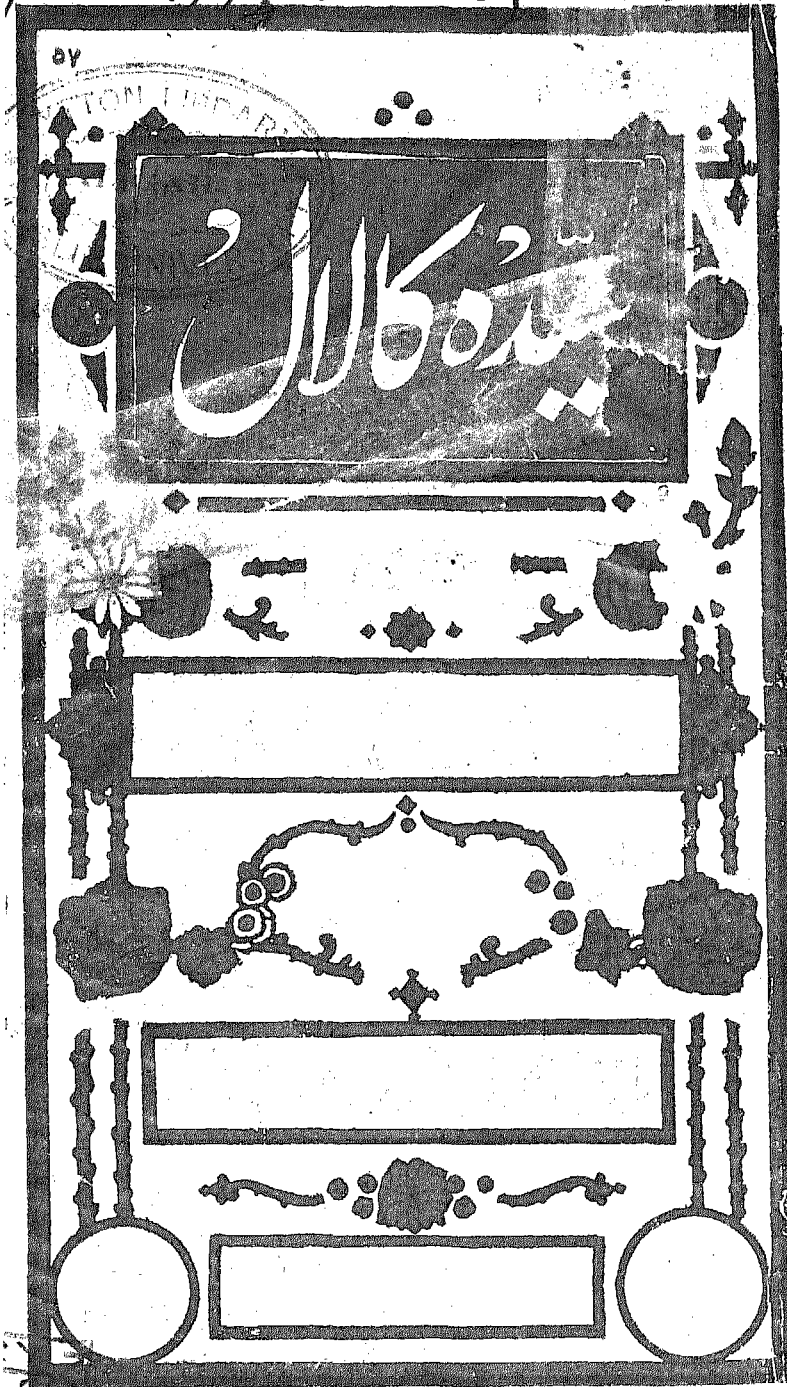
تصانیف فخر نسواں ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد واثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قابل قابل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا اور جن کی تحریریں بلکہ مشہور مصنفین بھی عش عش کرتے تھے مشہور انگریزی روزنامہ کرانیکل کی رائے ہے "مرحومہ خاتون اکرم نہایت [illegible] درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے عمیق گہرے خیالات وجذبات کو نہایت سادہ وپرزور انداز مگر مختصر الفاظ میں ادا کرنیکی قدرت رکھتی تھیں" علیگڈھ میگزین لکھتا ہے "انکا طرز بیان پراثر اور دلنشین ہوتا ہے اور وہ نہایت خوبی کیساتھ اپنے احساسات کو الفاظ کی صورت میں پیش کرسکتی تھیں" رسالہ نور جہاں نے لکھا تھا "مرحومہ خاتون اکرم چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمند اور وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں علمی ادبی قابلیت کیساتھ قدرت نے انکو درد کی بے بہا دولت سے مالا مال کر رکھا تھا جس کی وجہ سے [illegible] پر زور تحریر [illegible] انسانی جذبات کی تصویر نہایت ہی خوبی وخوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں

جمال ہمنشین

خاتون اکرم مرحومہ کے بے مثل ادبی مضامین کا شاندار مجموعہ فانی زندگی۔ تغیرات زندگی۔ نیرنگی زمانہ۔ عبرت گاہ دنیا۔ موسم بہار۔ فلسفہ غم۔ ساون۔ عید۔ زندوں کی زندہ ہستی۔ کسی کی یاد۔ ہنسی مذاق۔ خوشی کا دن وغیرہ وغیرہ وہ دلاویز اور موثر مضامین ہیں جن کی عصمت، تہذیب، استانی، شباب اردو وغیرہ میں شائع ہوکر دھوم مچ چکی ہے جمال ہمنشیں کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفیانہ بحث کی ہے" انڈین ڈیلی میل کی رائے ہے "ان مضامین کی اردو صاف ورواں ہے" زنانہ رسالہ حرم کی رائے "یہ مضامین بہ لحاظ زبان وخیال نہایت بلند ہیں اور انکی اشاعت زبان پر بڑا احسان ہے" انجمن ترقی اردو کا مشہور سہ ماہی رسالہ لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح اور برجستہ ہے" اخبار وکیل کی رائے "جمال ہمنشیں بلاشبہ نسوانی دنیا کے لئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار مدینہ کی رائے "مضامین نہایت بلند پایہ ہیں" حضرت علامہ راشد الخیری نے دیباچہ لکھا ہے۔ تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں۔ آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

پیکر وفا

ایک دلاویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہجاتی ہے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے "یہ ایک کامیاب اور مفید افسانہ ہے جسمیں عورتوں کے احترام کو واضح کیا گیا [illegible]

ن دردانگیز عبارت سادہ
ور دلکش ہے کہ تعریف
ی بہترین آرٹ کاغذ پر

دشگفتہ، اخبار [illegible]
نہیں ہوسکتی۔
چھپی ہے۔ بارہ سو

۹۲۰ ۱۱۱ س ۱۲۲۵

فہرست مضامین حصہ اول تاریخ شہادت

حصہ دوم - مراثی کربلا

LIBRARY
CHECKED-2002

دیباچہ

"الحق مُرّ" کی صداقت مسلّم مگر جب بخار تیز ہو جاتا اور جان پر آن بنتی ہے تو کڑوی دوا تو در کنار عمل جراحی تک کے واسطے تیار ہونا پڑتا ہے۔ مسلمان کا فرض یہ نہیں ہے ایمان کہیں لیکن یہاں کی بات یہ ہے کہ کربلا میں جس آگ کے شعلے بلند ہوئے وہ برسوں پہلے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی شہادت امام حقیقتاً انجام تھا اس ابتدا کا اور خبر تھی اس مبتدا کی جس کا ظہور سرور کائنات کی زندگی ہی میں ہوا یہ تمام واقعات از ابتدا تا انتہا تصویر تھی نفسانیت کی اور تفسیر انا بشر مثلکم کی

مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ خیال کہ عام مسلمانوں کو بنی فاطمہ سے پوری ہمدردی نہیں ایک حد تک صحیح ہے اور اس میں شک نہیں کہ مظالم کربلا کا مقصد صرف نسل زہرا کو تاراج کرنا تھا۔ مگر جس طرح اپنی کتاب آئینہ کے لال میں میں نے شان رسالت کا فیصلہ اس شعر پر کیا کہ ؎ تیرے احکام نے ختم رسل ساکت زباں کر دی ۔ نہ ہوتا قفل گر منہ پر تو بتلاتے کہ کیا تو تھا ۔ اسی طرح اس معاملہ میں بھی یہ شعر پیش نظر ہے ؎ عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا ۔ قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی ۔ لیکن مسلمانوں کا وہ فریق جو سانحہ کربلا کو معمولی جنگ بتا کر غلامان زہرا کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہے حقیقتاً انصاف سے محروم اور ایمان سے بے بہرہ ہے اور مجھے باوجود اس یقین کے کہ حقیقی فیصلہ کے واسطے یوم الحق ہے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مظالم کربلا کو نظر انداز کرنیوالے مسلمان پیغمبر عربی کی امت نہیں ہو سکتے ۔

میرے دوران ادارت میں ایک مضمون تعزیوں کے خلاف رسالہ عصمت میں شائع ہوا تھا جس کے جواب میں ایک لڑکی نے یہ لکھا تھا میں تعزیوں پر قربان ہو نگی لپٹوں گی۔ روؤنگی اور مرونگی۔ مسلمانوں کے وہ جید علما جن کے ہاتھ میں اسلام کی باگ اور جنت و دوزخ کی کنجیاں ہیں شاید اس لڑکی پر کفر کا فتوی لگانے میں لمحہ بھر بھی تامل نہ فرمائینگے لیکن میری ذاتی کیفیت یہ ہے کہ سانحہ میں جسکو بیس سال سے زیادہ ہوئے میرا ایک سات برس کا بچہ ضائع ہوا کئی مہینے بعد اسکی ایک اچکن میرے سامنے آئی۔ یہ اچکن اسکو پہننی بھی نصیب نہوئی تھی مگر اسلئے کہ اسکے نام کی تھی میں اسکو آنکھوں سے لگا کر گھنٹوں روتا رہا ہوں اب اگر کوئی مولوی صاحب قرآن و حدیث کا حوالہ دیکر مجھے گنہگار اور مشرک بدعتی فرمائیں تو میں یہ عرض کرونگا کہ اگر صحیح فرماتے ہیں تو اسلام نے فطرت انسانی کا مطالعہ نہیں کیا یا آپ اسلام کو نہ سمجھ سکے ۔

الزہرا میں باوجود اس کے کہ میں نے کتاب باوضو لکھی اور جہاں کہیں سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا نام قلم سے نکلا آنکھوں سے لگایا۔ میں نے یہ احتیاط کی کہ پڑھنے والے کو میرے مذہب کا پتہ بآسانی نہ چلے۔ مگر اسوقت رہتا تھا اب چلتا ہے اسوقت مصلحت اور ضرورت سامنے تھی آج عقیدت اور حقیقت۔ اسوقت جوانی کی توند تھی دل کی بات زبان پر نہ آنے دی آج موت کی طاقت اصل صداقت کی شمع دکھا رہی ہے اور فیصلے کے واسطے میرا اپنا ایمان کافی ہے ۔ دو چار دفعہ نہیں متواتر پندرہ سال علمائے اسلام سے تحریری بھی اور زبانی بھی شیعہ سنی

سے بھی اور سنیوں سے بھی یہ التجا کی کہ مولود شریف اور شہادت نامہ ایسا لکھ دیں جس کی بنیاد تاریخ پر ہو اور جس کے واقعات پر فلسفہ قہقہے نہ لگائے اور سائنس مضحکہ نہ اڑائے مگر سنیوں نے توجہ فرمائی نہ شیعوں نے نہ مولود شریف تیار ہوا نہ شہادت نامہ، تاریخ شہادت کی تکمیل میں مجھ پر یہ دیکھ کر دلی رنج ہوا کہ میری نظر سے ایک شہادت نامہ بھی نہ گذرا جو میرے شہادت نامہ کے مطابق ہوتا سنیوں سے تو مجھے شکایت نہیں ہو سکتی کیونکہ انکے ایک فریق نے یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیا کہ دو عرب بچے لڑے ایک غالب ہوا ایک مغلوب رونا کیسا اور رلانا کس کی "تعجب شیعہ حضرات پر ہے کہ انہوں نے وقت کے مطالبہ اور زمانہ کی ضرورت کو نظر انداز فرما دیا۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں کربلا سے زیادہ کوئی اہم واقعہ نہیں مگر یہ تعجب و افسوس نہیں صدمہ کی بات ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ اتنے سنگین واقعہ میں بھی ہمزبان نہیں مثلاً حضرت قاسم اور حضرت علی اصغر کی عمروں میں انتہائی اختلاف ہے۔ اسی طرح بی بی سکینہ اور حضرت مسلم کی صاحبزادی کی موجودگی میں۔ حد یہ ہے کہ بعض یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ بی بی شہربانو اسوقت زندہ تھیں۔ شمر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ مختار کی بیوی کا بھائی تھا اس لئے اسکے قتل میں بیوی نے مختار سے وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک وہ ہماری پناہ میں ہے قتل نہ کیا جائے مگر جب وہ رات کو بھاگ کر جا رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک تعجب انگیز اختلاف یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو جعدہ کے ذریعہ جو زہر دلوایا گیا وہ امیر معاویہ کی نہیں یزید کی کوشش تھی حالانکہ اسوقت یزید کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ میں نے ان اختلافی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور قرین یقین کی مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شہادت ناموں میں عام طور پر واقعات کربلا ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس قیامت خیز جنگ کے اسباب کیا تھے، بنو امیہ اور بنو فاطمہ کے تعلقات کی کیفیت کیا تھی اور اس لڑائی کی تہ میں کیا چیز کام کر رہی تھی۔ شہادت کے بعد پڑھنے والا یزید و ابن زیاد و شمر و خولی اور عمر و سعد وغیرہ پر لعنت بھیج چکتا ہے تو فطری طور پر وہ یہ سننے کا مشتاق ہوتا ہے کہ ان بدبختوں کا کیا حشر ہوا اور انسانی طاقت کے فیصلے کے بعد خدائی طاقت نے کیا فیصلہ کیا۔ میرے علم میں اردو کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں واقعہ کربلا سے پہلے اور واقعہ کربلا کے بعد کے حالات بھی ہوں۔ میں نے اس کتاب میں جہاں عہد منافت سے لیکر شہادت امام حسینؑ تک بیچ کی کوئی کڑی نہیں چھوڑی وہاں بعد شہادت کے مختصر حالات اور قاتلان امام کی موت پر بھی بحث کی ہے۔ باوجود اس احتیاط کے کہ میں نے اس کتاب میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں لکھا جس کے تسلیم کرنے میں عقل سلیم کو تامل ہو۔ میں جانتا ہوں کہ بعض مسلمان میری نثر پر پہلا اعتراض یہ کرینگے کہ جو کچھ لکھا گیا فرضی اور غلط ہے اور دوسرا یہ کہ یہ سب بے سود اور رونا رلانا لغو اور بیکار ہے ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں زندگی پیدا کی جائے۔ میں ان معترضین کے احترام میں حسن عقیدت کو علیحدہ کر دیتا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا حرف بحرف صحیح ہے فطرت انسانی کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں اس سے کم ہے جو کچھ ہوا ہوگا۔ کہنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں تو فیصلہ ہو کہ اس قیامت خیز مصیبت میں کیا کچھ نہ گذری ہوگی، اور کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اب رہا دوسرا اعتراض اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں زندگی اسوقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک بہنیں بی بی زینب کی لونڈیاں نہ ہوں، لڑکے علی اکبر کے غلام اور بھتیجے و بھانجے قاسم و عون و محمد کے مقتدی نام نہ جپیں۔ اسلام اس وقت تک زندہ ہے جبتک روایات اسلامی زندہ ہیں۔ جب یہ ختم ہوئیں تو اسلام وہ اسلام ہو گیا جو خدا نہ کرے کہ ہو۔ بعض مسلمان فرماتے ہیں کہ حسینؑ خود ہی چڑھ کر گئے۔ اسکا جواب اس کتاب میں موجود ہے کہ امام حسینؑ کا تشریف لیجانا اس حدیث کے تحت میں تھا کہ کہیں میری وجہ سے کعبہ کی بےحرمتی نہ ہو امام عالی مقام کا یہ اندیشہ حرف بحرف پورا اور دو سال بعد ہی وہ وقت آگیا کہ کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجی خانہ خدا میں پتھر برسائے گئے، غلاف کعبہ میں آگ لگائی گئی اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح مکہ معظمہ میں بہہ گیا۔

جولائی [illegible]　　راشد الخیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی عداوت

بنو ہاشم اور بنو فاطمہ کی دشمنی خلافت سے شروع نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں اور رحلت کے بعد جو کچھ ہوا وہ اصل میں نتیجہ تھا اس کدورت کا جو اوپر سے چلی آتی تھی۔ اور جسکا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے پردادا ہاشم کے باپ کے ہاں دو جڑواں بچے ہاشم اور اُمیہ پیدا ہوئے تھے۔ ان کے باپ عبدمناف نے جب یہ دیکھا کہ یہ دونوں زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ مصلاح ہوئی کہ ان کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہیے۔ شاید ایک بچ جائے، چنانچہ ہاشم اور امیہ تلوار سے علیحدہ کئے گئے۔ اور خدا کی قدرت یہ ہوئی کہ بجائے ایک کے دونو زندہ سلامت رہے اور یہ شجرہ اس طرح چلا۔

عبدمناف
- ہاشم
  - عبدالمطلب
    - ابوطالب
      - علیؓ
    - عبداللہ
      - رسول اللہ صلعم
        - بی بی فاطمہؓ
          - حسنؓ حسینؓ
- امیہ
  - ابوسفیان
    - معاویہ
      - یزید

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ تعلق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تاکہ نفس مضمون کے اعتبار سے وہ کسی دوسری تاریخ کے محتاج نہ رہیں۔ اور انکو معلوم ہو جائے کہ جس تلوار پر ہاشم کے خون کی چھینٹ عبدمناف کے زمانے پڑیں اس نے پیاس کربلا کے میدان
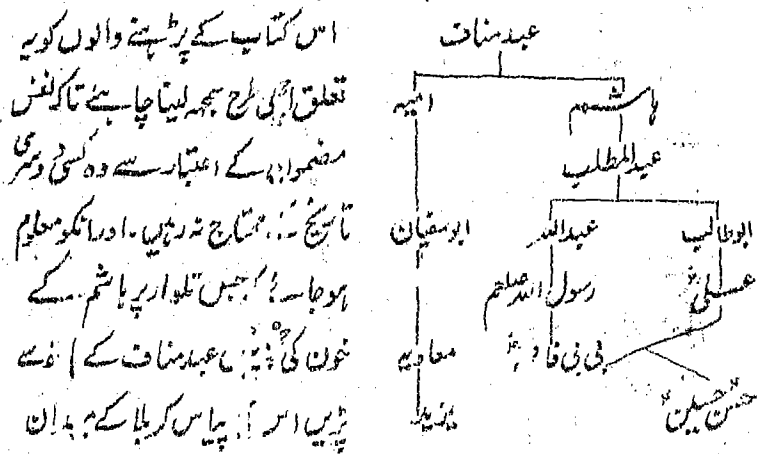
میں بجھی۔ کعبہ کی تولیت نے امیہ کے سینہ میں ایسی آگ لگائی کہ اس کے شعلے صدیوں میں بھی فرو نہ ہوئے۔ اور جب فیصلہ یہ ہوا کہ امیہ کعبہ سے نکلجائے تو گو وہ دانت پیستا ہوا نکلا لیکن اس کے دل پر جو کچھ گذری وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی اولاد میں ابوسفیان تک کوئی قابل ذکر آدمی نہیں ہے۔ ابوسفیان حضور اکرمؐ کی نبوت کے وقت زندہ تھا۔ اور اس نے اپنے پردادا امیہ کے اخراج کا سرور کائناتؐ سے بدلہ لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سیدالشہداؑ آنحضرتؐ کے نواسے اور جناب سیدہ کے لخت جگر ہیں۔ اور یزید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا لڑکا ہے۔ جس طرح حضورؐ کے والد ہاشم کے پڑپوتے ہیں اسی طرح ابوسفیان اُمیہ کا۔

یہ شجرہ سمجھنے کے بعد اب حضور اکرمؐ کا زمانہ حیات اور ابوسفیان کی حرکات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ شہادت امام کا اصلی راز معلوم ہو جائے۔

جسطرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبوت کی تصدیق میں پیش قدمی کی اسی طرح ابوسفیان بطلان نبوت میں پیش پیش ہے۔ سرور کائناتؐ نے جب نبوت کا دعوی فرمایا تو یہ ہی وہ شخص تھا جس نے نہ صرف تکذیب پر بس کی بلکہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ممکن اذیت پہونچائی۔ آدمی چلتا پرزہ اور تھوڑا بہت اثر بھی رکھتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چھوٹے سے بڑا اور بچہ سے جوان ان ہی لوگوں میں ہوا، خوب واقف۔ حالات و معاملات سے خبردار اس لئے جو داؤں کیا وہ بھرپور۔ اسلام کی جتنی لڑائیاں ہوئیں ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی ایسی ہو جس میں ابوسفیان کا جوڑ توڑ نہ ہو۔ اس کے دل میں بنوہاشم کی کچھ ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ گھر کا بچہ بچہ ان کے نام کا دشمن تھا۔ ہندہ جس نے حضور اکرمؐ کے چچا امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر فخر کیا اسی کی بیوی تھی۔

جب صداقت کذب پر غالب آئی اور اسلام کی قوت نے شرک کو مغلوب کیا، مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو منافقین کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اسلام قبول کریں۔ جانی دشمن اور خون کے پیاسے رسالت کے قدموں پر قربان ہوئے اور کلمہ توحید پڑھا۔ ان ہی لاچاروں میں ابوسفیان بھی تھا۔ خدا اور اس کا رسول اس کا اسلام قبول کر لے مگر ہماری رائے میں اس کا دامن بیگناہ خونوں سے اس قدر تر ہو رہا ہے کہ فطرت انسانی اس عفو پر متحیر و متعجب ہو گی،

ام المومنین بی بی خدیجہؓ کا نکاح انکی اولاد اور انکا مرتبہ

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی عداوت کا حال تو اس بیان سے اچھی طرح معلوم ہو گیا اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰ ایمان لا کر ام المومنین ہوئیں اور اپنا تمام مال و متاع اسلام پر قربان کیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کی کامیابی میں بڑا حصہ ام المومنین بی بی خدیجہؓ کی دولت اور ان کی خدمات کا ہے۔ انکے نکاح کے بعد اسلام کو جو تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے ہر موقعہ پر جو مدد دی اس سے سنی یا شیعہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، ام المومنین کے ہاں رسالت مآب سے سات بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے اور چار لڑکیاں۔

قاسمؑ طاہرؑ عبد اللہؑ زینبؓ ام کلثومؓ آمنہؓ فاطمہ زہراؑ

بی بی فاطمہ سب سے چھوٹی تھیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ سرور عالم کو ان سے محبت نہیں عشق تھا اور یہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ چھوٹے بچے سے ہر ماں باپ کو زیادہ محبت ہوتی ہی ہے۔ اس محبت یا عشق کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ دم بھر کی مفارقت بھی جناب سیدہ کی گوارا نہ فرماتے تھے جب کبھی سفر میں تشریف لیجاتے تو سب سے پیچھے ان سے رخصت ہوتے

اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے لینے ملتے۔ انکے بچوں کو اپنا بچہ فرماتے۔ اس تعلق کی مفصل وجوہ پر میں الزہرا میں بحث کر چکا ہوں جن کا خاتمہ مولوی نواب صدیق حسن خاں کے ان اشعار پر ہے۔

دی کسے گفت عائشہ در فضل — بہتر از بنت سید البشر است

مصرعہ در جواب او گفتم — رشتہ دیگر رگ جگر دگر است

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سیدہ کی پیدائش پر رسالت مآب نے یہ الفاظ فرمائے کہ میری یہ بچی دنیا کی بزرگ ترین عورت ہے۔ بی بی خدیجہ کے متعلق یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ سرور دو عالم سے ان کا نکاح ایک معرکہ تھا جو آنحضرت نے نبوت سے قبل سر کیا اور وہ اس طرح کہ ام المومنین کے پہلے شوہر بیاش اور دوسرے عتیق کے بعد تجارت کا تمام کاروبار کچھ عرصہ تک ان کے باپ خویلد نے انجام دیا۔ مگر جب ضعیفی نے زیادہ کمزور کر دیا تو انہوں نے سب حساب کتاب بیٹی کے سپرد کر کے گوشہ نشینی اختیار کی۔ بی بی خدیجہ نے مجبوراً خود ہی دیکھ بھال شروع کی اور گو کام ٹھیک ہو رہا تھا تاہم وہ ایک متدین آدمی کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں۔ اُدھر انکے تمول اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اکثر آدمی نکاح کے متمنی تھے اور پیام دے رہے تھے۔ مگر وہ انکار کر چکی تھیں اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں بسر کرتیں۔

حضور اکرم پر اسوقت تک نزول وحی نہ ہوا تھا۔ مگر دیانت و شرافت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ اور چونکہ آسمانی کتابیں یہ خبر دے رہی تھیں کہ ایک پیغمبر پیدا ہونیوالا ہے اور ان کے عالم وقت کے منتظر تھے اور کاہنہ عورتیں بی بی خدیجہ سے کہہ رہی تھیں کہ تمہاری قوم میں ایک پیغمبر پیدا ہوگا اس لیئے ان کا ذہن رسول اکرم کی تعریف سنکر ادہر منتقل ہوا۔ تاریخ کی

اب تاریخ تو یہ کہہ رہی ہے کہ ام المومنین کو ایک ایسا ندار نائب کی ضرورت تھی جوان کے کاروبار کو سنبھالے۔ مگر ہماری رائے میں حسن عقیدت نے بھی بی بی خدیجہ کو رسول اللہ کی طرف کھینچا اور جس وقت نکاح کی بات چیت شروع ہوئی تو انہوں نے نہ صرف آمادگی ظاہر کی بلکہ سبقت کی۔

ان واقعات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ایک طرف تو بنو امیہ اور بنی ہاشم کے دلوں میں جو شعلے بلند ہو رہے تھے بی بی خدیجہ کے نکاح نے اسپر اور تیل چھڑکا۔ کیونکہ قریب قریب مکہ کے تمام رئیس ان سے نکاح کے خواستگار تھے، دوسری طرف خود بنو ہاشم کے بعض امرا کچھ علانیہ اور کچھ خفیہ حضور سے حسد کرنے لگے۔

اس لئے کہ ہر معاملہ پوری طرح ذہن نشین ہو جائے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں جس کی صحت کی ذمہ داری بخاری جیسی مستند کتاب پر ہے جو کلام الٰہی کے بعد ہمارے عقیدہ میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بیان ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہے جسکا مفہوم یہ ہے۔

ام المومنین بی بی خدیجہ کے بعد رسول اللہ انکی تعریف اکثر فرماتے تھے ایک روز حسب عادت انہوں نے تعریف فرمائی تو ایک بی بی نے کہا" وہ تھیں کیا ایک بڑھیا بیوہ تھیں خدا نے ان سے بہتر آپ کو دیں"۔ یہ الفاظ آپکو اس قدر ناگوار ہوے کہ چہرہ اقدس سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا ان سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں اسوقت جب سب کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی اسوقت جب سب جھٹلا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا مال و دولت اسلام پر قربان کیا۔ خدا نے انکے بطن سے مجھے اولاد دی" اس واقعہ سے ام المومنین بی بی خدیجہ کے احسانات کا پتہ چل سکتا ہے اور بآسانی معلوم ہو سکتا ہے

کہ انکا اثر بعد رحلت حضور کے قلب پر کس قدر تھا۔

قصر اسلام کی سنگین بنیادیں اگر حضرت ابوبکر صدیق کے کرم سے دبی ہوئی ہیں تو اس کی عالیشان چھتوں پر ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبری کے احسانات کا جھنڈا لہرا رہا ہے جسکا اقرار بانی اسلام صلعم کی زبان مبارک نے ہمیشہ فرمایا۔ بدر کی لڑائی میں جب کچھ قیدیوں کی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں تو قیدیوں میں ابوالعاص بھی تھے۔ جو بنت الرسول بی بی زینب کے شوہر تھے۔ شوہر کی رہائی کے واسطے زینب نے اپنی ہیکل جو ان کی اماں ام المومنین بی بی خدیجہ کی تھی خدمت اقدس میں بطور فدیہ بھیجی جب یہ ہیکل سامنے آئی تو آپ نے فرمایا یہ ہیکل اس کی ہے جس کی عمر کا تمام آخری حصہ اسلام کی خدمت میں بسر ہوا۔

ام المومنین کا عشق اسلام سے

بی بی خدیجہ کے نکاح نے نوبت یہاں تک پہونچا دی کہ قریش نے اپنے تعلقات بالکل محدود کر دیئے۔ اور ام المومنین کے پاس عورتوں کی آمد و رفت برائے نام رہ گئی۔ کنبہ اور برادری تو فرنٹ ہو ہی گئی تھی محلہ اور پڑوس کی بھی کوئی عورت پاس آکر نہ پھٹکتی۔ چنانچہ بی بی فاطمہ کی پیدائش کے وقت کسی عزیز نے آکر جھانکا تک نہیں،

عمر کی زیادتی کے ساتھ ام المومنین کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا۔ ادھر رسول اللہ صلعم کے افکار جن میں وہ برابر کی شریک تھیں روز بروز ترقی کر رہے تھے۔ ادھر چھوٹے چھوٹے بچوں کی تربیت اور گھر کا انتظام سر پر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت خراب ہو گئی۔ دولت کا بڑا حصہ اسلام پر قربان ہو چکا تھا۔ اور وہ وقت آگیا تھا کہ رئیس التجار خویلد کی وہ بیٹی جس کی دولت سے

قریش سیراب ہوتے رہے تھے، کنبہ جسکا ہاتھ اور برادری جسکا منہ تکتی تھی اپنا تمام مال ومتاع شوہر پر لٹا کر اللہ اللہ کرتی اور کوئی آکر بات تک نہ کرتا، بیماری نے موت کا یقین دلا دیا تھا۔ تنہا گھڑیوں میں جب رات کا سایہ سر پر ہوتا اور معصوم سیدہ کو گلے سے لگا کر لیٹتیں اسوقت فطرت انسانی مستقبل کا نقشہ سامنے لاتی۔ اور یہ سوچتیں کہ میرے بعد اس بن ماں کی بچی کا کیا حشر ہوگا کس کے پکھوے سے لگے گی اور دشمن اس کے ساتھ کیا سلوک کرینگے۔ میرے جیتے جی یہ حالت ہے کہ ہر متنفس جان کا دشمن ہے اور بظاہر اس دشمنی کے ختم ہونے کی امید نہیں، میری آنکھ بند ہونے کے بعد اس بچی کا انجام کیا ہوگا۔ پانچ برس کا زمانہ اسی ادھیڑبن میں بسر ہوا۔ عزیزوں کی عداوت کا فکر اور رسالت کے مخالفین کا رنج ایسا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ بدن میں سکت نہ رہا۔ ایک طرف حضور اکرمؐ کا فکر تھا دوسری طرف جناب سیدہ کا۔ عبادت الہی سے فارغ ہو کر اکثر بچی کو سینہ سے لگا کر روتیں اور فرماتیں موت سر پر آپہنچی کاش فاطمہؑ میرے سامنے بڑی ہوجاتی تو میں باطمینان دنیا سے رخصت ہوتی

حارثہ بنت عقیل کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی شدت کی تھی اور ہوا چاروں طرف آگ برسا رہی تھی، میں ام المومنین کے گھر میں داخل ہوئی۔ یہ دیکھکر کہ ان کی عالت روز بروز بگڑ رہی ہے اکثر جایا کرتی تھی۔ بی بی خدیجۃ الکبری مرض الموت میں گرفتار تھیں کمزوری کا زور تھا اور اب چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ میں نے دیکھا کہ معصوم سیدہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے بیمار ماں کا سر دبا رہی تھی، بخار تیز تھا اور درد زیادہ۔ ام المومنین کی خالہ زاد بہن اطم بیٹھی ہوئی تھی۔ اور مجھکو یہ دیکھکر سخت رنج ہوا کہ اطم بجائے تسکین کے نہایت جگرخراش گفتگو کر رہی تھی۔ ام المومنین سے بآسانی بات نہ کہی جاتی تھی۔

انہوں نے رک رک کر کہا "آرزو ہے کہ خدائے برحق خاتمہ بالخیر کرے۔ اطہم ام المومنین کے ساتھ کی کھیلی اور بچپن کی سہیلی تھی۔ مگر ایسی کٹر اور سنگدل کہ یہ سنکر ہنسی اور ہنسکر کہا جس ایمان لائی ہو اور جسکو دولت وہی ہے وہی خاتمہ بالخیر کریگا۔ ام المومنین نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی مگر آنکھیں بند ہوگئیں اور بول نہ سکیں اطہم نے اپنے الفاظ پھر دوہرائے اور کہا۔ خدیجہؓ تم جس تکلیف میں مر رہی ہو یہ تم نے خود پیدا کی ہے۔ بزرگوں کی نافرمان اور برادری کی گنہ گار عورت کو اسی طرح مرنا چاہئے اب بھی اگر توبہ کر لو اور اپنی حرکتوں پر نادم ہو تو خاندان تمہارے ساتھ ہے۔ تمہاری نافرمان میت ہماری اپنی ہوگی اور ہم تمہارا جنازہ تزک و احتشام سے اٹھائیں گے۔ ورنہ جس طرح آج تمہارے حلق میں کوئی پانی ٹپکانے والا نہیں ہے۔ اسی طرح تمہاری لاش کا بھی کوئی اٹھانیوالا نہ ہوگا۔ غنیمت ہے کہ تم نے اپنی غلطیوں کا خمیازہ دنیا ہی میں دیکھ لیا اور تم ہمارے واسطے ایک سبق ہوگئیں۔ تمپر تو جو کچھ گذرنی تھی گذر گئی اس بچی کی کیوں مٹی پلید کرتی ہو۔ ہمپر نہیں تو اس معصوم پر رحم کرو تم جس رسالت پر ایمان لائی ہو یہ غلط ہے۔ اسی نے تمکو یہ دن دکھایا اگر تم اپنی غلطی کا میرے سامنے اقرار کرو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہم سب تمہاری مدد کو تیار ہیں اور تمہاری بچی کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور اسکو کلیجہ سے لگا کر اپنے بچوں کی طرح پالیں گے۔

اطہم کے الفاظ جادو تھے کہ مردے میں جان پڑگئی۔ ام المومنین اُٹھ بیٹھیں۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں نفرت سے اطہم کی طرف دیکھا اور کہا۔ اطہم میرے سامنے سے دور ہو جا جو موت مجھکو آرہی ہے۔ خدا ہر قریش کو نصیب کرے اور میری طرح سب کا توحید پر خاتمہ ہو یہ حالت جسکو تو اذیت سمجھ رہی ہے حقیقت میں راحت ہے۔ تو نے میری کیفیت کو

غلط سمجھا۔ فلاکت میرے واسطے نعمت اور تنہائی میرے لئے جنت ہے، میری بچی کا بہتر وارث وہی ہے جس کی راہ میں میں نے اپنی دولت قربان کی۔ میں بظاہر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہوتی ہوں۔ مگر زندگی کے بیش بہا خزانے میرے ساتھ ہیں۔ آسمانی فرشتے فاطمہؓ کی حفاظت کرینگے میں رسول اللہؐ کے یہ الفاظ سن چکی ہوں کہ فاطمہؓ دنیا کی بہترین عورت ہے۔ یہی میرا ایمان ہے۔ تو اگر زندہ رہی تو دیکھ لیجیو کہ میری بچی کا نام مسلمانوں کے واسطے راحت جان ہوگا۔ دنیا کے تاریک پردے تیری آنکھوں پر پڑے ہیں اور شیطان تجھکو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ میں تجھکو سمجھاتی ہوں اس لئے کہ میری بہن ہے نصیحت کرتی ہوں اسواسطے کہ بھینلی اور سہیلی ہے کہ ایمان لا اس رسول پر جس کی رسالت برحق ہے جس کی صداقت کی شہادت شجر و حجر دے رہے ہیں۔ تیری یہ زندگی جس پر تو نازاں ہے ابدی نہیں ہے تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تیری حالت منقلب اور ہر کیفیت متغیر تھی۔ تیرا بچپن جوانی سے بدلا اور اب جوانی بھی ڈھلنی شروع ہوگئی۔ سیاہ بال آدھے سے زیادہ سفید ہوگئے اور چہرہ کی جھریاں شباب کو وداع کر چکیں۔ اگر تیرے دل میں ایمان کی جھلک ہوتی تو یہ تغیر اور یہ انقلاب جو پیام موت ہے تیری آنکھیں کھول دیتا اور تیری زندگی موت سے پہلے موت کے واسطے تیار ہو جاتی تجھکو اچھی طرح معلوم ہے کہ میری عمر کا بڑا حصہ کتب آسمانی کے مطالعہ میں بسر ہوا۔ میں تجھکو بتاتی ہوں کہ انجیل و توریت اس پیمبر کی ظہور کی خبریں دے رہی ہیں جسپر میں ایمان لائی اور جس کے نکاح نے مجھکو بنت خویلد سے ام المومنین بنا دیا۔ تیرے منہ پر آنکھیں ہیں تیرے دماغ میں عقل ہے۔ تیرے پہلو میں دل ہے تو دیکھ رہی ہے تو سن رہی ہے۔ اب تک دیکھا اور سنا اب سمجھ اور غور کر کہ تو اپنا خاندان اور

تیری قوم اعلان نبوت کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے۔ اور وہ تمہاری شرارتوں کا کیا جواب دے رہا ہے۔ افسوس ہے تمہاری عقلوں پر، تم ایک طرف اس کی انسانیت کا اقرار کرتے ہو، اس کی دیانت کا کلمہ پڑھتے ہو۔ اسکو امین اور صادق کا لقب دیتے ہو اور دوسری طرف اس کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو۔ عقلمند ہو۔ ہوشیار ہو بتاؤ بولو۔ آخر کس خطا اور کس قصور میں۔ تم اگر پیغمبر تسلیم نہیں کرتے نہ کرو۔ لیکن سوچو کہتا ہے اور کر و جو بتاتا ہے تم ان صفات کا انسان اس طبیعت کا آدمی اپنے کنبہ میں اپنے محلہ میں اپنے شہر میں مردوں میں اور عورتوں میں۔ مُردوں میں اور زندوں میں دکھا دو اور بتا دو۔ تم نے اپنی شرارت میں اپنی عداوت میں اپنی خباثت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ گڑھے کھود رہے ہو اور جھڑیاں ڈال رہے ہو۔ مگر اسکی زبان پر سوا صبر و شکر کے دوسرا لفظ نہیں آتا۔ اگر اب بھی تمہارا ایمان اس کی رسالت تسلیم نہیں کرتا تو بدبخت ہو اور اس دنیا کے ساتھ جسکا خاتمہ یقینی ہے دین بھی تباہ کر رہے ہو۔ اطم موت دور نہیں۔ آنکھ بند کرنے کی دیر ہے مجھکو آرہی ہے اور تجھکو آئیگی۔ لیکن میں نے دنیا سے دین خریدا۔ فانی زندگی بگاڑ کر ابدی زندگی سنواری۔ خوش رہی اور بشاش چلی۔ خالی ہاتھ آئی اور بھری پُری جاتی ہوں زندگی کا مقصد یہی ہے اور دنیا کی غرض یہی۔ اطم مجھ سے سبق لے اور توبہ کر ڈر موت سے جو برحق ہے اور خوف کر عذاب کا جو اٹل ہے۔ توبہ کر گناہوں سے اور باز آ شرک سے۔ ایمان لا توحید پر اور اقرار کر رسالت کا۔

یہاں تک پہونچکر ام المومنین کی زبان بند ہو گئی۔ وہ گر پڑیں۔ اور بیہوش ہو گئیں۔ مگر اس تقریر کا اثر اطم پر اتنا ہوا کہ اسکی ہچکی بندھ گئی اٹھی اور ام المومنین کے قدموں میں گر پڑی اور چیخیں مار مار کر اس قدر روئی کہ ام المومنین کی آنکھ

کھل گئی اور انہوں نے پوچھا کیا غل غپاڑہ ہے۔ اطم نے ہاتھ جوڑ کر کہا خدیجہ بہن مجھے بھی مسلمان کر لو۔

تھوڑی دیر بعد رسول اللہؐ تشریف لے آئے۔ اور اطم نے اسلام قبول کیا۔ اس کے اسلام نے مکے بھر میں کھلبلی مچا دی، شام کے قریب خاندان کے بہت سے آدمی ام المومنین کے گھر پر چڑھ آئے اور اس قدر بپھرے ہوئے کہ اللہ کی پناہ۔ اطم کو پکڑ کر لے گئے اور چلتے وقت یہ کہہ گئے کہ ہم سب خدیجہ سے اس کا بدلہ جلد لیں گے۔

میں کہہ سکتی ہوں کہ خدیجہ عورت نہیں فرشتہ تھی حالت لحہ بلمحہ بگڑ رہی تھی اور موت کے آثار جسم کی رگ رگ سے نمودار تھے۔ قریش اس قدر چیخ پیٹ کر گئے لیکن اطم کے مسلمان ہونے کی خوشی ان تمام حالات پر غالب تھی وہ اپنی تکلیف بھول گئیں اور باغ باغ تھیں۔ میں دوپہر سے دیکھ رہی تھی کہ طبیعت کا رنگ صحیح نہیں ہے اسلئے رات کو اپنے ہاں جا کر صبح پھر آگئی آج مجھ سے پہلے ہی اسماء بنت عمیس پوچھ چکی تھیں اسواسطے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چلی آئی۔

ام المومنین بی بی خدیجہ کی محبت جناب سیدہؑ سے

دوسرے روز گئی تو مرض کی کیفیت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ مگر اطم کے مسلمان ہونے کی خوشی ام المومنین کے چہرہ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت پانی مانگا بی بی فاطمہ لیکر آئیں پی چکیں تو چہرہ پر کچھ افسردگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسماء نے مجھکو اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا شاید آپ کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے اور درد سر وغیرہ ہے تو میں دبا دوں۔ یہ کہہ کر میں نے سر پہ ہاتھ رکھا تو بخار تیزی پر تھا۔ میرے سوال پر مسکرا کر فرمایا جسمانی تکلیف کی پروا میں نے تمام عمر نہیں کی اب کیا کرونگی۔

اسماء نے اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھے اور کہا ام المومنین آپ سے زیادہ خوش نصیب عورت دنیا میں کون ہو سکتی ہے۔ آپ زندگی کو اس طرح ختم کر رہی ہیں۔ جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی آپ نے دنیا سے اتنا کما لیا کہ کوئی اور نہ کما سکے گا۔ آپ یہاں سے اس قدر سرخرو رخصت ہو رہی ہیں کہ آج کی اسلامی دنیا اور آنے والی دنیا آپ کا نام سر آنکھوں پر رکھے گی۔ آپ نے اپنے کارنامے اور اپنی خدمات ایسے بے مثل چھوڑی ہیں کہ دنیا انکا ثانی پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا وقت ہے کہ آپ جس قدر خوش ہوں کم ہے۔ آپ کی اذیت کا دور ختم ہوا اور راحت کا وقت شروع ہوتا ہے آپ کو ہنسنا چاہیے کہ خدا آپ سے راضی رسول آپ سے خوش۔ آپ اس وقت کیوں جی بھاری کر رہی ہیں۔

میری اس گفتگو پر چند لمحہ کے واسطے ام المومنین کے خیالات اس طرف منتقل ہوئے اور مسرت کی ایک عارضی لہر ان کے چہرہ پر دوڑی لیکن فوراً ہی ختم ہو گئی اور فرمانے لگیں۔

اسماء تمہارا کہنا درست ہے اور اس اعتبار سے میں جس قدر بھی خوش ہوں کم ہے میں سمجھتی ہوں کہ میری دولت کا مصرف اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خدا کی راہ میں کام آئے اور ارشاد نبوی کے موافق میرا یہ عمل بھی مقبول ہو سکتا ہے کہ محض خدا کے واسطے میں نے دنیا کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اور راہ صداقت پر تمام تعلقات قربان کر دیئے۔ مگر تم جانتی ہو کہ میں بشر ہوں اور فطرت انسانی کے تقاضے سے مجبور مجھکو اس وقت اپنی چھوٹی بچی فاطمہ کا فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہو گا میرا عقیدہ اور یقین یہ ہے کہ خدا سب کی مشکلیں آسان کرتا ہے اور وہی سب کچھ کریگا۔ مگر مامتا کے آنسو نہیں رکتے اور بہت سی باتیں رہ رہ کر کلیجہ مسوس رہی ہیں۔ یہ آج بچہ ہے اور کل جوان ہو گی، مجھے

یہ بھی اطمینان ہے کہ میرا خدا جسپر میں ایمان لائی اسکو اچھا دولہا دیگا۔ اور یہ دونوں میاں بیوی اس دنیا میں ہمیشہ خوش و خرم رہیں گے مگر تم جانتی ہو کہ جسوقت ایک بچی دلہن بنکر میکے سے وداع ہوتی ہے تو سسرال میں ہر متنفس غیر اور پرایا ہوتا ہے۔ اسی واسطے میکے کی دو ایک عورتیں دلہن کے ساتھ جاتی ہیں کہ وہاں کی ضرورتوں میں کام آئیں اور عالم تنہائی میں انیس ہوں، یہ انتظام مائیں کرتی ہیں اور بھروسہ کے قابل عورتیں ساتھ بھیجتی ہیں میری خواہش ہے کہ اگر اسوقت تم زندہ ہو تو تم جانا اور مجھ سے وعدہ کرو کہ میری اس آرزو کو پورا کروگی۔

اس قدر گفتگو کے بعد اسمار کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور انہوں نے کہا

ام المومنین آپ اطمینان رکھئے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر زندہ رہی تو آپ کی بچی کے ساتھ اس کی سسرال جاؤں گی اور جب تک اسکو ضرورت ہوگی اور جب تک یہ اچھی طرح اپنے دولہا سے مانوس نہوگی وہیں رہوں گی ام المومنین یہ سنکر خوش ہوئیں اسمار کے حق میں دعا کی اور خاموش ہوگئیں۔

ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی رحلت

رات گذری۔ مگر تمام رات ام المومنین کو نیند نہ آئی، بخار بہت تیز تھا۔ مگر اس حالت میں بھی انکی زبان پر کلمہ توحید جاری تھا۔ ابھی صبح پوری طرح نہ ہوئی تھی کہ سانس بگڑ گیا۔ مگر دماغی حالت صحیح تھی بچی کو انہوں نے اپنے پاس بلا کر گلے سے لگایا اور بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھکر کہا " فاطمہ تجھکو خدا کے سپرد کیا۔ دو یا تین مرتبہ یہ الفاظ کہے اور اس کے بعد پاک روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مکہ کے مشہور قبرستان ہیجون میں دفن ہوئیں اور جس بچی کے بطن سے اسلام کے دو شہزادے پیدا ہونے والے تھے وہ ماں کی شفقت سے ہمیشہ کو

محروم ہوگئی۔

رسول ہاشمی کو برحق سمجھنے والے مسلمانو! انصاف کی نگاہیں بلند کرو اور شوق کے قدموں سے آگے بڑھو۔ قبرستان ہجون میں تمکو وہ جنازہ نظر آئیگا جسپر عقل انسانی تحسین ومرحبا کے پھول نچھاور کررہی ہے۔ فرشتے اپنی پلکوں سے اس قبر کی جھاڑو دے رہے ہیں۔ یہ وہ عورت ہے جس نے مظلوم اسلام کی اسوقت حمایت کی جب دنیا اسکو ٹھکرا رہی تھی۔ یہ وہ بیوی ہے جس نے اپنا تمام زر و دولت اور مال ومتاع مذہب مقدس پر لٹا دیا۔ اور آج خالی ہاتھ خدا کے حضور میں جارہی ہے۔ یہ وہ ماں ہے جو مسلمانوں کے واسطے سیدہ جیسی بچی چھوڑ رہی ہے۔ وہ بچی جو دنیا کی بہترین عورت ہے۔ وہ بچی جس کا نام مسلمان سرآنکھوں پر رکھیں گے۔ وہ بچی جس کی زندگی مسلمانوں کے واسطے پیام تسکین اور جس کی موت انکی زندگی کا سبق ہوگی جس کے پیٹ سے حسنینؑ جیسے بچے پیدا ہوں گے وہ بچے جو مسلمانوں کو زندگی کے معنی بتائیں گے یہ وہ مسلمان ہے جس کے ایثار کا جواب دنیا کی کوئی مسلمان عورت نہ دے سکی۔ یہ وہ بیگم ہے جس کی قربانیاں جس کی خدمات افضل البشر کا مقابلہ کررہی ہیں، یہ وہ حور ہے جس کی میت صداقت کے پھولوں سے آراستہ اور حقیقت کے جواہرات سے مزین ہے۔ یہ وہ دلہن ہے جسکا لباس سدا بہار پھولوں سے معطر ہے ہماری پہلی ماں اور ہمارے آقا کی پہلی بیوی اسلام کی پہلی مربی۔ رسول اللہ کی پہلی جان نثار اور کلمہ توحید کی پہلی سرپرست۔

قریش کا منافق گروہ جنازہ کی بیکسی پر ہنس رہا ہے۔ مگر آسمان کی آنکھیں ام المومنینؓ کی وداع پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ قربان اس میت پر میت والی کے نام پر نثار اس جنازہ پر، جنازہ کی بیکسی پر جسکا طواف ملائکہ

مقربین کر رہے ہیں۔ قریش کے ناپاک ہاتھ اس جنازہ کو کندھا دینے کے قابل نہ تھے فرشتے ہاتھوں ہاتھ لائے ہیں اور یہ وہ وقت ہے کہ عروس اسلام کا وہ جسد خاکی جو مذہب مقدس پر پروانہ وار فدا رہا چشم انسانی سے روپوش ہو کر ابدی نیند سو جائے۔

زندہ دنیا کی مسلمان لڑکیاں زیادہ نہیں چند لمحے کے واسطے آنکھیں بند کریں اور سوچیں کہ وہ کیا وقت ہوگا اور خلوص و صداقت کی اس دیوی نے کس دل سے کیسی کیسی قربانیاں کی ہونگی۔ عزیز فرنٹ ہو گئے، کنبہ دشمن ہوا محلہ نے ملنا جلنا ترک کیا۔ برادری نے آنا جانا چھوڑا۔ اثاثہ ختم دولت فنا اور یہ سب کس کے لئے اور کیوں ایک تن واحد کے واسطے خدا اور اس کے رسول کی رضامندی کے لئے۔

ہیجون میں پہلا مسلمان جنازہ

جب دفن کا وقت آیا تو بنوامیہ اور قریش نے متفقہ کوشش کی کہ ام المومنین ہیجون میں دفن نہ ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عردان نامی آگے بڑھا اور کہا یہ ہمارا خاندانی قبرستان ہے۔ جہاں ہمارے بزرگ اور باوا اجداد دفن ہیں۔ یہ ہمارے مذہب سے برگشتہ ہو کر عبداللہ کے لڑکے پر ایمان لائی اور بڑوں کے عقیدہ سے پھری ہم اسکو یہاں دفن نہ ہونے دینگے۔ ابتدا میں اس بحث نے زیادہ طول پکڑا مگر پھر وہ خود ہی ٹھنڈے ہو گئے اور کہا زندگی تک یہ اپنے عقائد کی مالک تھی مگر اب یہ گوشت پوست ہمارا ہے اور اگر ہمارے ہاں دفن ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کی کیفیت

طلوع آفتاب کو دوپہر سے زیادہ گذر چکے جنازہ کو گئے چار پانچ گھنٹے

ہو گئے، اطم اپنے گھر گئی۔ فاطمہ بنت اسد فاطمہ بنت زبیر بھی چلی گئیں، اب گھر میں
ایک معصوم بچی کے سوا کوئی نہیں۔ کتنا نازک وقت درد انگیز سماں ہے کہ پانچ
سال کی ایک معصوم بچی جو ابھی موت و زندگی کو نہیں سمجھ سکتی ماں کو چاروں طرف
ڈھونڈھتی پھر رہی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے۔ کونے کونے جاتی
ہے چپے چپے پر پہنچتی ہے، بچھونے اٹھا کر دیکھتی ہے۔ اور مایوس ہو کر ایک
کونہ میں خاموش ہو بیٹھتی ہے۔ اسکو تسکین دینے والے گھر کے در و دیوار ہیں
اور سینہ سے لگانے والے ہوا کے جھونکے بیکسی و تنہائی کے عالم میں ننھا
سا دل ڈرتا ہے۔ کھڑی ہوتی ہے۔ ادھر ادھر دیکھتی ہے اور پھر اماں اماں کہتی
ہوئی دروازہ تک پہنچکر لوٹتی ہے اور گر پڑتی ہے

ننھی سی جان کا پرواز تخیل دفعۃً اسکو اس واقعہ کی طرف لے گیا اور دو
روز پہلے کا وہ سماں آنکھوں کے سامنے آگیا جب ماں بستر مرگ پر پڑی ہے۔
آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں جاری ہیں۔ اسماء بنت عمیس سے رو رو کر
درخواست کر رہی ہے کہ میرے بعد جب بچی جوان ہو اور شادی کا وقت آئے
تو اس لئے کہ میری فاطمہ کو تکلیف نہ ہو تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ اسماء تم مجھ سے
وعدہ کر لو کہ اسکی وداع کے وقت تم ساتھ جاؤ گی میں اور کسی قابل نہیں ہوں
ہاں تمہارے واسطے دعا کر دوں گی۔ میں نے اپنا بھرا پرا گھر محض خدا کے
واسطے اجاڑا ہے۔ اور پشت ہا پشت کی دولت جو پہاڑوں کاٹے نہ کٹتی
اس کے رسول پر قربان کی ہے جس کی خدمت میں بیسیوں لونڈی غلام
حاضر رہتے تھے آج وہ انسان کی صورت کو ترس رہی ہے۔ وہی خدا جس کے
واسطے میں نے اپنی ثروت لٹائی میری دعا قبول کرے گا۔ اسماء بن باپ کی
بچی کو دہوکا نہ دینا اور مجھکو مردہ سمجھکر میری پیاری زہرا کو تن تنہا رخصت نہ کر دینا

اسماء میری بچی آنکھوں کا تارا ہے۔ خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اقرار کرو کہ میرے کلیجے کے ٹکڑے کو اکیلا نہ چھوڑو گی

معاملہ کو سمجھنے کی عمر نہ تھی مگر ماں کی صورت جو آنکھ سے اوجھل ہو چکی تھی۔ بھولے بھالے دل کے سامنے آ گئی، بیتاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بلبلائی اور روتی ہوئی ادھر ادھر دوڑی۔ آسمانی حوریں خاموش آنسوؤں پر قربان ہو رہی تھیں۔ مگر دنیا کے بسنے والے بے خبر تھے اور جانتے تھے کہ مقدس لبوں کا یہ نالہ عرش عظیم تک جا رہا ہے اور کائنات سماوی اس کے سامنے اپنی آنکھیں بچھا رہی ہے۔ قریشی دل جن کی گودوں میں نبچے تھے جنکی انگنائیوں میں لال کھیل رہے تھے جو ماں ممتا کے درد سے پوری طرح واقف تھے ایسے پتھر ہوئے کہ آج ایک انسان ایسا نہ تھا جو جنت کی اس حقیقی حور کو کلیجے سے لگاتا بن ماں کی بچی کو تسکین دیتا اور سر پہ ہاتھ رکھتا۔ محلہ اس کی آہ پر ہنس رہا تھا اور برادری اس کے آنسوؤں کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بنکر اس دروازہ میں جا کھڑی ہوئی جس میں سے ماں کا جنازہ گیا تھا۔

عورتیں سروں پر روا ڈالے ہر سمت پھر رہی تھیں اور خاموش آنکھوں کی ٹکٹکی صرف اس توقع پہ بندھی ہوئی تھی کہ ماں اور ماں کا پکھوا نصیب ہو جائے۔ اور ان رستہ چلتی عورتوں میں شاید وہ صورت بھی نظر آ جائے جو اپنے ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈال دے اور کلیجے سے لگا لے۔ وقت کا بڑا حصہ گذر گیا۔ ننھے سے دل پہ ناامیدی کی گھٹا چھا گئی۔ دفعتہً فاطمہ بنت اسد سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔

ایک حسرت نصیب نگاہ معصومانہ انداز سے اوپر اٹھی قدم آگے بڑھے بنت اسد شہزادی کی صورت دیکھ تڑپ اٹھی۔ روتی ہوئی آنکھوں سے گود میں

اٹھا کر پیار کیا۔ اندر لائی بچکی بندھی ہوئی تھی کہ فاطمہ بنت زبیر بھی آگئی دونوں کی دونوں سیدہ کو گلے سے لگائے رو رہی تھیں جب بچی سوگئی تو بنت اسد نے کہا۔

ام المومنین کو فاطمہ سے اس قدر عشق تھا کہ رحلت سے چند گھنٹے قبل بستر سے اٹھیں اور پیالے میں تھوڑی سی مٹی بھگوئی اور کپڑے درست کئے اور کہا میری بچی کا سر چکیٹ رہا ہے میرے بعد اس کا سر کون دھلائے گا میں اپنے سامنے اس کا سر دھو دوں کہ قریش کی عورتیں میری فاطمہ پر نہ ہنسیں۔ تم دیکھتی ہو کہ اسکے کپڑے میلے ہو گئے میرے بعد اس کے کپڑے کون بدلے گا۔ موت کا گھر ہوگا لوگ آئیں گے اور جائیں گے میں چاہتی ہوں میری شہزادی کسی کی نگاہ میں حقیر نہ ہو، میں اپنے ہاتھوں سے آخری خدمت اپنی بچی کی انجام دیدوں،

ام المومنین کی طبیعت زیادہ بگڑ رہی تھی انہوں نے بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور سینہ سے لگا کر روتی رہیں۔ پھر یہ کہہ کر "میری ماتجھ سے ہمیشہ کو چھوٹتی ہے میری ننھی سی جان اب تو بن ماکی ہوتی ہے اور آج خدا کا حکم تجھکو ماں کی مامتا سے محروم کرتا ہے۔ یہ چاند سا مکھڑا اور یہ بھولی صورت جس پر میں قربان تھی مجھ سے چھوٹ رہا ہے" فرمایا بی بی میں تجھکو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ خاندان تیرا دشمن ہے اور برادری میں کوئی اتنا نہیں کہ محبت کا ہاتھ سر پر پھیرے آ۔ میری بیگم میری گود میں آ۔ میں اپنے ہاتھ سے تیرا منہ ہاتھ دھلا کر اجلے کپڑے پہناؤں۔ ارمان یہ تھا کہ ان ہاتھوں سے دلہن بناؤں۔ مگر تقدیر بس نہ تھا۔

فاطمہ ننھی سی عمر اور چھوٹا سا حافظہ ہے مگر کچھ نصیحت کرتی ہوں یاد رکھنا۔ باپ کے سوا اب کوئی دنیا میں اتنا نہیں کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے

قریش جان کے دشمن اور بنوامیہ خون کے پیاسے ننھی سی جان کنت نے ظلم ہونگے اور تکلیفیں بھگتنی پڑینگی ۔ فاقوں میں روٹی کا ٹکڑا میسر نہ ہوگا اور پیاسی ایک ایک قطرہ کو ترسوگی ۔ ان پیارے پیارے نازک ہاتھوں میں جن پر میں ہزار بار قربان چکی پیسنے پیسنے چھالے پڑینگے ۔ دیکھو مرنیوالی ماں کے خون پر جو رگ رگ میں دوڑ رہا ہے حرف نہ آنے پائے ، بی بی سخت سے سخت مصیبت میں شکایت زبان پر نہ آئے ۔ فاقوں میں پیٹ سے پتھر باندھنا اور ظلم میں زبان پر مہر لگانا ۔ میری مینا ماتیرے آنسوؤں پر نثار تو رو کر اپنا دل بھاری نہ کر تجھے کیا معلوم کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا ۔

ام المومنین سے زیادہ رقت مجھ پر طاری تھی ۔ انہوں نے سیدہ کا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا اور کہا جانتی ہوں اس جسم پر نیل پڑینگے اور دشمن کا پوری طاقت سے حملہ ہوگا ۔

اسماء کا یہ بیان اور یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ صلعم گھر میں داخل ہوئے تو عجب سماں تھا بچھڑی ہوئی بیٹی جس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اٹھ بیٹھی اور باپ کی صورت دیکھتے ہی تڑپ اٹھی دوڑ کر لپٹ گئی سرور کائنات ؐ نے سر پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ اقدس پر نظر ڈالکر پوچھا ماں کہاں ہے اس سوال نے سب کے کلیجے اڑا دیئے ۔ سید المرسلین نے فرمایا خدا کے ہاں معصوم دل اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اور بچی کی خاموش نظریں باپ کے چہرہ پر جمی رہیں سرور عالم ؐ نے گود میں اٹھا کر پیار کیا اور تسکین دے کر باہر تشریف لے گئے معصوم و مغموم چہرہ خوشی سے بدل گیا اور شہزادی یہ کہتی ہوئی ہشاش بشاش گھر میں دوڑنے لگی ۔ رسول اللہ صلعم میری ماں کو اللہ کے ہاں سے لینے گئے ہیں ۔ اب میری اماں آتی ہوں گی ، میں انکا

بچھونا صاف کردوں، سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ خالہ میں اتنے دوا بھگو دوں آتے ہی پی لیں گی کھانسی کو آرام ہو جائیگا۔ کہیں مجھ سے خفا ہو گئی ہوں۔ خالہ جان رسول اللہؐ سے کہدینا مجھے بھی ساتھ لے چلیں میں اماں جان کو منالوں گی وہ مجھ ہی سے ناخوش ہیں اٹھو اٹھو اچھی خالہ جان جاؤ کہدو مجھے بھی لیچلیں وہ میرے کہنے سے فوراً آجائیں گی میں ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرالونگی۔ بڑی خالہ جان تم جاکر رسول اللہؐ سے کہدو کہ وہ اب اپنی اماں سے نہ روٹھے گی۔ کپڑے بھی بدل لونگی سر بھی دھلوا لونگی خالہ اماں میری اماں جان مجھ سے خفا ہو کر چلی گئیں اب رسول اللہ صلعم منالائیں گے ایسی خفا ہوئیں کہ آج صبح سے مجھے کھانا بھی نہیں دیا۔ اب آتی ہونگی کہونگی ایسی بگڑیں کہ سارا دن گذر گیا ایک کھجور بھی منہ میں نہ گئی ہاں ہاں مجھے یاد آگیا۔ کپڑوں پر خفا ہوئی ہیں کہ میں نے کپڑے نہیں بدلے۔ اچھا اب جلدی سے بدل لوں

تاریکی پردہ دنیا پر چھا چکی تھی قریش جگمگاتی روشنی میں رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ مگر دونوں جہان کی ملکہ کے پاس چند قطرے تیل کے تھے کہ ماں کی لحد پر جلا دیتی۔ ننھا سا دل اپنے معصوم جذبات سے ماں کے آنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اندھیرے میں منہ دھویا جلدی جلدی کپڑے بدلے اور دروازہ میں جاکر کھڑی ہوئیں۔ ساعت قیامت سے وہ وقت کم نہ تھا جب پانچ چھ برس کی ایک جان دروازہ میں کھڑی اس ماں کی راہ دیکھ رہی تھی جو زمین کا پیوند ہو چکی دفعتہً سلمیٰ بنت صغیر ردا اوڑھے اور منہ ڈھانکے ڈیوڑھی میں داخل ہوئی بی بی خوشی کے مارے اچھل پڑی اور لپٹ کر کہا۔

"اہا میری اماں جان آگئیں"

بنت اسد اور بنت زبیر کے سسکیوں میں کہرام مچا ہوا تھا۔ سلمیٰ بی بی کے

اس کہنے سے کہ میری اماجان آگئیں اور لپٹ جانے سے بالکل بے اختیار ہو گئی منہ چھپائے رکھا اور گود میں اٹھا کر کلیجہ سے لگا لیا۔

شام ہو چکی ہے اور لو کے تھپیڑے کم ہو چلے ہیں۔ نیند کے ڈورے شہزادی کی آنکھوں میں نمودار ہو گئے ہیں۔ آنکھیں مچتی ہیں اور کھلتی ہیں اور ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ شہزادی ماں کے پہلو سے بچھڑ کر سلمہ کے سینے سے چمٹتی ہے۔ دونوں ہاتھ گلے میں اور سر گردن سے لگا ہوا نیند کے جھونٹوں میں یہ الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں

اماجان اب میں نہیں جاؤ دنگی

روتی ہوئی آنکھوں سے تڑپتے ہوئے دل سے چپکے ہوئے چہرے سے سلمہ بچی کو لیکر لیٹی اور آہستہ آہستہ سر پہ ہاتھ پھیر کر بال درست کئے۔ سلمہ کا زخمی دل جو جوان بیٹے کا داغ اٹھا چکی تھی شہزادی کی حالت سے اتنا بے اختیار ہوا کہ منہ پہ منہ رکھکر رونے لگی۔ فرط محبت سے بھیچ بھیچ کر ہچکیاں لے رہی تھی کہ بیوی کی آنکھ کھل گئی اور دیکھ لیا کہ یہ آواز میری ماں کی نہیں ہے روتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور اسی نیند میں کہا۔

"پھوپی جان تو میری اماجان کدھر گئیں"

اس کا جواب ایک بے اختیار چیخ تھی جو سلمہ کے منہ سے نکلی اور اس نے کہا خدا کے ہاں گئی ہیں۔ اب شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا رسول اللہ نے بھیج تو دیا تھا۔ شام کو آگئی تھیں اب پھر چلی گئیں آپ ... ...

عداوت کی ترقی

اب یہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ عداوت باہمی کس حد تک پہنچ چکی تھی اور سنگدلی کی کیا کیفیت تھی۔ ماں باپ کی عداوت کا بچوں سے بدلہ لینا

کسی مذہب میں جائز نہیں۔ مگر کچھ ایسی شقی القلب لوگ تھے کہ ان کی نگاہ میں ہر ظلم جائز اور ہر شرارت درست تھی۔ شیطنیت کا کوئی دقیقہ اور خباثت کا کوئی شائبہ ایسا نہ تھا جو ان سے چھوٹا ہو۔ ان سے یہ توقع تو ہو ہی نہ سکتی تھی کہ وہ ام المومنین کے بعد سیدہ سے کسی قسم کی ہمدردی کریں اگر مظالم ہی میں کمی کردیتے تو ان کا احسان تھا۔ مگر انہوں نے تو عہد کرلیا تھا کہ مکاری پوری طرح ختم کرینگے۔ اسلام جوں جوں ترقی کرتا گیا ان کی آفات بھی اتنی ہی بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب سیدہ بچپن کے منازل کو ختم کرتی ہوئی شادی کے قابل ہوئیں۔ اور ہر طرف سے پیام نکاح آنے لگے اور بالآخر حضرت علی سے ہوگیا۔

اس عقد نے عداوت کی آگ کو اور دونا کیا۔ مگر اب اسلام ابتدائی اسلام نہ تھا اب یہ روز بروز ایسا قوی ہورہا تھا کہ کٹر سے کٹر دشمن بھی اسکے سامنے بھنگا تھے کھلے مقابلہ کی تو ہمت اور طاقت دونوں ختم ہو چکی تھیں لیکن دل ہی دل میں انگاروں پر لوٹتے تھے اور کوئی موقعہ ملجاتا تو چوری چھپے وار کرنے میں کسر نہ چھوڑتے

بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح نے دلوں پر جو بجلی گرائی - وہ انکی موت سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی - جناب سیدہ کے نکاح نے دوسری قیامت بپا کی۔ اب بدبختوں کو اسکے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا کہ راتیں اسی ادھیڑ بن میں صبح کرتے اور دن اسی غور و خوض میں شام۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اسوقت جو کچھ کر رہے تھے کھلے خزانے اور اب جو کچھ ہو رہا تھا چوری چھپے وال اسوقت دشمن جانی تھے اور اب بغلی گھونسے۔ جب بر سر پیکار تھے اور اب درپے آزار

سیدۃ النساء کا درجہ و فضائل

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی جو عزت و وقعت سرور کائنات کی نگاہ میں تھی

اور آپ جو اس قدر محبت فرماتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سچ مچ کی رسول زادی تھیں۔ صبر و شکر عفو تحمل ان کو ماں سے ورثہ میں ملا ور نہ ایثار و رحم جود و سخا باپ سے۔ چنانچہ حضرت علی کا بیان ہے کہ فاطمہ جس طرح بہترین عورت تھی اسی طرح بہترین بیوی اور گھر والی گو اس کے گھر میں قاقم و سنجاب نہ تھے۔ مگر انگنائی اور دیواریں ستھری صاف، کچھ شک نہیں اسکی چکی سونے چاندی کی نہ تھی لیکن گرد و غبار سے پاک ایسا [illegible] کہ مٹی سے محفوظ ہمارا بچھونا تھا تو معمولی چمڑے کا مگر صاف اور [illegible] مجھے یاد نہیں کہ فاطمہ نے کبھی میری خواہش کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔ اسکی دلی خواہش اور کوشش مجھکو خوش اور رضامند رکھنا تھا۔ وہ نماز فجر کے بعد اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھی اور گھر میں جھاڑو دیتی تھیں اسکو متواتر فاقے جھیلنے پڑتے تھے لیکن کبھی شکایت زبان پر نہ آئی) ایثار کی یہ کیفیت تھی کہ ایک موقعہ پر قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت تلخ گفتگو کی آنحضرت نے اس کا جواب اس قدر نرمی سے دیا کہ وہی شخص جو کاہن اور جادوگر بنا رہا تھا اس نے تصدیق نبوت کی۔ اسلام قبول کر چکا تو سرور کائنات نے فرمایا تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے اس نے عرض کیا قبیلہ بنی سلیم میں مجھ سے زیادہ مفلس کوئی شخص نہیں ہے حضور اکرم نے اپنی جماعت سے فرمایا تم میں کون شخص ایسا ہے جو اسکو ایک اونٹ دیدے۔ سعد بن عبادہ اٹھے اور عرض کیا میرے پاس ایک اونٹنی ہے وہ میں اسکو دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا مسلمانوں تمہارے ایک بھائی کا سر ننگا ہے اکون ہے جو اس کا سر ڈھانکے۔ حضرت علی نے یہ سنکر اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھدیا۔ اب رسالت مآب نے فرمایا ہے کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا پیٹ بھر دے

یہ سنکر سلمان اُٹھے اور اسکو ساتھ لیکر باہر نکلے چاروں طرف پھرے مگر کھانا کہیں موجود نہ تھا، دفعتہً جناب سیدہ کا خیال آیا - اسکو ہمراہ لیکر دروازہ کھٹکھٹایا اور مفصل کیفیت بیان کی۔ سیدہ کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور فرمایا سلمان قسم ہے اس خدا کی جو بہتر و برتر کی جو کون و مکان کا خالق ہے کہ میرے پاس آج تیسرا روز ہے کہ رزق کی قسم سے کوئی چیز نہیں مگر ایک مسلمان جو بھوکا پیغمبر زادی کے گھر پر آیا بھوکا نہیں جا سکتا، میری چادر لے اور شمعون یہودی سے کہہ کہ فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی کی یہ ردا رکھ کر اسکو جنس دیدے مسلمان پر اس واقعہ سے ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے چادر کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے شمعون کے پاس چلے اعرابی ساتھ تھا اور جناب سیدہ کے ایثار و کرم پر دل ہی دل میں عش عش کر رہا تھا کہ سلمان نے شمعون کو چادر دی اور بی بی فاطمہؑ کا پیام پہونچایا۔

یہودی نے چادر کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور واقعہ پر غور کرنے لگا، دفعتہً اسکی حالت بگڑی اور کہا سلمان بی بی فاطمہؑ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں، اے سلمان یہ وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر نے توریت میں دیدی ہے۔ میں پہلے جناب سیدہ کے ایثار و کرم کی تصدیق کرتا ہوں۔ حقیقتاً وہ بنت الرسول ہے۔ اور اس کے بعد اسکے باپ پر ایمان لاتا ہوں لے یہ اناج لے اور جا۔ سلمان فوراً سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی تو سلمان نے کہا اسمیں سے دو روٹیاں بچوں کے لئے لے لیجئے سلمان کی اس تجویز پر سیدہ مسکرائیں اور فرمایا یہ میرا مال نہیں ہے۔ خدا کی راہ پر دے چکی سلمان اعرابی کو ساتھ لے روٹی سمیت سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب اعرابی کھانا کھا چکا تو حضور اکرمؐ نے

دعا فرمائی اور کہا "الٰہی فاطمہؓ تیری لونڈی ہے اس سے راضی رہیو"

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ ہم نے حضور اکرمؐ کے ساتھ نماز عصر پڑھی نماز کے بعد سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڈھا شخص جسکی مفلسی اسکے لباس سے اور پریشانی اس کی چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی داخل ہوا اور لڑکھڑاتے ہوئے رک رک کر کہا "اے پیغمبر اسلام میں بڈھا ہوں۔ فقیر ہوں بیمار ہوں اور کل سے بھوکا ہوں۔ سن اور میری شکل کا خاتمہ کر۔ بھوکا ہوں پیٹ بھر۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک۔ محتاج ہوں خرچ دے۔ آنحضرتؐ نے اسکو بلایا اور پاس بٹھا کر فرمایا میرے پاس اسوقت کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تجھکو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو خدا کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور یہ فرما کر بلال سے کہا کہ اس سائل کو فاطمہؓ کے پاس لے جاؤ۔ بلال سائل کو لیکر در سیدہ پر آئے اور اسکی کیفیت بیان کی جناب سیدہ نے فرمایا ہمارے ہاں اللہ کا نام ہے مگر سائل نے خدا کا واسطہ دیا ہے اس لیے خالی ہاتھ نہ بھیجوں گی مینڈھے کی ایک کھال جسپر بچے سوتے ہیں، موجود ہے۔ یہ فرما کر کھال لائیں اور سائل کو دیکر فرمایا جسکا واسطہ دے رہا ہے وہی خوب جانتا ہے کہ پیغمبر زادی کے گھر میں دینے کے واسطے اسکے سوا کچھ نہیں اسکو بیچکر اپنی ضرورتیں پوری کر۔ سائل نے کہا میں بھوک کی شکایت کر رہا ہوں اسکے بیچنے میں بہت وقت ہوگی اور اگر بیچ بھی لوں تو تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ سائل کا فقرہ ختم ہوتے ہی سیدہ کو خیال آیا اور کہا "مجھے خیال نہیں رہا" یہ لے" اتنا کہہ کر اپنے گلے سے ایک کنٹھی اتار دی۔ یہ وہ کنٹھی تھی جو کہ آج ہی حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی نے بھیجی تھی اور اتار کر کہا لے اس سے تیری تمام شکایتیں رفع ہونگی۔ سائل

خوش خوش چلا گنٹھی بیچی اور کھانا کھا کر مسجد میں آیا حضور اکرم خاموش تشریف فرما تھے۔عرض کیا کہ درحقیقت فاطمہ خدا کو خوب سمجھتی ہے۔حضور اکرم نے فرمایا" فاطمہ کے واسطے دعا کر سائل نے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ جس طرح محمد کی بیٹی نے مجھ پر رحم کھایا تو قیامت میں اس پر رحم کیجیو۔

جناب سیدہ کی خصوصیات میں یہ بات سب سے زیادہ قابل ذکر ہے کہ ان کی عبادت میں جو بعض اوقات رات رات بھر ہوتی تھی انہوں نے دنیوی زندگی کے واسطے کبھی دعا نہ کی۔ بارہا یہ ہوا ہے کہ عشا کے بعد سے صبح تک وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہیں اور دعا کے وقت ان کے دلی جذبات صرف شوہر اور بچوں یا عامہ مسلمین کی ذات پر ختم ہو گئے۔ چنانچہ حضرت علی کا بیان ہے کہ جو بات فاطمہ کے سوا میں نے دوسری عورتوں میں بہت کم دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کسی حال میں اور کسی وقت میرے حقوق کی ادائگی میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا تیمم کے احکام ابھی نازل نہ ہوئے تھے کہ انہوں نے بیماری میں غسل کیا اور نماز کے واسطے تیار ہوئیں میں نے اس موقعہ پر انکو روکنا چاہا اور کہا اگر تم نے زیادہ محنت کی تو اندیشہ ہے کہ مرض ترقی نہ کر جائے تم نے باوجود طبیعت خراب ہونے کے دن بھر چکی پیسی ہے، انہوں نے مسکرا کر جواب دیا گھر کا کام اور خدا کی عبادت دونوں باتیں مرض کا علاج ہیں، ان سے بجائے فائدہ کے نقصان نہیں ہو سکتا۔

جناب سیدہ کی مشابہت باپ سے

سیر کی قریب قریب تمام کتابیں بتا رہی ہیں کہ جناب سیدہ عادات و خصائل کے اعتبار سے طبیعت و مزاج کے اعتبار سے رفتار و گفتار کے اعتبار سے صبر و تحمل کے اعتبار سے رحم و کرم کے اعتبار سے دوسرا باپ تھیں ا

اور اس کے سوا کہ پیغمبر نہ تھیں، بہت ہی کم فرق تہا۔ سرور کائنات بی بی فاطمہ کا انتہائی لحاظ فرماتے تھے اور انکی بات کو بہت ہی کم ٹالتے تھے۔ اور جب مجبور ہوجاتے تھے اور رائے میں اختلاف ہوتا تھا تو اس بات کا خصوصیت سے لحاظ فرماتے تھے کہ بی بی سیدہ ناخوش نہ ہوجائیں چنانچہ ایک موقعہ پر امہات المومنین میں اختلاف ہوا اور متفقہ کوشش کی گئی کہ کسی طرح معاملہ رفع دفع ہوجائے، مگر کامیابی نہ ہوسکی معاملہ رسالت مآب سے متعلق تھا۔ اس لئے سب بیبیوں نے فیصلہ کیا کہ ام المومنین بی بی سلمہ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوکر سب بیبیوں کی طرف سے عرض کریں۔ چنانچہ بی بی سلمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جناب سیدہ کو تکلیف دیجائے، کیونکہ سب جانتے تھے کہ ان کی بات ٹل نہیں سکتی اور حضور اکرم جو فیصلہ فرما چکے تھے وہ امہات المومنین کے موافق نہ تھا جسوقت بی بی فاطمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو حضور نے فرمایا " فاطمہ جس چیز کو میں عزیز سمجہتا ہوں کیا وہ تجہکو عزیز نہیں" بی بی فاطمہ نے فرمایا کیوں نہیں جو آپ کو عزیز ہے وہ مجہکو بھی عزیز ہے، جب جناب سیدہ یہ فرما چکیں تو رسالت مآب نے اپنا خیال ظاہر فرمایا اور اس طرح جناب سیدہ کا اطمینان ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جناب سیدہ کی تجویز یا درخواست کو حضور اکرم نے اسوقت تک رد نہ فرمایا۔ جب تک اپنی رائے سے متفق نہ فرلیا ان کے اتفاق کرلینے کے بعد اپنا خیال ظاہر فرمایا۔

اس قسم کے کئی مواقع پیش آئے ہیں کہ جناب سیدہ کی رائے سے سرور کائنات متفق نہ ہوسکے۔ مگر انکی دل شکنی کا اس قدر لحاظ تہا کہ انکو مطمئن کئے بغیر کبھی اختلاف نہ فرمایا۔

ام المومنین بی بی خدیجہ کے بعد کئی عورتوں نے جناب سیدہ کی تربیت میں حصہ لیا اور رسول اللہ صلعم کا ہاتھ بٹایا۔ اور گو حضور اکرم کو خدمات و اشاعت اسلام سے بہت ہی کم فرصت ملتی تھی مگر جناب سیدہ کی محبت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جس قدر وقت ملتا وہ جناب سیدہ کی تربیت میں صرف فرماتے۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم کی صحبت و تربیت کی پلی ہوئی بچی نزول وحی کے سوا کہ وہ اختیاری نہ تھی مزاج کی دوسری رسول ہو گئی

حضرت علی رضؓ

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت اسلام کی تلقین شروع فرمائی اسوقت آپ کے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب کی عمر دس سال کی تھی اور آپ کو رسول اکرم سے اس درجہ عشق تھا کہ جب آپ نے آل غالب سے فرمایا کہ تم میں سے کون خدا کی راہ میں میری مدد کر سکتا ہے۔ تو سیکڑوں آدمیوں میں سے جس نے اس صدا پر لبیک کی وہ یہی دس سال کا بچہ تھا اور یہ کسی کو نہ معلوم تھا کہ خدا کا یہ شیر اپنے بھائی کے ساتھ دنیا کو زیر و زبر کرنے میں پورا مددگار ہوگا جب رسول اکرم دشمنوں سے اکتا کر گھر سے تشریف لیجائیں گے، جب اعدا کی پوری جماعت تلواریں ہاتھ میں لئے خون رسالت کی پیاسی گھر سے باہر بیٹھی ہوگی اسوقت یہ ہی بچہ جس کے عہد معصومیت پر فرشتے بھی متحیر ہیں رسول خدا پر قربان ہونیکو تیار ہوگا اور جو کچھ آج زبان سے کہہ رہا ہے وہ کر کے بھی دکھا دیگا اور منافق و ظالم جب بستر رسول پر قتل کیواسطے آئیں گے تو یہ دیکھکر اپنا منہ پیٹ لیں گے کہ جس سر کو تن سے جدا کرتے ہیں وہ عبداللہ کا لخت جگر نہیں ابو طالب کا ہے۔

حضرت علی نے کچھ ایک دو مرتبہ نہیں کئی دفعہ سرور کائنات پر قربان ہونیکی کوشش کی اور اپنے الفاظ کو سچا کر دکھایا۔ شجاعت صداقت کرم ایثار، خلوص محبت د

فطرت نے کوٹ کوٹ کر انکی ذات میں ودیعت کی تھی۔ رسول اکرم کی محبت اور مذہب مقدس کی الفت سونے پر سہاگہ ہوگئی جس نے چمنستان اسلام کے اس شاداب پھول کو سدا بہار بنا دیا۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ فیصلہ خداوندی تھا یا تصفیہ رسالت مگر عقل سلیم اس کے تسلیم کرنے میں متائل نہیں ہوسکتی کہ بی بی فاطمہ کے واسطے ایک ایسے ہی شوہر کی ضرورت تھی جس ہیں خدا نے فضائل انسانی اپنے ہاتھ سے رکھے ہوں۔ ایک طرف تو حضرت علی کی ہمت وجرات کا ڈنکا تمام عرب میں بج رہا تھا اور دوسری طرف ان کے رحم وانصاف کے گیت بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔

میدان جنگ میں جب شجاعان اسلام عاجز آجاتے تھے دشمن غالب ہونے کے قریب پہونچتے تھے تو سرور کائنات حضرت علی کو مقابلہ کا حکم دیتے تھے سنگین سے سنگین معرکہ میں بھی جب مسلمان پریشان ہوگئے ہیں اور رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو روانہ کیا ہے تو فتح کا سہرا حضرت علی ہی کے سر رہا ہے۔

غزوۂ بدر میں جب فریقین تیار ہوگئے اور لڑائی شروع ہوگئی تو مشرکین ومنافقین کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سامنے آیا۔ یہ مشہور جری تھا اور اسکی شجاعت کا سب لوہا مانتے تھے اس نے اسلام کے کئی بہادروں کو جام شہادت پلا کر آواز بلند سرور عالم سے کہا کہ میری تلوار اب قریش کے خون کی پیاسی ہے کوئی میرا ہمسر لشکر اسلام میں موجود ہو تو مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اس گستاخانہ فقرہ سے مسلمان بہت برافروختہ ہوئے اور رسالت مآب نے حیدر کرار کو حکم دیا کہ میدان میں جاکر عتبہ ابن ربیعہ کا مقابلہ کریں۔ بھلا شیر خدا کی جرات کا مقابلہ عتبہ کیا کرتا، شجاعت جسکا گھمنڈ کر رہا تھا دھری کی دھری رہ گئی اور تیغ حیدری نے لڑائی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کیا،

جو شخص جرأت و ہمت کے لحاظ سے تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس کی طاقت نے فطرت انسانی کو متحیر کر دیا تھا اس کے ایثار و کرم کی کیفیت یہ تھی کہ سرور دو عالم کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک رات ان دونوں میاں بیوی اور بچوں پر فاقہ کی گذری نماز فجر سے فراغت پاکر خدا کا شیر تلاش معاش میں باہر نکلا، چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی ذریعہ یا جگہ میسر نہ آئی۔ دن کا بڑا حصہ اسی ادھیڑبن میں بسر ہوا، اپنا خیال مطلق نہ تھا مگر معصوم بچوں کی بھوک پر کلیجہ کٹ رہا تھا۔ بازار کے متواتر پھیرے کئے لیکن کام نہ ملا۔ اور آفتاب کی روشنی جھلملانی شروع ہوئی۔ اب امیر علیہ السلام کو یقین تھا کہ کل کی طرح آج کی رات بھی پھول والے لالوں پر صاف گذری اور بنت الرسول پر فاقہ رہا۔ اتفاق محض سے جب نماز مغرب کے بعد شام کی تاریکی پردۂ دنیا پر چھا رہی تھی اور رات فاقہ زدہ سیدہ اور اس کے لالوں پر سیاہ آنسو گرا رہی تھی ایک تاجر اپنا سامان لیکر پہونچا اور جن مبارک ہاتھوں نے خیبر کا دروازہ چشم زدن میں دکھاڑ کر پھینکدیا تھا اور جنکو بوسہ دینا کائنات فلکی کا فخر تھا۔ وہ اسباب ڈہونے میں مصروف ہوگئے۔ دنیا کی آنکھیں اس سے زیادہ تیرہ و تار سماں بمشکل دیکھیں گی کہ علی ابن ابی طالب رسول اللہ کا داماد، فاطمہ کا شوہر حسنین کا باپ اور خدا کا شیر بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے واسطے ان کندھوں پر جو حسن حسین کا جھولا ہیں۔ بھاری بھاری اسباب ڈہو رہا ہے۔ چہرہ خاک آلود ہے اور لباس گرد میں اٹ رہا ہے۔ رات کے ابتدائی حصے نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ کیفیت دیکھی اور آسمان اس ایک درم پر جو شیر خدا کے ہاتھ میں رکھا گیا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اور انسانیت کی اس مجسم و مکمل تصویر نے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر میں جلدی جلدی قدم بڑھائے۔ مدینہ کی گلیاں ان مبارک قدموں کو ذوق و شوق میں

بوسے دے رہی تھیں کہ سامنے سے ایک بڑھیا جس کے قویٰ کا انحطاط حیات انسانی کی تفسیر کر رہا تھا۔ لکڑی ٹیکتی ہوئی سامنے آئی اور صورت دیکھ کر باآواز بلند کہا۔

علی! میں اور میرا بڈھا بیمار شوہر تین وقت سے بھوکے ہیں۔ خدا کا واسطہ ہمارا پیٹ بھر دے،

بڑھیا کے الفاظ زنجیر بنکر امیر علیہ السلام کے پاؤں میں پڑے، مقابلہ پورا تھا تین ہی وقت کا فاقہ سیدہ اور سیدہ کے بچوں پر تھا فطرت انسانی کا تقاضا کچھ اور تھا۔ مگر بڑھیا کی صدا نے جس میں خدا کا نام شامل تھا اس قلب کو جو عبادت الٰہی کے وقت گرم پانی کی طرح جوش کھاتا تھا موم کر دیا۔ درہم بڑھیا کے حوالہ کیا اور فرمایا " خدا تجھپر اور مجھپر رحم کرے۔

اب یہ کہنے میں تامل نہیں ہوسکتا کہ سیدہ جیسی ماں کی گود اور امیر جیسے باپ کی آغوش سے جو بچے پیدا ہوئے ہوں گے ان کی طبیعتیں کیسے کیسے انسانی جواہرات سے مالا مال ہونگی۔ اور مال و منال کے بجائے انکو ورثہ میں ماں باپ سے کس قسم کی فضائل و خصائل ہاتھ آئے ہونگی۔

حسنین علیہم السلام کی پیدائش

حضور اکرم کی ہجرت کو ڈھائی سال ہو چکے تھے۔ اسلام ابتدائی حالت سے آگے بڑھ چکا تھا مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس ترقی کے ساتھ ہی رسول اللہ اور خاندان رسالت کی ذاتی تکالیف بھی زیادہ ہو رہی تھیں بی بی فاطمہ کے گھر پر افلاس نے ڈیرے ڈال دیے تھے کہ ۳ہجری کے رمضان المبارک کا منجھلا روزہ اپنے ساتھ ایک نعمت غیر مترقبہ لایا۔ صبح صادق کے وقت مدینہ میں اس خبر نے کہ بی بی فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔

گھر گھر خوشی کے سامان پیدا کر دئے۔ یہ ان ماباپ کا بچہ تھا جنسے حضور صلعم کو نہایت محبت تھی اس لئے جس قدر تعلق اس بچہ سے سرور دو عالم کو ہوتا کم تھا آپ نے صورت دیکھکر فرط محبت سے بوسہ دیا گود میں لیا اور حسنؑ نام رکھا۔ ایک سال بعد سنہ ہجری میں جناب سیدہ کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہوا جس کا نام حضور اکرمؐ نے حسینؑ رکھا اور ان دونوں بچوں کو سرور کائناتؐ نے اپنے بچوں کی طرح پالا اور تربیت فرمائی

اسما بنت عمیس جو وداع سیدہ کے وقت میکے سے ساتھ آئی تھیں بچوں کی پرورش میں مدد دے رہی تھیں ان بچوں کی تربیت مقدس ماں نے زیادہ تر کلام اللہ سے کی۔ وہ بچوں کو لوری بھی دیتی تھیں تو آیات ربانی سے۔ خفا ہوتی تھیں تو ان ہی سے اور سمجھاتیں تو ان ہی سے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب دونوں بچوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا تو ماں نے پاس بٹھا کر لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد کی آیات اس خوبی سے پڑھیں اور درد سے سمجھائیں کہ دونوں اصل بات کو بھولکر خدا کے خوف سے رونے لگے اور وعدہ کیا کہ آیندہ کبھی ایسی غلطی نہ کریں گے،

بی بی زینب صلوۃ اللہ علیہا جو میدان کربلا میں سید الشہدا کے ہمراہ تھیں اور جنہوں نے اپنے دو بچے عون و محمد بھائی پر قربان کئے، بی بی فاطمہؓ کی پانچویں صاحبزادی ہیں۔ اور گو عمر میں خاصی چھوٹی تھیں مگر چھوٹے بھائی سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی وقت بھی ان کے پاس سے جدا نہ ہوتیں۔ اور کھیل کود میں بھی زیادہ تر ان ہی کے پاس وقت گذارتیں

ماں کے فیض صحبت اور باپ کے اثر تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام الٰہی ان بچوں کی نوک زباں تھا اور چونکہ ماں اور باپ دونو عامل تھے اسواسطے بچے بھی اٹھتے بیٹھتے ہر فعل کو اسی دائرہ میں محدود رکھتے، بچوں کی پیدایش کے بعد سرور

دو عالم باوجود امہات المومنین کی موجودگی کے اکثر وقت بی بی سیدہ کے ہاں بسر فرماتے۔ بچوں کو بھی اس قدر تعلق ہو گیا تھا کہ وہ بھی گھر میں بہت کم رہتے اور اور مسجد نبوی میں حضور اکرمؐ ہی کے پاس کھیلتے کئی دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ سرور عالمؐ نماز پڑھ رہے ہیں اور سجدہ میں امام حسنؓ یا امام حسینؓ پشت پر سوار ہو گئے یہ بھی عجیب لطف ہوتا تھا کہ دونوں جہاں کا بادشاہ سجدہ میں ہے۔ شہزادے گھوڑا بنائے پشت پر سوار ہیں اور رسالت مآبؐ بچوں کی دلشکنی کے خیال سے سر نہیں اٹھاتے

حضور اکرمؐ کی رحلت

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے باہمی تنازعات بدستور تھے، اور گو اسلام ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا مگر دلی کدورتیں کسی طرح ختم نہ ہوئی تھیں، یہاں تک کہ سرور عالمؐ کی رحلت کا وقت آگیا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑی تو آپؐ نے فرمایا کاغذ قلم دوات لاؤ کہ میں کچھ لکھوا دوں، تاکہ میرے بعد تم لوگوں میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔

حضرت عمرؓ نے جو بعد میں خلیفہ دوئم ہوئے۔ رسول اللہؐ کے یہ الفاظ سنکر کہا کہ اسوقت سرور کائنات کا مزاج صحیح نہیں اسلئے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، خدا کی کتاب ہمارے واسطے کافی ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور رسالت مآبؐ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے وہ نہ لکھا گیا۔

اسی جگہ سے مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے۔ ایک سنی اور دوسرا شیعہ عداوت رنجش باہمی کدورت تو پہلے ہی سے موجود تھی اس واقعہ نے ایک نیا اختلاف پیدا کر دیا بعض کا خیال تھا کہ سرور عالمؐ حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرماتے اور خلافت کا فیصلہ ان ہی کے حق میں ہوتا بعض کا خیال تھا کہ ایسا نہ ہوتا۔ اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا درست کیا۔

اسوقت رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباس نے حضرت علی کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ کیا اور صلاح دی کہ وہ آنحضرت سے خلافت کے مسئلہ کو طے کریں اور دریافت کریں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا اور یہ منصب کس کو ملنا چاہیئے مگر انھوں نے کھلے ہوئے الفاظ میں کہدیا کہ مجھکو اپنے خاندان کا حال معلوم ہے اور موت کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اسوقت رسول اللہ کی ہے۔ یہ سوال کس منہ سے اور کس دل سے کروں جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا لیکن میں رسول اللہ سے یہ سوال نہیں کر سکتا۔

حضور اکرم کی طبیعت اور زیادہ بگڑی تو آپ نے ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابو بکر صدیق سے کہو کہ وہ میری جگہ امامت کریں۔ اور نماز پڑھائیں ام المومنین نے جواب میں کہا کہ میرے باپ بہت رقیق القلب آدمی ہیں وہ ضبط نہ کرسکیں گے۔ اور آپ کی جگہ خالی دیکھکر ان کا دل بھر آئیگا۔

اختلاف کا ایک قصہ یہاں بھی پیدا ہو رہا ہے بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ ام المومنین کا یہ جواب دل سے نہ تھا، ان کا مقصد اس حکم کو یہ کہہ کر مضبوط کرنا اور اپنے باپ کی محبت کو جھلکانا تھا۔ ام المومنین نے یہ بھی کہا کہ آپ امامت کے واسطے کسی اور شخص کو مقرر کیجئے۔ مگر سرور عالم نے بار بار اسی پر اصرار فرمایا اور حضرت ابو بکر نماز پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ پانچ وقت حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی مگر جب وہ آخر مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے تو رسول اللہ صلعم حضرت علی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے۔ نمازیوں نے جب حضور اکرم کی آواز سنی تو کھنکارنے لگے کہ ابو بکر صدیق پیچھے ہٹ جائیں اور خود رسالت مآب امامت کریں لیکن حضور نے آگے بڑھکر ان کی پشت پر ہاتھ رکھا کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور بدستور امامت میں مصروف رہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب وقت ام المومنین نے اپنی رائے پر اصرار کیا اور فرمایا کہ میرے باپ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو سرورعالم کے چہرہ پر شکن پڑ گئی بہرحال یہ وہ نماز تھی جس میں حضرت ابوبکر نے امامت کی اور رسول اللہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، داہنے ہاتھ پر کھڑے ہوئے بخار تیز تھا۔ کھڑے نہ رہ سکے اس لئے نماز بیٹھ کر ادا فرمائی۔ جماعت کے ساتھ رسالت مآب کی یہ آخری نماز تھی اس کے بعد باہر تشریف نہ لا سکے۔

بیماری میں اہلبیت نے ہر ممکن خدمت کی جناب سیدہ حضرت علی اور حسنین علیہم السلام ہر وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ حضور کی زبان مبارک سے اللھم رفیق الاعلیٰ نکل رہا تھا۔ اب بی بی سیدہ کو یقین کامل ہو گیا کہ باپ کی مفارقت کا وقت آن پہونچا اس یقین نے باپ کی رحلت کیساتھ ماں کی موت بھی یاد دلادی۔ مگر اس خیال سے کہ حضور اکرم ملاحظہ نہ فرمائیں علیحدہ جا کر خاموشی سے روئیں اور آنسو پونچھکر سامنے تشریف لائیں حضرت علی کا بھی یہ ہی حال اور بچوں کی بھی یہ ہی کیفیت تھی۔ مگر سرورعالم کی حالت چونکہ لحظہ بلحظہ بگڑ رہی تھی اسلئے سب سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ بی بی فاطمہ کی حالت بہت ہی نازک ہو رہی تھی۔ ماں کی موت از سرنو زندہ ہو گئی وہ رہ رہ کر اٹھتی تھیں۔ باپ کے مبارک قدموں سے آنکھیں ملتی تھیں، اور روتی تھیں جب حالت زیادہ خراب ہو جاتی اور ہچکی بندھ جاتی تو دور چلی جاتیں اور کھڑی ہو کر دیکھتیں۔ اور سوچتیں کہ باپ کی صورت تھوڑی دیر بعد آنکھ سے اوجھل ہو گی اور خدا کا رسول دنیا سے رخصت ہو گا۔ دنیا آج مجھ بن ماں کی بچی کو باپ کے سایہ سے محروم کرتی ہے۔ اور وہ باپ جو میرا اور میرے بچوں کا عاشق زار تھا ہمیشہ کو مجھ سے چھٹتا ہے، زندگی موت کی پناہ میں میرے

باپ کو مجھ سے چھنتی ہے اور میرا حقیقی وارث مجھ سے جدا ہوتا ہے جس باپ نے
ماں کے بعد ماں اور باپ دونوں کے فرائض ادا کئے جس نے ماں کی طرح پال پوس کر
جوان کیا یہ اس کی وداع کا وقت ہے۔ جب دماغ اس قسم کے خیالات کو جمع
کرتا اور دل صدا دیتا کہ آج ممتا کے دروازہ بند ہوئے ہیں اور جن آنکھوں سے
محبت کے چشمے پھوٹتے تھے اور جو دل ہی دل میں باغ باغ ہوتی تھیں اب
ابدی نیند سوئینگی۔ اور باپ کا سایہ سر سے اُٹھتا ہے۔ خدا کی وحی میرے گھر
سے وداع ہوتی ہے۔ میرے بچے نانا کی شفقت سے محروم ہوتے ہیں تو۔
بیتابانہ دوڑ کر لپٹ جاتیں۔ مقدس ہاتھ آنکھوں سے لگاتیں۔ گردن میں ہاتھ ڈالکر
چمٹتیں اور بھیچ بھیچ کر روتیں۔ مگر پھر خیال آتا کہ اس اضطراب سے رسول اللہ
آگاہ نہ ہو جائیں تو چھوڑ کر دور کھڑی ہوتیں دیکھتیں۔۔ روتیں بلبلاتیں اور پھر آکر چمٹ
جاتیں۔ بخار بہت تیز تھا اور اس قدر تیز کہ ہاتھ آسانی سے نہ رکھا جاتا تھا۔ اس
حالت میں جب سیدہ سینۂ اقدس سے لپٹی ہوئی تھیں سرور عالم نے آنکھ
کھولی بات نہ کی مگر ہاتھ بچی کے سر پر رکھ کر خاموش ہو گئے اور آنکھیں بند کر لیں
شفقت پدری کے اس جوش نے جناب سیدہ کو اور بھی بیچین کر دیا۔ انہوں نے
ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے منہ پر پھیرے اور ہونٹوں پر رکھ لئے۔

جب حالت اور زیادہ نازک ہوئی تو دونوں بچوں کو کلیجہ سے لگا کر کہا کہ
حسنین مجھ سے میرا باپ جدا ہوتا ہے۔ پیارے بچو آج تمہاری ماں یتیم
ہوتی ہے اور شفیق باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھتا ہے۔ کلیجہ کے ٹکڑو
نانا کی صورت آج دل بھر کر دیکھ لو۔ اب یہ مبارک چہرہ نظر آنے والا نہیں۔ تم دیکھ لو
کہ میں خدا کے رسول کو دنیا سے اسطرح وداع کر رہی ہوں کہ گھر میں جلانے کا
تیل میسر نہیں۔ دین و دنیا کے بادشاہ میرے مقدس باپ کی روح اندھیرے

گھپ میں رخصت ہو رہی ہے حسنین بابا کو دنیا سے رخصت کرنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ اور بابا کی مصیبت میں شریک ہو ان ہاتھوں کو بوسے دو ان قدموں سے آنکھیں ملو۔ اور یاد رکھو کہ آج وہ پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہ باپ چھوٹتا ہے۔ جسکو عمر بھر روؤ گے۔

جناب سیدہ کی تقریر سے باوجودیکہ شیر خدا ضبط سے کام لے رہے تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ فاطمہ میرے بچے تیرے اور تیرے باپ کے غلام ہیں۔ یہ اور انکے ساتھ میں اگر اختیار میں ہوتا تو رسول اللہ پر قربان ہو جاتے۔

اس گفتگو سے حضور اکرم کی آنکھ کھلی تو ملاحظہ فرمایا کہ سیدہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں۔ اشارہ سے پاس بلایا اور کلیجہ سے لگا کر فرمایا فاطمہ اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے تم ہی ملو گی اس ارشاد سے کچھ تسکین ہوئی۔ مگر اس کے بعد سرور دوجہاں پر آثار سکرات نمودار ہوئے تو بے اختیار ہو کر اٹھیں، گلے میں ہاتھ ڈالکر رخ انور کو بوسہ دیا۔ لیکن اب وہ دماغ جس نے ایک اشارے میں عرب کی کایا پلٹ دی بچی کا اضطراب بھی محسوس نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مبارک روح نے عالم بالا کو پرواز کیا

اسوقت یوں تو ہر مسلمان متفکر و پریشان تھا۔ مگر سیدہ اور حسنین کی حالت دیکھی نہ جا سکتی تھی معصوم بچے حبیب خدا کے قدموں میں لپٹے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے۔ جناب سیدہ الگ بیٹھی دیکھ رہی تھیں جب مفارقت ابدی کا خیال آتا تو دوڑ کر لپٹ جاتیں اسوقت حضرت علی نے جناب سیدہ کو سمجھایا اور تلقین کی تو بی بی فاطمہ نے حضرت علی سے کہا۔

علی سمجھ رہی ہوں جو کہہ رہے ہو اور جانتی ہوں جو سمجھاتے ہو۔ مگر دل کی

کیفیت زبان پر نہیں آسکتی۔ یہ رحلت رسول ہی نہیں ہے میرے ما اور باپ دونو کی مفارقت ابدی کا وقت ہے آج وہ باپ دنیا سے اٹھ رہا ہے جس کی شفقت میں ماںتا شامل تھی جس کی آغوش محبت ہر وقت فاطمہ کے واسطے کھلی ہوئی تھی، مجھ سے وہ باپ چھوٹ رہا ہے جو میری صورت کا پروانہ تھا کس کس محبت اور احسان کو یاد کروں میرے سر سے اور گھر سے وہ سایہ اٹھتا اور رحمت ختم ہوتی ہے جس نے مجھ کو پھول کی طرح پالا اور موتی کی طرح رکھا۔ دنیا اور دنیا کے بسنے والے اس سے زیادہ نازک وقت نہ دیکھیں گے جس کے قدموں میں تاج شاہی گر رہے تھے۔ جو فقیر و نکو بادشاہ بنا گیا جس نے عرب کی متمول ترین عورت میری ماں خدیجۃ الکبریٰ کی تمام دولت خدا کی راہ میں لٹا دی وہ آج دنیا سے اس طرح رخصت ہو رہا ہے کہ ہم سب پر دو دو دن سے فاقہ ہے اور میرے دو لولال بھوکے پیاسے میرے باپ کو رخصت کر رہے ہیں۔ علی میرا باپ اس دنیا میں چند روز کا مہمان تھا۔ مگر دنیا نے اسکی مہمان نوازی کس طرح کی۔ اس نے قریش کے ساتھ کیا کیا اور قریش نے کیا جواب دیا۔ اس کا فیصلہ خود ان کے ایمان کرینگے یہ گروہ جو اسوقت موجود ہے شاہد ہے کہ ہمارا گھر جس سے رحمت و برکت کے سمندر جاری ہوئے جس نے فقیروں کے پیٹ بھر ے اور ننگوں کے بدن ڈھانکے، کبھی دو دو وقت بھی ہمارا پیٹ نہ بھر سکا۔ میرے باپ نے دشمنوں کے ہاتھ سے جو جو تکلیفیں بھگتیں اس کا فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ کونسی اذیت تھی جو نہ دی اور کونسی تکلیف تھی جو نہ پہنچائی بھوکا رکھا پیاسا رکھا۔ پتھر مارے سر پھوڑا دانت توڑے اور وہ پاک مبارک اور پیارا جسم جس پہ میں ایک بار نہیں ہزار بار قربان ہو جاؤں، جس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ ان سنگدل ظالموں کے ہاتھوں زخموں سے چکنا چور ہوا۔ میرا گھر میرا خاندان میرا کنبہ میری قوم

میرا وطن یتیم ہو رہا ہے یتیموں کا سہارا، بیکسوں کا گزارہ، رانڈوں کا وارث، اپاہجوں کا والی، دوستوں کا عاشق، دشمنوں کا دوست۔ مدینہ سے نہیں عرب اور حجاز سے نہیں دنیا سے جا رہا ہے نبوت نہیں جوہر انسانیت بھی اور رسالت ہی نہیں شرافت طبیعت بھی اس دور کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ علی ہمارا مہمان سدھارتا ہے، خدا اپنی امانت واپس لیتا ہے اور اس کا رسول اپنا کام ختم کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہونچتا ہے۔

اپنے پیٹ سے پتھر باندھ کر دوسروں کے پیٹ بھرنیوالا اور خود پیوند لگا کر دوسروں کے جسم ڈھانک دینے والا انسان، اگڑھوں میں گر کر چوٹیں اور ماریں کھا کر خدا کی راہ پر ثابت قدم رہنے والا رسول اب دنیا میں نہیں ہے۔ قربان جائیں اس جسد خاکی کے جس کی مہمان نوازی پوری نہ ہوئی اور جس کی خاطر مدارات ہمارے گنہ گار ہاتھ نہ کر سکے دل کا ارمان دل میں رہا کہ فانی جسم اپنے شفیق باپ کی خدمت کرتا، روتی اور چیخوں نثار رہوں اور قربان ہوں مگر اب باپ کی صورت نظر آنیوالی نہیں۔ علی آؤ اور میرے بچوں کو لاؤ ان قدموں میں سر رکھیں اور بابا کے چہرہ اقدس کی آخری زیارت کریں انکو بتا دو کہ رسول اللہ کی رحلت تمہارے چمنستان حیات میں ایک خزاں کی خبر لا رہی ہے۔ باپ کا فراق مجھکو زندہ درگور کر دیگا۔ میں باپ کی ملاقات کو ممتا پر قربان کروں گی اور جب تک زندہ ہوں دعا کرونگی کہ موت مجھکو باپ کے پاس پہونچا دے۔ مگر یہ کہدیتی ہوں کہ دشمنوں کی متفقہ طاقت حسنین کے خلاف ختم ہو گی اور جس طرح تکالیف کا کوئی ذرہ سنگدل گروہ نے میرے باپ کے واسطے نہ چھوڑا اسی طرح مصائب کے کسی شائبہ سے یہ جماعت میرے بچوں کو محفوظ نہ رکھ سکے گی۔ اور جب وہ وقت آئیگا کہ رحلت رسول کے بعد فاطمہ اور علی دنیا میں نہوں گے اسوقت ان بچوں کا بہترین وارث خدا کی

ذات ہو گی۔ علی رسول اللہ کی زندگی کا خاتمہ حسنین کی مصائب کا آغاز ہے
باپ کا صدمہ مجھکو زندہ نہ چھوڑیگا اور میرے بعد تم تیار ہو جاؤ ، اسوقت کے واسطے
جو پہلے تمکو اور پھر بچوں کو زندگی وبال کر دیگا۔

شیعہ سنی کا اختلاف

رسالت مآب صلعم کی وفات کے وقت بھی فریقین کا اختلاف ہے اور وہ
اسی طرح کہ اہل تسنن کا یقین یہ ہے کہ رحلت کے وقت سرور کائنات کا سر
ام المومنین عائشہ صدیقہ کی گود میں تھا اور وہ اسپر فخر کرتی تھیں کہ آنحضرت صلعم
میری ہی باری میں میری ہی گود میں اور میرے ہی حجرہ میں دنیا سے رخصت
ہوئے۔ اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم نے شیر خدا حضرت علی کرم اللہ کی
گود میں وفات پائی اور دم واپسیں میں شیر خدا نے ٹھوڑی کو سہارا دیا۔

بعد وفات

رسول خدا کے انتقال کی خبر آناً فاناً سب جگہ پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق
آنے شروع ہوئے۔ تھوڑی دیر میں تمام محلہ آدمیوں سے پٹ گیا۔ اختلاف کی
آگ بھڑک ہی رہی تھی۔ اور ہر گروہ اپنی اپنی جدا رائے رکھتا تھا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں
کا یہ رنگ دیکھکر حضرت ابوبکر صدیق ممبر پر چڑھے اور فرمایا تم میں سے وہ لوگ
جو رسول اللہ کی عبادت کرتے تھے اور صرف انکی وجہ سے خدا کو مانتے تھے سن
لیں کہ حضور اکرم کا انتقال ہو گیا مگر وہ لوگ جو خدائے وحدہ لاشریک کے معترف
تھے۔ اور محمد کو رسول خدا سمجھتے تھے وہ بدستور اپنے خدا کی عبادت کریں۔ کیونکہ وہ
زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ اسکے سوا ہر شے اور ہر شخص خواہ وہ رسول ہو یا پیغمبر
انسان ہو یا حیوان فانی ہے۔ آج سرور کائنات ہم میں موجود نہیں۔ وہ اپنا
کام پورا کر گئے اور جس مقصد کیلئے تشریف لائے تھے اسکی تکمیل ہو گئی۔ خدا کی

مقدس کتاب تکمیل دین کی شاہد ہے اور اسی طرف سردار دو عالم نے اشارہ فرمایا تھا۔ اور خدا کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ہماری صلاح کے واسطے پیدا ہوئے تھے اور اب وہ تشریف لے گئے۔ تم باہمی فیصلہ کر لو کہ کیا کرنا ہے

حضرت عمر جو اسلام کے دوسرے خلیفہ ہیں رسول اللہ صلعم کی خبر وفات سنتے ہی تلوار ہاتھ میں لیکر باہر نکلے اور کہا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے یہ سنا کہ رسول اللہ کا انتقال ہو گیا تو اس تلوار سے گردن اڑا دونگا وہ اپنی اس رائے پر ایسے قائم ہوئے کہ تلوار لئے چاروں طرف ٹہلنے لگے حضرت ابوبکر صدیق ان کی یہ کیفیت دیکھکر قریب پہونچے اور کہا جب رسول اللہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے چھپانے کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں کو کیوں منع کرتے ہو۔ اسکے ساتھ ہی تمہارا یہ خیال کہ سرورِ کائنات واپس تشریف لائیں گے صحیح نہیں ہے مرنیکے بعد اس دنیا میں کوئی زندہ نہیں ہوتا اور یہ خدا کا حکم ہے۔

دنیا کے رخ روشن پر مصائب و آلام کی سیاہ گھٹائیں اکثر چھائیں۔ جس کی ابتدا جنت الفردوس میں حضرت آدم سے ہوئی۔ کارزار حیات میں زندگی نے موت کا بارہا سختی سے مقابلہ کیا، جس کا تماشہ حضرت ابراہیم کی چھری نے اسمعیل کی گردن پر دیکھا۔ انسان فراق ابدی کے مناظر سے بارہا دوچار ہوا جسکا آغاز ہابیل و قابیل کے فانی اجسام نے کیا چشم انسانی نے اکثر آنسوؤں کے بدلے خون گرائے قلب حزیں نے بارہا قیامت خیز نالے بلند کئے۔ مگر آج ناپائدار دنیا سے وہ انسان رخصت ہوتا ہے جسکا نظیر اس سے قبل اور اس کے بعد زمین دیکھ سکی نہ آسمان، ملائکہ اس کے گھر کے غلام تھے اور انسان اس کی خوبیوں کے گرویدہ۔ اس کے رونے والے فاطمہ اور علی ابوبکر اور عمر ہی نہیں یتیم اور بیوہ ہیں۔ لنگڑے اور اپاہج ہیں۔ اسکا دربار انسانی نہیں خدائی دربار تھا

فریادیں اسکے حضور میں کامیاب ہوئیں اور آنسو اسکی سرکار میں قہقہوں سے
متغیر ہوئے۔ قدرت نے اپنی ہر اذیت کا اسکی انسانیت پر تجربہ کیا۔۔
اور جسم آلام کا کوئی ذرہ ایسا نہ تھا جسکا واسطہ اس انسان کامل سے نہ رہا ہو،
مصائب کی خوفناک گھڑیاں آئیں اور گئیں، افکار کے خطرناک آفتاب نکلے اور
ڈھلے، تکالیف کی کالی بھنور راتیں نمودار ہوئیں اور گذریں مگر حیات مقدس کی
مبارک آنکھوں نے ہر کیفیت فانی اور ہر حالت عارضی سمجھی۔ ناکامی کے خوفناک
بھوت ہر گوشہ سے برآمد ہوئے اور مایوسی کی سیاہ گھٹائیں جھوم جھوم کر آئیں
مگر زبان جو الفاظ ادا کر چکی تھی اس کی گونج لمحہ بلمحہ ترقی کرتی گئی، تیر و تفنگ اس
استقامت پر قربان ہوئے اور تیغ و خنجر نے اس استقلال کو سجدہ کیا جسکی
دشمنی پر پاؤں تلے کی چیونٹی بھی کمربستہ تھی اسکی صداقت کا کلمہ شجر و حجر کی زبان
سے ادا ہونے لگا۔

آج وہ زندگی ختم ہوتی ہے جسکا ہر سانس اپنوں سے زیادہ اغیار کیواسطے
مفید ثابت ہوا، موت آج مسلمانوں سے وہ دولت چھینتی ہے جسپر وہ ہمیشہ فخر
کرینگے۔ مدینہ کا قبرستان آج اس جسم کو آغوش میں لیتا ہے جس کی پاک روح ملائکہ
عالم بالا پر لے گئے۔ آسمان اسوقت اپنوں سے زیادہ غیروں کے نالے سنے گا۔
اور زمین اس موقعہ پر دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے آنسو گود میں لے گی۔ یہ وہ
موت ہے جس کے جواب میں تاریخ کے صفحات کائنات کے اوراق اور انسان
کی زبان ششدر اور حیران ہے۔ انتقال کے بعد آنسوؤں کی فوج انسانی آنکھوں
سے امنڈ امنڈ کر برس رہی تھی۔ حارث بن نعم کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو
مسجد نبوی کی دیواروں سے سر پھوڑتے دیکھا زبان اس کے دل کی کیفیت کا آئینہ
تھی جس سے یا محمد یا محمد کے نعرے لگا رہا تھا میں اس کے قریب پہونچا اور صبر کی

تلقین کی میرے سمجھانے سے اس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور کہنے لگا۔

مدینہ کے مہمان کے کس کس احسان کو یاد کروں اور کون کون سی ادا کو روؤں جس کی گود میں مدینہ نے اپنے جواہرات ڈالے جس کے سر پر سے مکہ نے اپنا مال و زر قربان کیا جس کی زبان پر حکومتوں کے فیصلے اور بادشاہوں کے تغیر تھے۔ اس نے کبھی دو وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی جس نے اپنا راحت وآرام اور ہماری دنیا کا عیش و عشرت حرام سمجھا جس نے بن ماں کے بچوں کو کلیجہ سے لگایا۔ ان کے رخساروں کو بوسے دئے اور سر پر ہاتھ پھیر کر پیٹ بھرے۔ جس نے دوسروں کے فاقے توڑے، وہ خود دو دو تین تین وقت کے فاقے کرتا ہوا دنیا سے گیا۔ اس نے اندھوں کی مدارات کی، اپاہجوں کی خدمت کی، غریبوں کے کام آیا، حاجتمندوں کو مدد دی۔ لڑائیوں کو ختم کیا۔ جھگڑوں کا تصفیہ کیا، شراب کو غارت کیا اور جوے کو فنا کیا اور ریگستان عرب کو چمن بنا کر رحلت کی اس کے احسانات کا بدلہ اور اس کے کرم کا معاوضہ ہمنے یہ دیا کہ اسکے سر پھوڑے اسکے دانت توڑے، اسکو زخمی اور لہو لہان کیا۔ اونٹوں کی اوجھڑیاں اسکے گلے میں ڈالیں اور ببول کے کانٹے اس کے راستہ میں بچھائے، لڑائیاں لڑیں اور اسکے قتل کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر اس نے ہمکو اذیت نہ دی اور اپنے رحم و کرم سے عفو و درگذر سے ہمارے دل فتح کئے اور ہمکو انسان بنا گیا۔

وہ رسول تھا مگر انوکھا نہ تھا۔ پیغمبر تھا لیکن نرالا نہیں۔ اس سے پہلے بھی دنیا نے پیغمبر اور رسول دیکھے ہیں مگر نوحؑ کی بد دعا۔ داؤدؑ کی غلطی، موسیٰؑ کا غصہ ہمکو یاد ہے۔ وہ انسان تھا مگر کیسا؟ انسانیت کی مجسم تصویر اور بشریت کا مکمل نمونہ وہ نبی تھا لیکن کیسا؟ جس کی چوکھٹ کو فرشتے سجدہ کرتے تھے۔ اور جبرئیلؑ جسکا ادنیٰ غلام تھا۔

عرب کا انسان مکہ کا مسلمان۔ مدینہ کا مہمان۔ دنیا کا ہادی، نبی، پیغمبر رسول، پھر کہتا ہوں کس دل سے۔ روؤں اور کس منہ سے کہوں کہ کیا تھا، میرا باپ عبداللہ بن ابی پکا منافق اور پورا دشمن جس کی عمر کا بڑا حصہ اسکے خلاف سازش میں بسر ہوا وہ شخص تھا جس نے ام المومنین عائشہ صدیقہ کے اتہام میں سب سے زیادہ حصہ لیا جس نے بارہا مجھکو میرے اسلام قبول کرنے پر مارا جب اس کا وقت آخر ہوا اور موت سر پر آپہونچی تو اس نے مجھ سے جو اپنے رسول کا عاشق زار تھا خواہش کی کہ میری خدمات کے معاوضہ میں ہادی برحق اسکے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور پیراہن مبارک کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ قبر میں دفن ہوتا کہ دوزخ کی آگ اسکو گزند نہ پہونچا سکے۔ میں جانور نہیں ہوں جانتا تھا کہ میرا باپ ناموس اسلام کا دشمن ہے مگر پھر بھی میرا باپ تھا۔ اور اس دربار میں جارہا تھا جہاں ایسے گنہگار کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ سفارش کرتا، درخواست کرتا۔ التجا کرتا تو کس منہ سے مگر یہ بھی جانتا تھا کہ خدا کا سچا رسول انسانیت کے اس نقطہ سے جہاں کدورت ورنجش کی اوپزش ہوتی ہے بہت آگے ہے اور اس کا قلب ان تنازعات سے بالکل پاک ہے۔ جب وہ وقت آیا کہ میں ہمت وادب عرض کردوں تو فطرت انسانی نے میری آنکھیں نیچی کردیں ندامت نے سر جھکا دیا۔ تاہم جس طرح بھی ممکن ہو میں نے اپنے الفاظ ادا کردیئے،

ہائے کس طرح کہوں، کس منہ سے بیان کروں صحابہ کا تمام گروہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا، عمر فاروق نے اسکے افعال پر لعن طعن کی اور ایک متفقہ قہقہہ نے میری درخواست کی ہنسی اڑائی۔ مگر مدینہ کا مہمان، انسانیت اور ملکوتیت کے مدارج طے کرنے کے بعد اب اس مقام پر تھا جہاں خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ وہن مبارک پر مسکراہٹ کھیلی اور میری التجا بارگاہ رسالت میں منظوری

کے خلعت سے سرفراز ہوئی

آخر وہ وقت آگیا کہ میرا باپ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اعمال کی سزا بھگتے اسوقت میری عجیب کیفیت تھی۔ باپ کی مفارقت ابدی نے میری جان پر بنادی میں روتا پیٹتا سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اللہ اللہ میں نے کیا دیکھا کس طرح کہوں اس ذات پاک نے مجھکو تسکین دی اور قمیص کا ایک ٹکڑا مجھکو دیکر میرے ہمراہ ہوگئے،

درود ہزار ہا اور لاکھ مرتبہ۔ قربان میں اور میرا خاندان

خدا کا محبوب اور میرا آقا میرے ساتھ اس کے جنازہ پر آیا اور نماز پڑھا کر اسکی دعائے مغفرت کی دفن کے بعد جب صحابہ کو خبر ہوئی تو خشم آلود آنکھوں سے دوڑتے ہوئے آئے اور غصہ سے بھرے ہوئے شکایتیں کرنے لگے لیکن۔

قربان، میں میرا خاندان ایک بار نہیں ہزار بار

چہرہ مقدس پر ہنسی کھیل رہی تھی اور میرے منافق باپ کے اعمال کا کوئی ذرہ یاد نہ تہا۔

درود ہزار بار، لاکھ بار اس ذات پر جو بے مثل تھی،

ہمنے اپنے آقا کی قدر نہ کی ہائے وہ مبارک چہرہ ہمارے ہاتھوں لہولہان ہوا، ہمارا مہمان بھوکا پیاسا اس دنیا سے اندھیرے گھپ میں رخصت ہوا اور ہم اسکے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھائیں۔

وہ جس نے دوسروں کے سر پر تاج شاہی رکھدئے ہماری دنیا میں اتنا آرام بھی نہ پا سکا کہ کمبل اسکے واسطے دہرا ہوجائے۔ ہائے ہائے چٹائی کے نشان اس کے جسم پر پڑیں وہ ہمارے واسطے بھوکا رہے اور ہم اس کو گوشت میں زہر دیں۔

کس طرح روؤں کیا کروں۔ میں زندہ رہوں اور خدا کا رسول جدا ہو جائے

اختلافات کی اور ترقیاں

انصار یعنی اس گروہ نے جس کی خدمات کا رسول اللہ نے اعتراف فرمایا اور جس نے حضور کے مدینہ تشریف لانے اور ہجرت کرنے پر اپنی جانیں اور مال قربان کئے تھے اپنا ایک علیحدہ جلسہ کیا تاکہ وہ فیصلہ کریں کہ آئندہ انکا کیا رویہ ہوگا۔ حضرت ابو بکر صدیق کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ حضرت عمر اور چند دوسرے آدمیوں کو ساتھ لیکر جلسہ میں پہونچے انصار نے انکی صورتیں دیکھکر کہا کہ ہم سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اور یہی اسلام کے خلیفہ سمجھے جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے انکی اجازت سے اس وقت ایک تقریر کی اور ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا کہ تمہارے احسانات رسول اللہ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے حضور کے ساتھ ہجرت کی اس قدر وسیع ہیں کہ خود سرورِ عالم نے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ مگر میں تمکو اب رسول کے الفاظ پر متوجہ کرتا ہوں۔ تم نے اپنے آقا کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہونگے کہ امامت قریش کا حق ہے پس میں اس بھرے مجمع میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے بعد تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ارشاد رسول کی تعمیل میں خلافت وامامت کا حق قریش کے واسطے چھوڑ دو۔ تاکہ کسی قسم کا جھگڑا یا کدورت پیش نہ آئے۔ انصار کے دل میں کوئی خرابی نہ تھی وہ سچے دل سے اسلام کی خدمت گذاری پر کمربستہ تھے، ارشاد رسول سے انکی گردنیں جھک گئیں اور انہوں نے کہا ہمارا مقصد تفریق نہیں ہے۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ہم ہر طرح تمہارے فیصلہ پر رضامند ہیں مگر اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ باہمی جنگ وجدل نہونے پائے حضرت ابو بکر نے سرورِ کائنات کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں مسلمانوں میں قرآن مجید اور اہل بیت

کو چھوڑتا ہوں اگر ان کو مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، چنانچہ ابوبکر کی کوشش بارآور ہوئی اور انصار مع اپنے سردار سعد بن عبادہ کے دست بردار ہو گئے۔ اسوقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قریش میں سب سے بزرگ آپ ہیں۔ آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے کہ سب سے پہلے میں بیعت کروں جب حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرؓ بیعت کر چکے تو تمام انصار و مہاجر نے بیعت کی اور سوا حضرت علیؓ کے کوئی مسلمان باقی نہ رہا جس نے بیعت نہ کی ہو، حضرت علیؓ کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے چھ مہینہ بعد بیعت کی اور دوسری یہ کہ چالیس روز بعد۔

اسی بحث و مباحثہ میں ایک دن اور ایک رات گذر گئے حضور اکرمؐ یہ وصیت فرما گئے تھے کہ میری تجہیز و تدفین اہلبیت کریں، چنانچہ خاندان رسالت کے افراد اس تمام وقت میں جسد خاکی کے پاس بیٹھے رہے اور جب مسلمانوں کو نزاع سے فرصت ہوئی تو تدفین کی نوبت آئی ارشاد نبوی کے بموجب اہل بیت نے تمام خدمات انجام دیں جن میں بڑا حصہ حضرت علی کا ہے۔

جس طرح مرض الموت میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے، اسی طرح اس وقت بھی دو گروہ ہو گئے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلفاء دنیا کے پیچھے ایسے پڑے کہ رسول اللہ کا جنازہ چوبیس گھنٹے پڑا رہا۔ اور ان کو دفن کی فرصت نہ ہوئی۔ سنی کہتے ہیں کہ اگر یہ نہ کیا جاتا تو نہ معلوم کس قدر گروہ ہو جاتے۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے مربیوں کے ہاتھ پر بیعت کر کے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتا۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ملی بھگت تھی۔ اگر

اگر خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا تو یقیناً حضرت علی ہوتے شیخین نے اسی واسطے کہ اہل بیت رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ نہیں سکتے یہ تمام تدبیریں کیں برخلاف اس کے اہل تسنن کا عقیدہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام چوپٹ ہو جاتا اور چند دن بھی باقی نہ رہتا۔ اہل شیعہ کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت عمر نے حضور اکرم کی وصیت کو قلمبند نہ ہونے دیا۔ اسی طرح انتخاب کی بھی نوبت نہ آنے دی اور جلدی جلدی حضرت ابو بکر کو خلافت دلوا دی سنی کہتے ہیں کہ اگر خلافت کسی طرح بھی حضرت علی کو ملجاتی تو بنو امیہ جو بنو ہاشم کے قدیمی دشمن تھے ایک دن بھی خلافت کو نہ چلنے دیتے۔ اور وہ لوگ جو لڑائیوں میں حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے انکی اولادیں جن کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے تھے اپنے بزرگوں کا بدلہ لیتے اور اس طرح مفاد اسلام کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بہر حال یہ وہ اختلافات ہیں جو اسوقت تک قائم ہیں اور بیخ اسلام کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور جو بیخ پوچھو تو کر چکے،

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے سوا دو برس خلافت کی اور ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، انکی خلافت کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ ایک فریق ان کی سخت گیری سے خالف تھا اور جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو تجویز کر رہے ہیں تو سخت مخالفت کی اور کہا ایسے شخص کو خلیفہ بنا کر آپ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ حضرت صدیق ؓ نے فرمایا کہ یہ کہدونگا کہ مسلمانوں میں جو شخص میری رائے میں سب سے بہتر تھا اسی کو سب کا خلیفہ بنا آیا ہوں۔

مخالفین میں عبدالرحمن بن عوف اور طلحہ کی شخصیت بڑی تھی اس جواب سے

وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے اور مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے خلافت حضرت عمرؓ کو ملی، بحث صرف یہ ہے کہ اختلافات قدم قدم پر ترقی کر رہے تھے اور دلی رنجشوں کا پودا لمحہ بلحہ بڑھ رہا تھا حضرت عمرؓ نے قریب قریب ساڑھے دس سال خلافت کی مگر ہیبت فاروقی بھی اس آگ کو نہ بجھا سکی،

جناب سیدہ کی رحلت

یہ تذکرہ محض اس لئے تھا کہ پڑھنے والوں کو تنازعات کی کیفیت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ اب ہمکو پھر اسی جگہ آجانا چاہیئے۔ حضور اکرمؐ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ مسلمان رو دھو اور لڑ جھگڑ دنیا کے دھندوں میں لگ گئے۔ مگر ایک انسان ۔ ایک عورت تھی ایک بیٹی تھی جو باپ کو نہ بھولی اور زندگی کا کوئی کارنامہ گھر کی کوئی خوشی، شوہر کی کوئی محبت، بچوں کی کوئی ممتا، مرجھایا ہوا کنول نہ کھلا سکی، اسکی رات باپ کی یاد میں بسر ہوتی اور دن اسی صورت کو سامنے لئے ختم ہوتا، شام اسی خیال میں صبح اسی دھن میں اپنے رنگ بدلتی۔ نظام عالم کے تحت میں تغیر ہر ذی روح وغیر ذی روح پر جاری وساری ہوتا۔ مگر فراق پدری کی ماری دیوانہ وارفتہ اور ماہی بے آب کی طرح شب وروز تڑپتی رہی ایک عورت ۔ ایک بیٹی ۔ ایک بچی سیدہ ۔ فاطمہ ۔ زہراؑ

جنت کی یاد میں آدم علیہ السلام کا اضطراب دنیا دیکھ چکی، یوسفؑ کی تلاش میں یعقوبؑ کا نالہ کارخانہ حیات میں گونج چکا مگر حوا نے ملکر آدمؑ کے آنسو پونچھ دئے یوسفؑ نے باپ کے سینہ سے چمٹ کر ارمان پورا کر دیا۔ اب فضاء آسمانی اور کائنات ارضی سیدہ کی فریاد سن رہی ہے۔ کوشش کرتی ہیں کل من علیہا فان کی تسبیح پڑھتی ہیں مگر دل کی لگی نہیں بجھتی اور بچھڑنے والے باپ کی یاد رہ رہ کر کلیجہ برما رہی ہے۔ چاہتی ہیں کہ زندگی کی ضرورتیں رحمۃ للعالمین کی یاد دل سے

بھلا دیں، مگر کسی طرح نہیں مانتا، دن کی گھڑیاں اور رات کی ساعتیں یادِ حبیب میں ختم ہوتی ہیں، دن کا کوئی لمحہ اور رات کی کوئی کروٹ چین نہیں لینے دیتی۔ ایک تصویر ہے ایک خیال ہے۔ ایک یاد ہے جو ہر وقت آنکھ کے سامنے ہر ساعت دماغ میں اور ہر لمحہ دل میں موجود ہے۔ جب کھانا لیکر بیٹھتی ہیں علی جیسا دلسوز شوہر اور حسنین جیسے چاند کے ٹکڑے کچھ کھلانے کی کوشش کرتے ہیں تو قلب حزیں ایک دوسرا سماں سامنے لے آتا ہے اور خیال آتا ہے کہ محمدؐ جیسا باپ جسکی محبت نے یعقوبؑ کی شفقت پدری کے معنی بتا دئے۔ اس دنیا سے فاقے کرتا ہوا سدھارا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ نوالہ حلق میں اٹک جاتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھ کر خاموش ہوجاتی ہیں۔ رات کو لیٹتی ہیں، کروٹیں لیتی ہیں مگر نیند کسی پہلو نہیں آتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب دروازہ کھلے اور وہ آواز سنائی دے جسکو کان ترس رہے ہیں اور وہ صورت دکھائی دے جس کو دل تڑپ رہا ہے۔

شیرِ خدا نے ہر ممکن کوشش کی اور بچوں نے دلجوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر یہ صدمہ زائل ہونے والا نہ تھا۔ زخم ناسور ہوا اور ناسور بھی ایسا جو ہر وقت رس رہا ہو۔ اس حالت پر قیامت مسلمانوں کی مخالفت تھی جس نے جناب سیدہ کی رہی سہی ہمت توڑ دی۔ روتے روتے بیہوش ہوجاتی تھیں اور جب ہوش آتا تھا تو روضۂ اقدس پر جا بیٹھتی تھیں اور اس قدر روتی تھیں کہ زمین تر ہوجاتی تھی، بچے لپٹ لپٹا کر اور چمٹ چمٹا کر گلے میں ہاتھ ڈالتے حضرت علیؑ سمجھا بجھا کر اور کہہ سنکر گھر لاتے۔ لیکن یہاں پہنچکر وہ تسکین بھی ختم ہوجاتی جو مزار مبارک کو سامنے رکھکر میسر آجاتی تھی۔ یادِ پدر پھر پریشان کرتی اور چاروں طرف ٹکرایں مار مار کر روتیں اور اس درد سے کہ بچے اور شیرِ خدا بھی اسی کیفیت میں غرق ہوجاتے تھے۔

باپ کی یاد زندگی کا بہترین مشغلہ تھا، خوراک تھی تو باپ کے فراق کا نالہ اور لباس

تھا تو باپ کے مزار کی خاک۔ پندرہ پندرہ دن سر و ہوتیں نہ کپڑے بدلتیں، رات رات
بھر اور دن دن بھر روضہ اقدس پر حاضر رہتیں جب نیند کا غلبہ ہوتا تو قبر اطہر کو سینہ
سے چمٹا کر وہیں سو رہتیں حسنین اور شیر خدا کھانا لیکر جاتے۔ التجا کرتے منت کرتے
مگر بھوک کچھ ایسی اڑی کہ دو دو تین تین دن دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ بچے
رو رو کر مزار مبارک سے ہمراہ لاتے اور سلا دیتے۔ مگر آنکھ کھلی اور وہیں پہنچ گئیں،
ایک رات کا ذکر ہے کہ بخار شدت سے چڑھا ہوا تھا عصر کے وقت سے عشا کے بعد تک بیہوش
پڑی رہیں، فاقے بچوں پر بھی تین گذر گئے اور حضرت علیؑ بھی، رات آدھی سے زیادہ
گذر چکی تھی کہ شیر خدا کی آنکھ کھلی دیکھا تو حضرت سیدہ موجود نہ تھیں بچوں کو جگایا اور
سب نے مل کر ہر طرف دیکھا۔ کہیں پتہ نہ چلا۔ سیدھے روضہ اقدس پر پہونچے تو دیکھا
کہ تمام بدن خاک میں اٹ رہا ہے۔ اور باپ کے نام کی رٹ لگا رہی ہیں۔ بخار اب
بھی تیز تھا بچے قدموں میں گرے اور پاؤں سے آنکھیں ملیں حضرت علی نے کہا۔
فاطمہ بخار شدت کا ہے اگر رسول اللہ زندہ ہوتے تو یہ کیفیت دیکھ کر خوش ہوتے
شیر خدا کے اس فقرے نے دبی ہوئی چنگاری کو ابھار دیا۔ چیخ اٹھیں اور رو کر کہا
باپ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ دل میں تسکین باقی ہوں اسوقت کوئی تکلیف
نہیں ہے میں روتے روتے سو گئی تو حضور اکرم کو خواب میں دیکھا کہ مجھکو کلیجہ سے لگائے فرماتے ہیں

جدائی کا وقت ختم ہو چکا اب میرے پاس آرہی ہو

اتنا کہہ کر سیدہ حضرت علی کے قدموں کی طرف جھکیں تو شیر خدا نے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں
سے لگائے اور کہا سیدہ کیا کرتی ہو۔ اب آنکھوں میں آنسو تھے کہنے لگیں۔
باپ نے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیکر دین و دنیا کا وارث بنا دیا تھا میری
مغفرت تمہارے ہاتھ میں ہے علی زندگی کی بعض گھڑیاں ایسی گذری ہونگی کہ مزاج
میری طرف سے مکدر ہوا ہو گا ایسے کام بھی کئے ہونگے جو طبیعت کے خلاف ہوئے

ہوں ممکن ہے کسی جواب سے دلشکنی بھی ہوئی ہو۔ اب میری زندگی ختم ہو رہی ہے اس دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور میں جاتی ہوں کہ باپ سے ملوں لیکن جانتی ہوں کہ سب سے پہلے اعمال کی باز پرس ہوگی ایسا نہ ہو کہ رسول زادی آپ کی کسی نافرمانی میں پکڑی جائے علی اپنے بچوں کے سامنے انکو گواہ کر کے میرے قصور معاف کر دو۔ جس طرح رسول خدا نے اپنے گھر سے وداع کیا تھا اسی طرح ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے ہاں رخصت کر دو۔ ایک التجا کرتی ہوں کہ میرے دونوں بچے جواب بن ماں کے ہو جائینگے اور ماںتا سے محروم ہو کر دیواروں سے ٹکریں مارینگے اپنے پاس فاطمہ کی امانت سمجھنا۔ علی ابن ماں کے بچوں کے دل تھوڑے ہوتے ہیں۔ میرے معصوم اگر غلطی بھی کریں تو ان کی ماں کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ معاف کر دینا۔ علی! میری آنکھوں کے تارے میرے کلیجہ کی ٹھنڈک، میری دونوں آنکھیں جو نانا سے چھوٹ کر اب ماں سے بھی چھوٹتے ہیں، تمہاری محبت کے محتاج ہیں۔ ان کے دل ہاتھ میں لینا اور خوش رکھنا۔

یہ کہکر شہزادی نے بچوں کو کلیجہ سے لگایا اور کہا پیارے بچوں ماں ہمیشہ کو جدا ہوتی ہے۔ نانا کا سایہ تمہارے سر سے اٹھ چکا۔ ماں کی شفقت بھی آج ختم ہوتی ہوتی ہے۔ اور اس دنیا میں ایک باپ کے سوا کوئی اتنا نہیں کہ تمکو محبت کی نظر سے دیکھ لے۔ میرے بعد زندگی کی مصیبتیں تمہارے سروں پر پہاڑ بنکر ٹوٹیں گی، ماں کی نصیحت یاد رکھنا، باپ کی شجاعت، نانا کی رسالت اور بدنصیب ماں کی غربت پر حرف نہ آنے پائے۔ میرے کلیجے کے ٹکڑے حسین تیرا بچپن کچھ بتا رہا ہے اور یہ پیش خیمہ ہے ایک ایسے انقلاب کا جو دنیا والوں کو زندگی کے معنی بتائیگا۔ وہ وقت آئیگا کہ ماں کی طرح باپ کی آنکھیں بند ہونگی اور اس سر پر خدا کے سوا کوئی وارث نہ ہوگا۔ قدرت کا ہاتھ جس نے مصیبت کی کسوٹی پر ہمیشہ ماں اور نانا کو پرکھا۔ اس ننھی سی جان کی آزمائش کو آگے بڑھیگا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیگا! حسین زندگی کی ان نازک گھڑیوں میں

جب خدا کے سوا کوئی وارث نہ ہو، باپ کی شان اور نانا کی نبوت میں فرق نہ آنے پائے۔ فاقہ زدہ ماں کا خون ان رگوں میں دوڑ رہا ہے اسکی لاج رکھنا اور یاد رکھنا کہ نانا اور باپ اور ان دونوں کی کنیز ماں نے زندگی بھر عیش کو حرام سمجھا ہے۔ اور ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا ہے

حسن! میرے گلے میں ننھے ننھے ہاتھ ڈال کر ماں کی آگ ٹھنڈی کر اور بیٹے گلے مل کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ خدا تیرے سر پر باپ کو زندہ رکھے۔ شفقت بھرے ہاتھ اور مامتا بھری نگاہیں اب ختم ہوتی ہیں میرے پاس دولت نہیں کہ دنیا کی طرح تقسیم کروں۔ البتہ تم دونوں کو وصیت کرتی ہوں کہ سخت سے سخت ساعت میں بھی کسی غلط راستے پر قدم نہ دہرنا۔ توحید و رسالت کے خلاف زبان کسی لفظ سے آشنا نہ ہو، خدا کے نام پر مجھ جیسی ماں بھی قربان کرنی پڑے اور نانا کے نام پر علی جیسا باپ نثار کرنیکا وقت آئے تو قدم نہ ڈگمگائیں۔ افلاس میں ماں کے فاقے اور نانا کی بھوک یاد رکھنا اور میدان جنگ میں باپ کی تصویر پیش نظر۔

اس کے بعد سیدہ نے ایک ٹھنڈا سانس لیکر باپ کے مزار کو دیکھا آنسو کے چند قطرے گرے "ہائے میرا باپ" کی ایک آواز کے ساتھ زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ اسوقت بیہوش بنت الرسول کو بچے اور شوہر گود میں لیکر گھر آئے۔ بخار تمام رات تیز رہا یہاں تک کہ موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی حضرت علی نماز کو جا چکے تھے اور معصوم بچے اپنی آنکھیں ماں کے قدموں سے مل رہے تھے کہ آنکھ کھولی تو موذن اشہد ان محمد الرسول اللہ کہہ رہا تھا۔

صبح صادق کے سہانے وقت میں بچھڑے ہوئے باپ کا نام فضائے بسیط میں گونجتا ہوا صورت کو ترستی ہوئی بیٹی کے کلیجہ سے کچھ اس درد سے پار ہوا کہ ایک چیخ مار کر یہی الفاظ خود دہرائے اور بچوں سے کہا دیکھو صبح کی گھڑیاں میرے باپ کی

نام کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ رات یہ نام لیکر اپنی تاریکی اور سیاہی وداع کرتی ہے اور آفتاب یہی کلمہ پڑھتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ یہ مقدس نام ورد زبان رکھنا حسین پاؤں چھوڑو اور دونوں رخساروں پر اپنے منہ رکھدو، کہ دل کو فرحت ہو۔

دن کا پہلا پہر گذر چکا تھا اور شیر خدا باہر چلے گئے تھے۔ اسوقت بخار کچھ ہلکا ہوا اٹھیں، خانہ داری کے کچھ کام انجام دیئے۔ دوپہر کے وقت جب حضرت علی واپس آئے تو انہوں نے دیکھا روٹی پکا رہی ہیں حضرت علی متحیر ہوئے اور کہا بنت رسول یہ کیا کر رہی ہو۔ روئیں اور کہا میں نے تھوڑی سی روٹی پکالی ہے۔ میرے بچے پیٹ بھر لیں اور میرے بعد بھوک کے مارے بلو بلو نہ کرتے پھریں۔

اب دوپہر کا وقت ہو چکا تھا اور گو بخار شدت سے چڑھ رہا تھا۔ مگر دماغ صحیح تھا حضرت علی سے کہا کہ بچیوں کو بلاؤ دونوں صاحبزادیاں زینب اور ام کلثوم آکر قدموں میں گریں۔ ان کے سر اٹھا کر اپنے سینہ سے لگائے اور فرمایا یہ رونیکا وقت نہیں ہے، ہنسی خوشی ماں کو باپ کے گھر سے رخصت کر دو۔ سنو جو کہتی ہوں اور یاد رکھو جو الفاظ زبان سے نکلیں دونوں بھائی اب ماں کی آغوش سے چھوٹتے ہیں اور قدرت ان کو بن ماں کا کرتی ہے مگر میرے دل کو اطمینان ہے کہ میں حسنین کو اچھی بہنوں کے سپرد کرتی ہوں۔ ان کی ماں بھی تم ہو اور بہن بھی تم۔ یہ ہنس مکھ چہرے اور پیاری پیاری صورتیں جن کو میں نے خدا کو سونپا قیامت کے روز بھی مجھ سے سرخرو ملیں ایسا نہ ہو کہ ماں کے بعد بھائیوں کے کسی حق میں کسر رہ جائے، میں اب تمہارے باپ سمیت تم سب کو خدا کے حوالہ کرتی ہوں کہ وہی بہتر وارث ہے۔

بچوں کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور حضرت علی کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ آج دوسرا روز تھا اس سیدہ کو جو چند گھنٹوں کی دنیا میں مہمان تھی۔ سحری و افطاری تو درکنار دوا تک بھی میسر نہ تھی۔ کمزوری بڑھ رہی تھی۔ حضرت

علی کو پاس بلا کر کہا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ علی خدا کی رحمت ہمارے گھر پر ہمیشہ نازل رہی۔ افلاس اور صعوبت نے کبھی ہماری مسرت کو مجروح نہیں کیا۔ ہم اس دنیا میں ہر وقت خوش وخرم رہے۔ حمد کے قابل ہے وہی ذات وحدہ لاشریک جس نے ہمکو توفیق نیک بخشی اور ہمیر برکت کی بارش فرمائی۔ میں خوش نصیب ہوں کہ علی جیسا انسان مجھے شوہر ملا حسینین جیسے بچے، کلثوم وزینب جیسی لڑکیاں میری گود سے پیدا ہوئیں میں نے بچوں کے متعلق جو کچھ تم سے کہا وہ یاد ہوگا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری شفقت ماں کی موت کو میرے پیاروں کے دل سے بھلا دیگی۔ اب میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ میں نے اجلے کپڑے اسلئے بدلے ہیں کہ ان ہی کپڑوں میں مجھکو دفن کرنا۔ میرا جنازہ رات کے وقت اٹھانا۔ کسی نامحرم کا ہاتھ میرے جسم یا جنازہ کو نہ لگنے پائے۔ گہوارہ کی یہ شکل جو میں تمکو دکھاتی ہوں اچھی طرح دیکھ لو۔ اسی طرح خاموشی کے ساتھ گہوارہ میں میری میت لیجانا اور راتوں رات پیوند زمین کر دینا۔ علی میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے زیر زمین پہنچتی ہوں۔ اور تمہاری زندگی میں دنیا کو الوداع کہتی ہوں۔

رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کیا، بخار اسوقت موجود تھا۔ مگر پانی کے پیتے ہی پسینے آنے لگے اور بخار اتر گیا۔ اسوقت بچوں سے کہا جاؤ نانا جان کے مزار پر جاؤ آج تمام دن میں بھی حاضر نہیں ہوئی اور اسوقت اتنی ہمت نہیں کہ دو قدم بھی چل سکوں جاؤ اور جس طرح میرے سامنے حاضری دیتے ہو اسی طرح روزانہ قدمبوس ہونا۔ ناغہ نہ ہونے پائے،

بچے باہر گئے اور شیر خدا نماز کی تیاری میں مصروف ہوئے، بی بی سیدہ نے قبلہ رو ہوکر کلام اللہ پڑھنا شروع کیا کہ دفعتہً آواز خاموش ہوگئی اور خاتون جنت دنیا سے رخصت ہوئیں،

سیدۃ النساء کی وصیت کے موافق جنازہ رات کے وقت اٹھا اور خاص خاص آدمیوں کے سوا جو سب خاندان رسالت سے تعلق رکھتے تھے کوئی مسلمان شریک نہ ہوا

اختلافات کی جڑ اب اور بھی زیادہ مستحکم ہو رہی ہے۔ اہل تشیعہ کہتے ہیں کہ فدک اور خلافت کے مسائل نے سیدۃ النساء کو اس قدر مضمحل مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا کہ انہوں نے یہ بھی جائز نہ سمجھا کہ انکے جنازہ کو یہ لوگ کندھا دیں اہل تسنن یہ کہہ کر الزام دور کرتے ہیں کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی وصیت نہیں کی۔
جناب سیدہ کے انتقال کے بعد اس اختلاف نے اور بھی زور پکڑا اور بنو فاطمہ و بنو امیہ کے دلوں میں جو کدورت اندر ہی اندر تھی وہ اب زبان پر آنے لگی اور کھلم کھلا عداوت شروع ہو گئی

حضرت عثمان کی خلافت میں مشہور آدمی

طوفان نوح تمام دنیا کو ڈبو دے۔ نار نمرود زمین و آسمان کو جلا کر خاک سیاہ کر دے قدرت کے قانون اپنی جگہ سے سرکنے والے نہیں۔ کائنات کی بہترین ہستی رسول اکرم صلعم اٹھ گئے۔ مگر طلوع و غروب آفتاب کا عمل بدستور رہا۔ سیدۃ النساء النساء فانی دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے ہاں جا پہنچیں لیکن نظام عالم میں فرق نہ آیا۔ جاڑا اسی طرح رہا اور گرمی حسب سابق پڑ رہی ہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی کدورتیں عداوت قلبی سے بھی آگے بڑھ گئیں۔ مگر دنیا کے تغیرات اپنی عادت سے باز نہ آئے اور قوانین الٰہی اپنی جگہ سے نہ سرکے پہلی اور دوسری خلافت کا زمانہ گذر گیا حضرت صدیق اکبر کو قبر میں پہنچے دس سال سے زیادہ ہو گئے مگر دنیا کے سلسلے اسی طرح چل رہے ہیں حضرت عمر کی خلافت بھی ختم کے قریب ہے ابو لولو نے خنجر گھونپ دیا۔ اور اب تیسری خلافت کے جھگڑے ہو رہے ہیں اس کتاب کے موضوع کو دونوں ابتدائی خلافتوں کے واقعات سے تعلق نہیں ہے تیسری خلافت کا حال اسلئے ضروری ہے کہ رنجشیں اور عداوتیں کھل کھیلیں اور بنو امیہ اور

بنو ہاشم اپنی اپنی کامیابی کی کوششوں میں مصروف ہیں سب سے پہلے ان حضرات کی تفصیلی کیفیت سمجھ لینی چاہیے جو خلافت سوم میں سرگرم سعی ہیں

(۱) حضرت علی اور حضرت عثمان رسول اللہ کے عزیز۔ حضرت عثمان بنو امیہ میں اور حضرت علی بنو ہاشم میں (۲) عبدالرحمن بن عوف صحابہ رسول اللہ (۳) زبیر بن العوام رسول اللہ کے چچازاد بھائی (۴) حضرت طلحہ جنکو سرور عالم نے طلحۃ الخیر فرمایا (۵) سعد بن زید قبیلہ بن عدی سے ہیں اور اس قبیلہ سے حضرت عمر۔ عمرو بن العاص حضرت عثمان کے عزیز) سعد بن ابی وقاص، عمار بن یاسر، عبداللہ بن سعد بن سرح حضرت عثمان کا بھانجہ۔ نائلہ حضرت عثمان کی بیوی مروان حضرت عثمان کا غلام۔

تیسری خلافت کا فیصلہ

جب حضرت عمر کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو ان کو خلافت کا فکر ہوا، اسوقت ان کے پاس عبدالرحمن بن عوف موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے تنہائی میں عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ میں تمکو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں بن عوف نے کہا کہ آپ مجھکو مشورہ دیجیے کہ میں یہ عہدہ قبول کروں۔ یہ سنکر حضرت عمر ابن عوف کا مطلب سمجھ گئے اور کہا اچھا میں اس سلسلہ میں تمہاری ذمہ دوسری خدمات لگاتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ اسی پر اسلام کی ترقی کا انحصار ہے۔ اگر خلافت کسی نا اہل شخص کو دیدیجائے تو اسلام کو سخت نقصان پہونچیگا اور جنگ و جدل شروع ہو جائیگی جہانتک میں نے اس معاملہ پر نظر دوڑائی پانچ آدمی میری نگاہ میں آتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں میرا جانشین اور اسلام کا تیسرا خلیفہ ان پانچ میں سے ایک ہو۔ تم بلا رو رعایت مجھے بتاؤ اور اگر کوئی نام رہ گیا ہو تو جتا دو۔

دیکھو عثمان اور علی سب سے پہلے مستحق ہیں عثمان کی خدمات علی سے اور علی کی عثمان سے زیادہ ہیں اور یہ دونوں رسول اللہ کے داماد ہیں، تیسرے زبیر بن العوام

چوتھے سعد بن ابی وقاص پانچویں طلحہ بن عبدالرحمن ۔ تم جاؤ اور ان پانچوں کو میرے پاس لاؤ۔ عبدالرحمن گئے اور چاروں کو ہمراہ لے آئے طلحہ بن عبدالرحمن کی بابت کہا کہ وہ موجود نہیں ہیں حضرت عمر نے ان چاروں کو بٹھا کر کہا۔

میری حالت لمحہ بلمحہ بگڑ رہی ہے اور میں بہت تھوڑی دیر کا مہمان ہوں میری خواہش ہے کہ خلیفہ کا انتخاب میرے سامنے ہو جائے ۔ تاکہ میرے بعد جھگڑا نہ ہو اور اسلام کو باہمی تنازعات سے نقصان نہ پہونچے ۔ میں نے تم پانچ آدمیوں کو منتخب کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ سرور عالم تم سے بہت خوش تھے ۔ اتفاق سے عبدالرحمن موجود نہیں ہیں ، اب تم پانچوں آدمی ایک شخص کے متعلق فیصلہ کرو اور مجھے بتاؤ تاکہ یہ معاملہ میری زندگی میں طے ہو جائے ۔ اور میں باطمینان مروں ، میں تم سے اس قدر اور کہونگا کہ انتخاب خلافت کے بعد تم میں جو خلیفہ ہو اسکو انصار کی دلجوئی کا ہر لمحہ لحاظ رکھنا چاہیے یہ ہی الفاظ حضور اکرم کے ہیں یہی خلیفہ اول کے ۔ ایک اور ضروری بات بتلائے دیتا ہوں کہ اور وہ یہ ہے کہ رعیت خلافت کی جڑ ہے ۔ اور رعیت میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہیں ، میں نے اپنی خلافت میں کوشش کی کہ کسی مسلمان کی رعایت نہ کروں اور انصاف کے معاملہ میں مسلم و غیر مسلم کو ایک آنکھ سے دیکھا یہ ہی وصیت تمکو کرتا ہوں ، اب دو باتیں مجھے علی اور عثمان سے اور دو زبیر اور سعد سے کہنی ہیں ، عثمان اگر مسلمان تمکو منتخب کریں تو گو تمہارے احسانات کا یہ صحیح معاوضہ ہوگا ۔ مگر تمہارے مزاج میں رعایت اور مروت ضرورت سے زیادہ ہے ایسا نہو کہ بنو امیہ کو بنو ہاشم اور انصار کے مقابلہ میں ترجیح دو ۔ اور مسلمانوں کی فضا اطمینان کو مکدر کر دو ۔ علی سے بھی یہی کہنا ہے کہ انکا انتخاب انکی خدمات کے مقابلہ میں جائز ہوگا لیکن ایسا نہ ہو کہ بنو ہاشم کو امیہ اور انصار پر غلبہ حاصل ہو جائے ۔ زبیر و سعد سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر وہ خلیفہ ہوں تو بنی زہرہ کو خاص مراعات نہ دیں ۔ اسوقت ایک شخص نے کہا کہ

آپ خلافت کا فیصلہ اپنے صاحبزادہ عبداللہ کے حق میں کیوں نہیں کرتے۔ اسپر حضرت عمر کو غصہ آیا اور جواب دیا" تجھے ایسا کہتے ہوئے شرم نہیں آتی مجھکو خوش کرنا چاہتا ہے اور ایسی بات کہتا ہے کہ جو اسلام کے واسطے انتہائی مضر ہو، وہ شخص جو اپنی بیوی کے طلاق کے بارے میں فیصلہ نہ کرسکا بھلاوہ مسلمانوں کے حقوق اور اسلام کے تنازعات کا کیا فیصلہ کریگا، میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جلد فیصلہ کرلو میں تمکو تین گھنٹہ کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو انتخاب کا نتیجہ اپنے کانوں سے سن لوں اسکے بعد اور سب نے مشورہ کیا اور حضرت عمر سے کہا کہ ہماری رائے میں اگر سعد بن زید بھی شریک ہوجائیں تو بہتر ہے حضرت عمر نے کہا ہر قبیلہ سے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ قبیلہ عدی سے میں خود شریک ہوں اور اگر ضرورت ہوگی تو اپنی رائے پیش کرونگا اسلئے تم لوگ جلد فیصلہ کرو۔ یہاں چاروں نے متفقہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ امیرالمومنین خود ہی فیصلہ کردیں حضرت عمر نے اس سے انکار کیا اور کہا تم چاروں کے حقوق میری رائے میں مساوی ہیں کسی ایک کے خلاف دوسرے کو رائے نہیں دے سکتا بہتر ہوگا کہ مفاد اسلام کے واسطے تم آپس ہی میں فیصلہ کرو، میں تمکو تین دن کی مہلت دیتا ہوں اس عرصہ میں مجھکو موت آگئی اور میں یہ فیصلہ نہ دیکھ سکا تو خدا کی مرضی سب سے بہتر ہے اور وہی اسلام کا حقیقی وارث ہے،

اس کے بعد حضرت عمر نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور درد کی تکلیف زیادہ ہونے لگی تو آپ نے کہا اب تم لوگ جاؤ اور جو کام کرنا ہے وہ جس قدر جلد ممکن ہو ختم کرو، ایک بات اور کہتا ہوں کہ اگر تم تین شخص ایک کے حق میں فیصلہ کرلو اور باقی ایک آدمی الگ رہے۔ اور متفق نہ ہو تو اسکو قتل کردینا کہ اسکی وجہ سے فساد کا اندیشہ نہ ہو اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا کہ مشورہ میں تم بھی شریک ہو سکتے ہو مگر خلافت کے امیدوار نہیں ہوسکتے۔ دو روز بعد حضرت عمر نے ان چاروں کو بلایا اسوقت حضرت علی نے

حضرت عباس سے مشورہ کیا کہ میرا جانا مناسب ہے یا نہیں حضرت عباس نے کہا میں نے شروع میں بھی تم سے کہا تھا کہ رسول اللہ سے خلافت کے متعلق رائے لے لو مگر تم نے رونے پیٹنے میں میری بات رد کر دی۔ اب بھی میری رائے یہ ہے کہ عمر ہرگز بنو ہاشم میں سے کسی کو خلافت نہ دینگے۔ اگر تم نہ گئے اور خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا تو ہم باآسانی یہ کہہ سکیں گے کہ ہم اس فیصلہ سے متفق نہیں ہیں، کیونکہ بنو ہاشم کا کوئی نمائندہ موجود نہ تھا۔ حضرت علی نے اس رائے کو تسلیم نہ کیا اور حضرت عائشہ کے مکان میں جلسہ ہوا دن بھر جلسہ رہا، رات بھر گفتگوئیں رہیں۔ دوسرے دن اور دوسری رات بھی یوں ہی گذری، مجبوراً عبدالرحمن بن عوف نے تیسرے دن یہ فیصلہ کیا کہ اب جبکہ تم میں سے ہر شخص اپنا حق فائق سمجھتا ہے تو فیصلہ کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو میں حکم دوں اس کی تعمیل کرو چونکہ معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا تھا اس لئے سب سے پہلے حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ مگر یہ کہہ دیا کہ صرف اس شرط پر کہ تم حلف اٹھاؤ اور وعدہ کرو کہ کسی کی رو رعایت نہ کرونگا۔

جب ابن عوف نے عہد کر لیا تو وہ ایک علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گئے اور باری باری سے ایک ایک کو بلانا شروع کیا سب سے پہلے حضرت علی کو طلب کیا اور کہا تمہارے حقوق اور بنو ہاشم کی طاقت تسلیم لیکن اگر میں یہ فیصلہ کروں کہ تمکو خلافت نہ ملے گی تو بتاؤ تمہاری رائے کس کی طرف ہو گی حضرت علی نے کہا حضرت عثمان کی اسی طرح حضرت عثمان سے بلا کر کہا تو انہوں نے جواب دیا حضرت علی کی۔ جب حضرت زبیر اور حضرت سعد سے پوچھا تو ان کی رائے بھی حضرت عثمان کی طرف گئی۔ اس کے بعد کھلی مجلس میں عبدالرحمن بن عوف نے اعلان کیا کہ اب تک کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کہ خلافت عثمان یا علی دونوں میں سے ایک کو ملنی چاہئے۔ اب میں مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آج رات کی اجازت اور دیں کل میں اس کا فیصلہ کر دونگا

اور سب سے پہلے خود ہی بیعت کا ہاتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف بڑھا دونگا۔

ہمارا قلم اب بھی اس کے واسطے تیار نہیں ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے ہم صرف واقعات لکھدیتے ہیں اب یہ پڑھنے والوں کا کام ہو کہ وہ نتیجہ نکالیں، یہ مدت جسکی صبح کو تیسری خلافت کا فیصلہ ہونیوالا تھا اشخاص متعلق پر عجیب طرح سے گذری عبدالرحمٰن بن عوف نے رات کو بہت سے آدمی جمع کئے اور مفصل کیفیت بیان کی، ان لوگوں میں معاویہ کے باپ ابوسفیان جو یزید کے دادا تھے موجود تھے وہ یہ سنتے ہی کہ انتخاب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے اور ممکن ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کو ملجائے سیدھے عمرؓ بن عاصؓ کے پاس پہنچے اور حقیقت سنائی۔ انہوں نے ابوسفیان سے وعدہ کیا کہ میں ابھی اسکا انتظام کرتا ہوں کہ علیؓ خلیفہ نہونے پائیں اور سیدھے حضرت علیؓ کے پاس پہونچے اور کہا قریب قریب سب کی رائے تمہارے ساتھ ہے۔ اب تم وہ کرو جو میں کہوں۔ حضرت علیؓ کو کیا معلوم کہ عمرو بن عاص کی نیت کیا ہے انہوں نے جب وعدہ کرلیا تو اس نے کہا کہ عبدالرحمٰن نے اگر تمکو خلیفہ مقرر کیا تو وہ یہ وعدہ لیں گے کہ رسول اللہؐ اور شیخینؓ خلفا کی پیروی کرنا۔ تم اس کے جواب میں خاموش رہنا تاکہ لوگ یہ سمجھکر کہ علیؓ خلافت کے شیدا ہیں بد دل نہ ہوں اور شان رسالت میں فرق نہ آئے، تم کہنا وعدہ تو نہیں کرتا۔ کوشش کرونگا۔ حضرت علیؓ کو یہ مشورہ دیکر عمرو سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا کل جب تمکو خلافت ملنے کا وقت آئے اور عبدالرحمٰن رسول اللہؐ اور خلفا کی پیروی کا عہد لیں تو فوراً منظور کرلینا۔ حضرت عثمانؓ نے شکریہ ادا کیا اور عمرو بن العاص نے یزید کے دادا ابوسفیان کو اپنی کوشش اور کامیابی کا یقین دلا دیا

رات ختم ہوئی اور نماز فجر کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے زبیر اور سعد کو طلب کیا۔ اور ان سے کہا اب تمہاری کیا رائے ہے۔ سوچ سمجھکر جواب دو کیونکہ

آج فیصلہ کا دن ہے۔ ان دونوں نے جو ابتک حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دے رہے تھے۔ اسوقت حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی مسلمانوں کا جم غفیر خلافت کے فیصلہ کا منتظر ہے اور مسجد نبویؐ میں چھوٹے بڑے سب جمع عبدالرحمٰن بن عوف جو خود خلافت کے حقوق سے دستبردار ہو چکے ہیں قطعی فیصلہ کرنیوالے ہیں مگر نہ صرف اپنی رائے سے بلکہ عامہ مسلمین کی انہوں نے اب آخری فیصلہ کے واسطے کھڑے ہو کر کہا خلافت کے سلسلہ میں اسوقت جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ پر نظریں ہیں۔ اب ان دو میں فیصلہ مشورہ عام سے ہوگا، آپ لوگ تصفیہ کیجئے اور عام رائے سے انتخاب کیجئے،

ابن عوف جب اپنی تقریر کر چکے تو عمار بن یاسر نے حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی اور ایک شخص حضرت مقداد نے اس کی تائید کی ان دونوں کی رائے ہو چکی تو عبداللہ بن سرح نے جو حضرت عثمانؓ کے بھانجے تھے اپنے ماموں کو منتخب کیا، چونکہ عبداللہ مرتد ہو چکا تھا اور اسکے قتل کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور ایک عرصہ سے بھاگا ہوا تھا۔ اسکی رائے سے عمار بن یاسر رنجیدہ ہوئے اور سخت کلامی سے پیش آئے، بات بڑھ گئی اور نوبت سخت کلامی سے گالی گلوچ تک اور پھر ہاتھا پائی تک پہنچی۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھکر سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف پریشان ہوئے اور ابن عوف نے بآواز بلند کہا جھگڑا موقوف کرو میں فیصلہ کرتا ہوں۔ لوگ ادھر متوجہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کو پاس بلا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا وعدہ کرو کہ ارشاد نبویؐ کی تعمیل کرونگا۔ اسوہ رسولؐ کو ایمان سمجھونگا اور ہر دو خلفا کے نقش قدم پر چلونگا۔ یہ خلافت کا فیصلہ تھا اور حضرت علیؓ کا انتخاب ہو چکا تھا۔ مگر شب گذشتہ کو عمرو بن عاص نے حضرت علیؓ کو جو پٹی پڑھائی تھی وہ خالی جانیوالی نہ تھی حضرت علیؓ نے اس وعدہ کے موافق جو ابن عاص سے کیا تھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

کے الفاظ دہرانے میں تامل کیا اور فرمایا کہ میں وعدہ تو نہیں کرتا۔ البتہ کوشش
کرونگا کہ اسوۂ رسول اور دونوں خلفا کے طرز عمل کو پیش نظر رکھوں۔ اس جواب
سے مجمع دم بخود رہ گیا اور وہ گروہ جو حضرت علی کے حق میں تھا حیرت سے ایک
دوسرے کا منہ تکنے لگا عبدالرحمن بن عوف جنکو اندرونی سازش کا پتہ نہ تھا اور
عمرو بن العاص اور خاندان یزید کی کوشش سے بے خبر تھے حضرت علی کے اس
جواب سے برہم ہوئے اور کہا ہمکو ایسے بزدل خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر
حضرت عثمان کو اپنے پاس بلایا اور یہی الفاظ انکے سامنے پیش کئے۔ انہوں نے فوراً
قبول کر لیا اور سب سے پہلے حضرت ابن عوف نے انکے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد
ہر طرف سے ہاتھ بڑھے اور حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے جب حضرت علی وہاں سے
جانے لگے تو بن عوف نے ان سے کہا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے حکم کی تعمیل
کروگے اور میری رائے سے اتفاق کروگے اب جبکہ حضرت عثمان خلیفہ منتخب
ہوئے تو تمکو انکے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے ورنہ تمکو معلوم ہے کہ حضرت عمر کی رائے
ہے کہ جو شخص اختلاف کرے اسکو قتل کر دینا۔ حضرت علی نے یہ سن کر بیعت کی
اور اس طرح تیسری خلافت کا فیصلہ ہوا۔

حضرت عمر کی شہادت

اسلامی تنازعات میں حضرت عمر کی شہادت سے بہت بڑا اضافہ ہوا۔
اس لئے ایک مختصر کیفیت حضرت عمر کی شہادت کی اس لئے بیان کرنی ضروری ہے
کہ یہ تمام جھگڑے مسلمانوں کی سمجھ میں اچھی طرح آجائیں اور وہ خود ہی فیصلہ کریں۔ کہ
اسلام کی ابتدائی تاریخ کیسی کیسی کا دشوں کا مرکز بنی اور حالات نے کس طرح
زیادتی پیدا کر دی۔ مغیرہ بن شعبہ ایک متمول آدمی تھے۔ اور انکے غلام کا نام ابولو
لولو تھا۔ اس غلام نے کوشش کی کہ وہ مالک کے پنجے سے نکلے اور آزاد ہو جائے

مگر وہ کسی طرح کامیاب نہ ہوسکا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے انکے پاس رہنے سے انکار کر دیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ فیروز عرف ابو لولو دو درم روزانہ اپنے آقا مغیرہ کو دیا کرے اور آزاد رہے۔ فیروز اپنی شکایت لیکر حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا آپ خلیفہ وقت ہیں میرا فیصلہ فرمائے دو درم جو مجھ پر مقرر کئے گئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور میں بآسانی ادا نہیں کرسکتا حضرت عمر نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے پاس کسب معاش کے کیا ذرائع ہیں اور کون کون سے کام کرسکتا ہے فیروز نے کہا میں کئی کام جانتا ہوں لیکن لوہار کا کام اچھی طرح کرسکتا ہوں ضرورت ہو تو نقاشی بھی کرسکتا ہوں۔ اور قصائی کا کام بھی جانتا ہوں حضرت عمر نے کہا پھر تجھکو دو درم دینے مشکل نہیں ہیں،

یہ فیصلہ فیروز کو بہت ناگوار ہوا اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے طے کرلیا کہ خلیفہ کے قتل سے اس فیصلہ کا بدلہ لونگا۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا تو چکی بھی بنا سکتا ہے۔ اس نے کہا ایسی اچھی کہ دنیا میں ایسی نہ نکلے حضرت عمر نے کہا ایس تو ایک میرے واسطے بنا دے اس نے وعدہ کیا کہ ہاں بنا دونگا۔ اور بات ختم ہوگئی،

اسی سلسلہ میں یہ جو نام ہیں انکو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ فیروز عرف ابو لولو۔ مغیرہ کا غلام، حضرت عمر کا قاتل، عبدالرحمن بن ابی بکر خلیفہ اول کا صاحبزادہ، ہرمزان حضرت عباس کا غلام، جبہ سعد ابن ابی وقاص کا آزاد کیا ہوا غلام حضرت عثمان خلیفہ وقت، حضرت علی۔

فیروز کے خلاف حضرت عمر کے فیصلہ کا تیسرا روز تھا کہ نماز فجر میں فیروز آکر پہلی صف میں شریک ہوا اور جسوقت حضرت عمر نماز کے واسطے داخل ہوئے اسنے آگے بڑھکر اپنا خنجر کمر میں زور سے بھونکا حضرت عمر پلٹے۔ مگر اس سے پہلے کہ کچھ کرسکیں اس نے کئی وار کئے اور ایک وار زیر ناف اس قدر سخت تھا کہ تمام جسم لہو لہان ہوگیا

اس کے بعد فیروز صفیں چیرتا ہوا بھاگا۔ مگر نمازیوں میں سے ایک شخص نے اسے
پکڑا اور اسی کا خنجر اس کے زور سے بھونکا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔

حضرت عمر فیروز کے وار سے زخمی ہو کر گرے اور انکے انتقال کے بعد ان کے
لڑکے عبداللہ سے خلیفہ اول کے صاحبزادے عبدالرحمن نے کہا یہ قتل صرف ایک
شخص کا کام نہیں ہے بلکہ پوری سازش کا نتیجہ ہے اور میں سمجھتا ہوں اس میں ہرمزان
اور جبہ بھی شریک ہیں۔ اور یہ میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ ایک روز میں نماز فجر کے
بعد جب اپنے گھر جا رہا تھا تو میں نے راستہ میں ان تینوں غلاموں کو اکڑوں بیٹھے اور
کانا پھوسی کرتے دیکھا مجھے مطلق شبہ نہ تھا مگر فیروز میری صورت دیکھ کر بھاگا اور
اسکے اٹھتے ہی یہ دونوں بھی اٹھے اور بھاگنے لگے۔ فیروز کی کمر سے یہ ہی خنجر جو اسوقت
اس کے پاس تھا گرا۔ اور اس نے اٹھا کر ان دونوں سمیت راہ فرار اختیار کی میں
معاملہ کو بالکل سمجھ نہ سکا اور میرا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا لیکن اب میں دعوے
کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس قتل میں فیروز کے ساتھ ہرمزان اور جبہ شریک ہیں اور
اگر زیادہ نہیں تو ان دونوں کا سازش سے گہرا تعلق ہے۔ عبداللہ بن عمر یہ بیان
سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئے اور تلوار لئے ہوئے سب سے پہلے ہرمزان کے پاس پہنچے
جو اسوقت گھر پر موجود تھا آواز سنتے ہی باہر نکلا تو ابن عمر نے اس سے پوچھا کہ کیا تو میرے
باپ کی شہادت میں شریک ہے۔ ہرمزان بجائے اسکے کہ کوئی جواب دیتا خاموش
ہو گیا اور اسکی خاموشی کو عبداللہ بن عمر نے اقرار سمجھ کر قتل کر دیا۔ ہرمزان کے قتل کے
بعد عبداللہ بن عمر جبہ کی تلاش میں سعد بن ابی وقاص کے گھر پہونچے اور اس کو آواز
دی۔ اس سے بھی یہ ہی سوال کیا اور جب اس نے بھی کوئی معقول جواب نہ دیا تو
اسکو بھی قتل کیا۔ غلام کی آواز سنکر سعد باہر نکلے اور دیکھا کہ انکا غلام جبہ زمین میں
تڑپ رہا ہے سعد ابن ابی وقاص معمولی آدمی نہ تھے۔ غلام کو دیکھ کر ان کو غصہ آیا اور

عبداللہ سے کہا تو نے میرے غلام کو کس جرم میں قتل کیا۔ عبداللہ غصہ میں سرخ تھے کہنے لگے، میرے باپ کے خون کی بو تجھ میں سے بھی آرہی ہے اور تجھکو بھی قتل کرونگا۔ اتنا سنتے ہی سعد نے عبداللہ کو پکڑ کر تلوار چھین لی اور لوگوں کو آواز دی آناً فاناً بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور عبداللہ کی مشکیں باندھ لیں۔

حضرت عثمان کی خلافت کا پہلا مقدمہ

معاملہ اگر یہیں تک ختم ہو جاتا تو مضائقہ نہ تھا اس کے بعد مقدمہ نے جو صورت اختیار کی اس نے رنجشوں کے تودے لگا دیئے اور جو حالتیں اب تک دل میں چھپی ہوئی تھیں وہ سامنے آگئیں، حضرت عثمان خلیفہ تھے اور ان کے سامنے سب سے پہلا معاملہ یا مقدمہ وہ پیش ہوا جس میں عبداللہ ابن عمر بہ حیثیت قاتل کے گرفتار تھے حضرت علی کی رائے ہوئی کہ عبداللہ بن عمر پر قصاص واجب ہے اسلام میں امیر اور غریب آقا اور غلام کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر عبداللہ امیر المومنین عمر کا لڑکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غلام کے مقابلہ میں انصاف ہاتھ سے چھوڑا جائے، مسلمانوں کا بڑا فریق اس رائے کے ساتھ تھا مگر چند آدمیوں کی رائے یہ تھی کہ عبداللہ بن عمر کی شہادت اسلام میں رخنہ پیدا کرے گی اور لوگ سمجھیں گے کہ حضرت عمر کے بعد مسلمانوں نے اپنی ناخوشی کا اظہار اس طرح کیا۔ حضرت عثمان نے فیصلہ یہ کیا کہ عبداللہ بن عمر کی طرف سے غلام کا خونبہا بیت المال سے دلایا جائے، حضرت علی نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا بیت المال سے اور عبداللہ بن عمر کیا واسطہ قوم کو ایک شخص کے ذاتی فعل سے کیا غرض۔ حضرت علی کی رائے سے بہت سے مسلمانوں نے اتفاق کیا۔ مگر وہ چند آدمی جو ابن عمر کے ساتھ تھے بدستور اڑے رہے۔ اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت عثمان نے اس طرح کیا کہ میں بیت المال کی بجائے اپنے پاس سے خونبہا دیدونگا۔ بظاہر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں کے

دل جو کدورتوں سے بھرے تھے اس واقعہ سے اندر ہی اندر اور بگڑنے لگے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کو اس کتاب سے بظاہر کوئی واسطہ نہیں۔ مگر ان کی شہادت اس لئے متعلق ہے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے آگ کے شعلے کس سرعت سے بڑھ رہے تھے۔ اور پیش خیمہ تھے اس جنگ عظیم نہیں ظلم یزید کا جو کربلا میں ٹوٹا۔

حضرت عثمانؓ کی دردانگیز شہادت

شہادت عثمانؓ غنی میں جو نام آرہے ہیں ان کو اس طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ مروان بن الحکم (بنی امیہ میں ایک شخص چھوٹی حیثیت کا) عبداللہ بن سعد بن سرح (حضرت عثمانؓ کا بھانجہ) ابوذر غفاری (صحابی رسول اللہؐ) امیر معاویہ (صحابی اور یزید کے باپ) حضرت نائلہ (حضرت عثمانؓ کی بیوی) امام حسنؓ (حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے) امام حسینؓ (حضرت علیؓ کے چھوٹے صاحبزادے) کنانہ (ایک مصری) کیسرہ اور سودان (معمولی مسلمان) ابن ہانی نکاہل (جس کے باپ کو حضرت عثمان نے قید کیا تھا) محمد بن ابن ابو بکر (خلیفہ اول کے صاحبزادے)

حضرت عثمان کی نرمی سے مسلمان پہلے ہی باخبر تھے عبداللہ بن عمر کے چھوڑ دینے پر وہ اور بھی بد عقیدہ ہو گئے اور باوجود اسکے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو خصوصیت سے سمجھا دیا تھا۔ ان کی خلافت میں بعض نا اہل امور خلافت پر قابض ہو گئے۔ عبداللہ بن سعد حضرت عثمانؓ کا بھانجہ جس کی بابت حضور اکرمؐ نے قتل کا حکم دیا تھا اور وہ اپنی تدبیر اور مکر سے فرار ہو گیا تھا اس وقت مصر کا گورنر یعنی حاکم اعلیٰ مقرر ہوا اور اپنی شرارتوں کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا قریب قریب تمام صوبوں کی حکومت بنو امیہ کے ہاتھ میں آگئی اور یہ لوگ جو جی چاہتا تھا کرتے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ تک شکایت پہنچتی تھی تو وہ اپنے حاکموں کی حمایت کرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بنو ہاشم بنو امیہ کی طرف سے اور بھی

بد دل ہو گئے اور جن لوگوں کو فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا وہ بھی خلافت کو وبال سمجھنے لگے حضرت عثمان نے ایک نہایت شریر النفس شخص مروان کو سپید و سیاہ کا مالک مقرر کر معتمد خاص بنا دیا۔ جو کچھ وہ کہتا تھا وہی کرتے تھے اور اسکی ہر تجویز سے متفق ہوتے تھے۔

ابو ذر غفاری ایک جلیل القدر صحابہ تھے اور حضور اکرمؐ کو انکی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ باوجودیکہ ہر وقت اللہ اللہ کے سوا کچھ نہ کرتے تھے انکو ایک موقعہ پر میدان جنگ کا سپہ سالار مقرر فرما دیا اور خدا کی قدرت کہ فتح ہوئی، وہ شام میں موجود تھے اور معاویہ وہاں کا حاکم۔ انہوں نے جب امیر معاویہ کی لغزشیں دیکھیں ٹوک دیا اور چھپ چھپاتے نہیں بڑی بڑی مجلسوں میں۔ معاویہ بہت پریشان ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ ابو ذر غفاری میرے مرتبہ کا مطلق لحاظ نہیں کرتے مجبور ہوئے کہ ان کے خلاف حضرت عثمان کو لکھیں۔ حالات امیر معاویہ اور حضرت عثمان دونوں کو معلوم تھے کہ ابو ذر خلاف مذہب کوئی بات خواہ کسی کی ہو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور سنت رسول اللہؐ سے دور کسی کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ عادت یا طریقہ تھا جس کی سرور عالمؐ نے ہمیشہ عزت کی اور ابو ذر غفاری کا احترام کیا مگر معاویہ کی شکایت پر حکم دیا گیا کہ ابو ذر غفاری کو یہاں بھیج دو۔ وہ سامنے آئے تو جو کچھ معاویہ سے کہتے تھے اس سے زیادہ امیر المومنین کو سنائیں اور کہا حضور نے فرما دیا تھا کہ ابو ذر تنہا رہیگا اور تنہا مریگا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں کسی طرف نکل جاؤں اور خدا کی یاد میں مر جاؤں (ابو ذر غفاری بات کے ایسے دھنی تھے کہ شام سے پیدل چلے اور مدینے پہنچکر اسی حالت میں امیر المومنین کے سامنے جا کھڑے ہوئے) حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور وہ ایک معمولی گاؤں میں چلے گئے۔ صحابہ کو حضرت عثمانؓ کا یہ طرز عمل شاق گذرا بلکہ بعض نے تو ان کے منہ پر یہ کہدیا کہ جس

شخص کی رسول خدا نے عزت کی اسکی تم نے اہانت کی۔

بنو امیہ اور بنو فاطمہ تو الگ رہے، ان رنجشوں نے مسلمانوں کا ایک اچھا خاصہ دنگل تیار کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ تلخ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ نے ہمیشہ منا میں نماز کی دو رکعتیں پڑھیں مگر حضرت عثمان نے چار پڑھیں مسلمان سنت رسول کے عاشق تھے بگڑ گئے۔ اور کہا حضور نے ہمیشہ یہاں دو پڑھیں تم امیر المومنین ہو کر ان کے خلاف کرتے ہو۔ حضرت عثمان نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ وہ قصر فرماتے تھے میں نے قصر نہیں کیا مگر مسلمان تو اپنے آقا کے نام پر پروانہ تھے ان کی سمجھ میں یہ عذر نہ آیا اور ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔

ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی اور رعیت بغاوت پر کمربستہ ہو گئی۔ کوفہ ان بانیان فساد کا مرکز قرار پایا۔ مختلف گروہوں کے سات آدمی نمائندے بنائے گئے۔ جب ان کی شرارت اور بغاوت کا علم حاکم کوفہ کو ہوا تو اس نے فوراً حضرت عثمان کو اطلاع دی جہاں سے یہ حکم نافذ ہوا ان لوگوں کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دو۔ یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹ دینے کا بیڑا اٹھا چکے تھے۔ امیر معاویہ کے ہاں پہنچے تو وہاں بھی اپنے خیالات کی اشاعت کی اور چند ہی روز میں اتنے کامیاب ہوئے کہ ایک بڑا فریق ان کے ساتھ ہو گیا۔ امیر معاویہ نے بھی اس کیفیت کی اطلاع حضرت عثمان کو دی اسوقت حمص کی گورنری عاص بن منبی کے ہاتھ میں تھی اور وہ نہایت جابر اور سخت آدمی تھا حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ان ساتوں آدمیوں کو حراست میں حمص روانہ کر دو حمص پہنچکر انہوں نے شام کی طرح رعیت کو ہمخیال بنانا شروع کیا مگر عاص نے انکو سخت سزائیں دیں اور اتنے درے لگوائے کہ پریشان ہو گئے اور حمص سے بھاگ کر پھر کوفہ پہنچے۔

خلافت کے کاغذات پر اب تک حضور اکرم کی مہر ہوتی تھی یہ مہر رسول اللہ کی

انگوٹھی میں تھی جو شیخین کے پاس رہی اور اب خلیفہ ثالث حضرت عثمان کے پاس تھی وہ ایک روز کنوئیں پر کھڑے تھے۔ انگوٹھی جس میں مہر تھی انگلی سے اتاری وقت کی بات تھی کہ انگوٹھی ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گری۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں اور وہ فریق جو حضرت عثمان کے خلاف تھا علی الاعلان کہنے لگا کہ امیرالمومنین نے جان بوجھکر یہ انگوٹھی کنوئیں میں پھینکی اور جسطرح نمازکی رکعتوں میں انہوں نے سنت رسول کی توہین کی اسی طرح اس انگوٹھی کی بھی بے عزتی کی حضرت عثمان نے کنوئیں کا تمام پانی نکلوایا اور کونہ کونہ چپہ چپہ ڈھونڈہ ڈالا مٹی چھنوائی گارا دکھوایا لیکن انگوٹھی نہ ملنی تھی نہ ملی البتہ اس کی یادگار یہ باقی رہگئی کہ جو مسلمان خلافت کے مخالف تھے انکو اور تقویت پہنچی اساتوں باغی اور سرکش جو شب و روز اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اب اور زیادہ رنگ لائے اور مسلمانوں کو دل کھولکر ورغلانا شروع کیا کوششیں صحیح ہوں یا غلط کسی نہ کسی حد تک بارآور ہوہی جاتی ہیں وہ مسلمان جو حضرت عثمان کے جانبدار تھے وہ بھی ان باتوں سے کچھ اکڑے سے گئے اور بعض تو سازش میں شریک ہوکر خود ہی باغی ہوگئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ اندرونی سازشوں کے علاوہ اسلام پر ایک اور زبردست حملہ ہوا اور مصر میں عبداللہ بن سبا کے عقائد پھیلنے شروع ہوگئے حضرت عثمان کی خلافت اس بدعت کا قلع قمع نہ کرسکی یہاں تک کہ اس کے معتقدین میں اور مسلمانوں میں ایک معرکہ کارزار گرم ہوا۔ مصر کا حاکم امیرالمومنین کا بھائیجا وہی عبداللہ بن سرح تھا۔ اس نے اس موقعہ پر ایک ایسی تقریر کی اور صحابہ رسول اللہ اور بنو ہاشم کے واسطے ایسے مکروہ الفاظ استعمال کئے کہ مسلمان رو پڑے مگر عبداللہ نے مطلق پرواہ نہ کی اور کہدیا کہ تم لوگ لڑنا کیا جانو تم تو فقط مسجدوں میں بیٹھے تسبیح پھیرو، ان الفاظ نے عام مسلمانوں میں آگ لگادی اور جمعہ کے روز جب وہ تقریر کررہا تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ مرتد خاموش رہ

بیہودہ بکتا ہے۔ ہم تجھکو تو کچھ نہیں کہتے مگر اس کا بدلہ عثمان سے لیں گے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمان نہایت نرم دل اور سیدھے آدمی تھے، اور بہت کم غصہ آتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی کسی مسلمان کو خواہ وہ کسی عقیدہ کا ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی نے اس خلافت کے سنبھالنے میں ہر ممکن کوشش کی اور حضرت عثمان کو مدد دینے میں ہرگز کوتاہی نہ کی، بنو ہاشم کھلم کھلا حضرت عثمان کے خلاف ہو گئے اور سازشوں میں شریک بھی ہوئے مگر حضرت علی نے مطلق ان کا ساتھ نہ دیا اور یہ بھی کہا کہ میں جب حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں تو آخر وقت تک ان کا ساتھ دونگا۔

عبداللہ بن سرح کی تقریر خالی نہ گئی اور عام طور پر مصر میں خلافت عثمان کے خلاف جلسے ہونے لگے اور یہ فیصلہ ہوا کہ مدینے چل کر حضرت عثمان کو معزول کرو اور حضرت علی کو خلافت دلاؤ۔ حضرت علی نے اس موقعہ پر باغیوں کو اچھی طرح سمجھایا اور ان سے کہا جو خلافت انتخاب سے عمل میں آئی اب اس میں تم لوگوں کو رخنہ اندازی نہ کرنی چاہیئے اور اس طرح اسلام کو کمزور کرنا مسلمانوں کی بڑی غلطی ہوگی مگر یہ لوگ جو بنو ہاشم پر محدود نہ تھے۔ رضا مند نہ ہوئے اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علی بھی یہ سمجھکر کہ کہیں یہ بدبخت فتنہ نہ برپا کریں مدینے آئے۔ جب حضرت عثمان کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مسلمانوں سے مدد مانگی ان مسلمانوں میں حضرت علی بھی شامل تھے چنانچہ ان میں سے تین شخص گفتگو کے واسطے تیار ہو گئے حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر، ان تینوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ بیت المال کا روپیہ ایسوں کو دیا جو اس کے اہل نہ تھے اور اپنے بھانجے کو پندرہ ہزار درہم دیدیئے حضرت عثمان نے اس کو غلط تسلیم کر لیا اور یہ کہا کہ روپیہ میں خود لا کر دونگا۔ یہ تینوں بزرگ خلافت کے درپے نہ تھے جب انکا اطمینان ہو گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ اب ہم آپ کے ساتھ

ہیں، مگر فتنہ پرداز رضا مند نہ ہوئے اور اپنی شرائط پر اڑے رہے اور خلافت کا تختہ الٹ دینے کی تمام کوششیں کام میں لائے۔ اب مسجد نبوی میں ایک جلسہ عام ہوا اور حضرت عثمان نے تقریر کی کہ یہ لوگ فتنہ برپا کرنے آئے ہیں حضرت علی نے رائے دی کہ مفسدوں کو قتل کر دینا چاہیے۔ کیونکہ خلافت کے خلاف یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ یہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

عبداللہ ابن سبا اپنے مذہب کی اشاعت کا بہترین ذریعہ یہی سمجھ رہا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا کر دے اس نے چالاکی یہ کی کہ بظاہر مسلمان ہو گیا اور اسلامی معاملات میں ایسی غیر معمولی دلچسپی شروع کی کہ مسلمان اس کی شرارت کو صداقت سمجھنے لگے اسوقت جو حضرت علی کا رویہ اس نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان کے ساتھ ہوکر فتنہ پردازوں کے قتل کی رائے دے رہے ہیں تو دنگ رہ گیا اور اس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ تمام مفسدوں کو لیکر کوفہ چلا جائے۔ مگر تھوڑے ہی روز بعد حج کے موقعہ پر ایک بڑی جمعیت کو ساتھ لیکر اس غرض سے آیا کہ حضرت عثمان کو قتل کرے اور جب اسلام کی طاقت فنا ہو جائے تو جو فریق اس کا ہمنوا ہو اسکو اپنا حلقہ بگوش کرلے یہ گروہ مسلح تھا اور حج کے بہانہ سے آیا تھا جو تین ساڑھے تین ہزار آدمیوں سے کم نہ تھا انہوں نے مدینہ سے تین فرسنگ ادہر قیام کیا اور یہاں پہونچتے ہی پہلا کام یہ کیا اور اعلان کر دیا کہ ہم حضرت عثمان کے معاملات کی جانچ پڑتال کرنے آئے ہیں انکی وجہ سے اسلام کو کافی نقصان پہنچ چکا اور پہونچ رہا ہے ہم انکو معزول کرینگے۔ اور اگر حضرت علی خلافت منظور نہیں کرتے تو دوسرا خلیفہ منتخب کرینگے۔ یہ پیام جسوقت طلحہ اور زبیر کو پہنچا تو وہ پریشان ہو گئے۔ دشمن کی جمعیت خاصی تھی اور اس میں کوفہ بصرہ اور مصر تک کے لوگ شامل تھے حضرت عثمان نے یہ کیفیت دیکھکر معاملہ طلحہ زبیر اور علی کے سپرد کر دیا ان لوگوں نے باہمی فیصلہ کیا کہ معاملہ اس طرح طے کرو کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے

اگر دب گئے اور انکی توقعات پوری کر دیں تو اسلام فنا ہو جائیگا۔ اور مقابلہ کیا تو سینکڑوں مسلمانوں کا خون گریگا اور مفت کی خونریزی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے گفتگو کیجائے چنانچہ ان تینوں کے مشورے سے یہ معاملہ سلجھ گیا۔ اور باغی اپنے اپنے گھر چلے گئے، شرط صرف یہ قرار پائی کہ مصر کا گورنر معزول کر دیا جائے،

ان تینوں بزرگوں کے فیصلے سے معاملہ طے ہو گیا تھا۔ مگر وہی کمبخت مروان اس موقعہ پر پھر رنگ لایا اور جب دیکھا کہ فتنہ فرو ہو گیا تو اس نے حضرت عثمان کو بھڑکایا اور کہا آپ کی طاقت خاک میں مل گئی۔ اور خلافت آپکی نہیں ہے علی طلحہ اور زبیر کی ہے۔ یہ نہ معلوم آپ کی کیا کیا مٹی پلید کرینگے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کا ایک عام جلسہ کیجئے اور صاف صاف کہدیجئے کہ میں تلوار کے زور سے فتنہ فرو کر سکتا ہوں اور اگر تم لوگ اس پر آمادہ ہو تو میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ حضرت عثمان نے اس بدبخت کے کہنے سے ایک جلسہ منعقد کر یہی مضمون ادا کر دیا۔ لوگ پہلے ہی بددل ہو رہے تھے۔ بنو ہاشم حضرت علی کے کہنے سے دب تو گئے تھے مگر دل صاف نہ تھے۔ اس تقریر نے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔ اور جلسہ میں ایک متفقہ آواز بلند ہوئی کہ

عثمان توبہ کر اور اسلام کو فنا نہ کر۔

باغی بھی آموجود ہوئے تھے۔ ان کا سرغنہ ابن سبا مجمع کو بھڑکا رہا تھا۔ اتنی شہ پاتے ہی ابی عمرو بن عاص جن کا ہاتھ خلافت میں پوری طرح کام کر رہا تھا اپنے الفاظ کو بار بار دہرانے لگے۔ "عثمان توبہ کر اور اسلام کو فنا نہ کر"

ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کی یہی صدا بلند ہوئی تو حضرت عثمان کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے۔ مگر امیر المومنین کے آنسو مسلمانوں کی اس آگ کو نہ بجھا سکے حضرت علی یہ رنگ دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عثمان سے کہا آپ نے یہ کیا کہا، آپ سے کس نے یہ تقریر کرنے کو کہا تھا۔ اپنے بھانجے عبداللہ کو پروانہ لکھنے کی جو شرط تھی وہ اب تک پوری

نہیں ہوئی اور وہ بدستور کام کررہا ہے۔ بیت المال کا روپیہ آپ نے بیجا صرف کیا مروان دودن کا لڑکا کل کا غلام آج اس قابل ہوگیا کہ امور خلافت میں دخل دے معاویہ صرف آپ کی وجہ سے میرے خلاف ہے۔

حضرت عثمان روتے ہوئے طلحہ زبیر اور حضرت علی تینوں کی طرف بڑھے اور کہا اب جو آپ فرمائے وہ کروں حضرت علی نے کہا غلطیوں کا اقرار کیجئے اور کہئے کہ میں بشیر ہوں سہو خطا سے مرکب مسلمانوں معاف کرو۔ میں اس کا تدارک کرتا ہوں حضرت عثمان نے اس مشورہ پر عمل کیا ادھر حضرت علی کی تحریک پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے مسلمانوں کو سمجھایا اور کسی نہ کسی طرح بات ختم ہوگئی، مگر اب سب سے بڑا مطالبہ عبداللہ کا تھا جس پر صلح مشروط تھی اور جس کی تعمیل اب تک نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک حکم امیرالمومنین کی طرف سے اسکے نام جاری کیا گیا کہ فوراً اپنے عہدہ سے دست بردار ہوکر گورنری محمد بن ابوبکر کے حوالہ کرے۔ یہاں تک معاملہ رو براہ تھا۔ سب کام مرضی کے موافق ہوگئے حضرت عثمان بھی خوش اور مسلمان بھی۔ مگر اب ایک اور گل کھلا اور وہ یہ کہ قاصد تین چار منزل ہی گیا تھا کہ ایک ناقہ سوار جاتا نظر آیا۔ محمد بن ابوبکر کے ہمراہیوں نے جو بھاگم بھاگ عبداللہ کو معطل کرنے جارہے تھے اسکو دیکھ کر روکا اور جب یہ معلوم ہوا کہ امیرالمومنین کے غلام کا اسوقت جانا کوئی معنی رکھتا ہے تو تلاشی لی اس کے پاس سے امیرالمومنین کا ایک خط نکلا۔ جو عبداللہ کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ محمد بن ابوبکر کو فوراً قتل کرے اور جن لوگوں نے بغاوت کی ہے انکو پوری سزا دے یہ خط پڑھ کر مسلمان آگ بگولا ہوگئے اور قاصد کو پکڑ کر گالیاں دیتے برا بھلا کہتے اور چیختے چلاتے مدینے لوٹے۔ حضرت عثمان نے قسم کھائی کہ مجھے اس خط کا علم نہیں اور مجھے مہر کی بھی خبر نہیں کہ کس نے لگائی اور کب لگائی۔ مسلمان آپے سے باہر تھے اور تلواریں میان سے باہر نکال لی تھیں۔ مگر حضور اکرم کی صحبت میں وقت گذار چکے

تھے۔ اس لئے جوہر انسانیت ابھی ایسا معدوم نہ ہوا تھا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز نہ کرسکیں،
انہوں نے حضرت عثمان کی قسم کا یقین کرلیا اور فیصلہ کیا کہ یہ تمام کارستانی نمک حرام
مروان کی ہے اور وہ انگوٹھی جو حضرت عثمان کے ہاتھ سے گم ہوئی وہ اسی کے قبضہ
میں ہے اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امیرالمومنین اگر بیگناہ ہیں تو ہمکو پرخاش نہیں
مگر مروان کی شرارتیں اب اس حد تک پہونچ چکی ہیں کہ برداشت کی قوت باقی نہیں اسلئے
مروان کو ہمارے حوالے کیجئے کہ ہم اسکی بدمعاشیوں کی سزا دیکر اپنا دل ٹھنڈا کریں اور
اسلام کو ایسے مکار سے پاک کریں۔

ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ حضرت عثمان کا وہ تامل جو انہوں نے مروان
کے حوالہ کرنے میں کیا کیوں تھا اور کیا تھا۔ رحم و کرم تھا یا خوف و کمزوری بہرحال با وجود
تقدس طلحہ اور شجاعت علی سے پوری طرح باخبر ہونے کے عامۃ المسلمین حضرت عثمان
کے قتل پر کمربستہ ہوگئے۔ طلحہ اور علی دونوں نے اپنے اثر سے کام لیا۔ سمجھایا بھی اور ڈرایا
بھی۔ مگر اب یہ سیلاب رکنے والا نہ تھا حضرت علی جو کچھ کرسکتے تھے وہ یہ کہ امام حسن کو انکی
مدد کے واسطے چھوڑ کر باغیوں کی طرف متوجہ ہوئے کہ شاید راہ راست پر آجائیں۔

مگر وقت آپہنچا تھا حضرت زبیر کی اعانت کام آئی نہ حضرت علی کی حضرت طلحہ
کی تلقین کا اثر ہوا نہ حضرت سعد کی فہمایش کا۔ باغی مقابلہ پر اڑ گئے اور اعلان کردیا
کہ جانیں رہیں یا جائیں ہمکو اب اسلام کا بدلہ لینا ہے۔ مروان جیسے بے ایمان کا
قتل ہمارا فرض ہے اور حضرت عثمان کو معطل کرنا ہمارا ایمان،

میدان کارزار گرم ہونے والا تھا حضرت علی کی علمیت اور حضرت طلحہ کی فراست
باغیوں کا منہ تک رہی تھی اور باغی اللہ اکبر کے نعروں میں امیرالمومنین کی خلافت
پر طعن کررہے تھے جب انہوں نے با آواز بلند کہہ دیا کہ تلواریں مروان اور عثمان کی
گردنیں جدا کرنے کے بعد میان میں ہونگی تو سیدہ کا لال جس کی سواری خدا کا

رسول تھا اور شباب جس کی صورت پر قربان ہو رہا تھا اپنے نانا کے محسن کی حمایت کو آگے بڑھا اور ایک تلوار کی چھاؤں میں امیرالمومنین کو ان کے گھر لیچلا۔ امام حسن کی صورت دیکھکر باغیوں کا چہرہ سرخ تو ہو گیا مگر جانتے تھے کہ اس باپ کا بیٹا ہے جسکا ایک نعرہ زمین و آسمان کے ٹکڑے اڑا دیگا۔ خاموش حضرت علی کی خدمت میں پہنچے جہاں تینوں بزرگوں نے انکو سمجھا بجھا کے ٹھنڈا کیا۔ حضرت عثمان نے گھر پہنچکر امام کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دعا دی۔ دوسرے روز جمعہ تھا اور امیرالمومنین کی شرکت ضروری بعد نماز امیرالمومنین نے تقریر کا قصد کیا۔ مگر باغی فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر آج مروان کو نہ دیا تو اس کے ساتھ حضرت عثمان کا بھی خاتمہ کر دینگے چنانچہ ایک شخص کلیم نے کھڑے ہو کر کہا کہ جان کی خیر ہے تو مروان کو سر راہ قتل کرو۔ امیرالمومنین نے جواب دیا کہ تم میرے مخالف ہو حالانکہ تمکو معلوم ہے کہ میری خلافت کے ساتھ صحابہ رسول اللہ ہیں۔ اب مسلمانوں کو تاب نہ تھی اور وہ یہ کہہ کر آگے بڑھے کہ عثمان تیرے ساتھ صحابہ میں سے کوئی نہیں۔ ہاں عبداللہ، معاویہ اور مروان تیرے ساتھ ہیں، قریب تھا کہ بلوائی حضرت عثمان کا خاتمہ کر دیں کہ آج پھر تیغ حسنی بلند ہوئی اور مسجد نبوی میں یہ الفاظ گونجے، کس کی مجال ہے کہ خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھا سکے جب تک حسن کے جسم پر سر اور اس کے ہاتھ پر تلوار موجود ہے تم کچھ نہیں کر سکتے،

باغی دیکھنے کے دیکھتے رہ گئے اور امیرالمومنین امام حسن کی پناہ میں گھر پہنچگئے۔ اب باغیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور دانہ پانی بالکل بند کر دیا۔ لڑائی ہوئی ادہر ادہر کے آدمی مارے گئے مروان باغیوں سے لڑا اور اسکی جمعیت نے کئی دن تک مقابلہ کیا لیکن باغیوں کی تعداد زیادہ تھی اسلئے غالب آئے اور اندر گھس گئے۔

حضرت عثمان کی شہادت کے حالات اس قدر درد انگیز ہیں کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جسوقت یہ جماعت اندر داخل ہوئی تو وہ تلاوت کلام اللہ

میں مصروف تھے۔ پہلے مروان کے غلاموں اور باغیوں میں لڑائی ہوئی اور طرفین کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ مگر جب باغی غالب آئے تو اس طرف رخ کیا جہاں مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ خدا کی مقدس کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین کی ڈاڑھی پکڑ کر نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے جس کے جواب میں انہوں نے صرف اتنا کہا اگر تیرا باپ یہ کیفیت دیکھتا تو ناخوش ہوتا۔ محمد نے ڈاڑھی چھوڑ کر نیچی گردن کر لی اور باہر گئے اسوقت ایک شخص کنانہ نامی تلوار نکال کر آگے بڑھا مگر بعض مسلمانوں نے منع کیا اور کہا ہمکو خلافت کی ضرورت ہے انکے خون کی ضرورت نہیں۔ جب کنانہ نے ہاتھ روکا تو انہیں لوگوں نے کہا اب آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ خدا کی عطا کی ہوئی چیز کون لے سکتا ہے۔

اب مفسدوں کو تاب ضبط نہ رہی اور کنانہ نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ کان کٹ گیا اور اس کے بعد دوسرے آدمیوں نے پے در پے وار کئے حضرت عثمانؓ کا خون قرآن کے ان الفاظ پر پڑا ہے۔

"خدا ہی کفایت کریگا اور وہی بہتر جاننے اور سننے والا ہے"

حضرت عثمانؓ کی بی بی حضرت نائلہ شوہر کی حمایت کو اٹھیں اور انکے اوپر چھا گئیں کہ بچا لیں مگر ان کے ہاتھ زخمی ہوئے اور اس طرح خلافت کا خاتمہ ہوا۔

جس گھر میں خدا کا کلام جمع ہو رہا تھا جس سرزمین پر کلام اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں اسی گھر میں اور اسی سرزمین پر اسی شخص کا خون گرا ہوا ہے۔ جو قرآن جمع کر رہا تھا جمعہ کا دن ہے آفتاب کی حرارت کم ہو چکی ہے عصر کی نماز سے فراغت پانے والے مسلمانوں نے جو کیفیت دیکھی اس نے دل دہلا دیے مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ عثمان غنیؓ روزہ کی حالت میں شہید ہوا پڑا ہے اسکے برابر خدا کی کتاب رکھی ہوئی ہے اور ورق خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ ایک طرف خلیفہ وقت کی بیوی نائلہ بیہوش پڑی ہیں مسلمان تاریخ کی زبان اور

میرے قلم سے اپنی داستان سنو اور یہ بیٹھا پڑھ رہا ابھی آفتاب غروب ہوا تھا کہ بی بی نائلہ
نے آنکھ کھولی۔ کٹی ہوئی انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا اور برابر میں کلام الٰہی رکھا ہوا
تھا اٹھیں تو ایک خونخوار شخص ہاتھ میں ننگی تلوار لئے اندر داخل ہوا کلام الٰہی کو بوسہ
دیکر اوپر رکھا تو روزہ دار شوہر کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش پر نظر پڑی بیتاب
ہو کر منہ پر ہاتھ پھیرا تو ہانی کی یہ آواز کان میں آئی۔ ہٹ جا کہ عثمانؓ کی لاش سے بدلہ
لیکر دل ٹھنڈا کر لوں تو کون ہے اور تیری انگلیاں کہاں گئیں۔ بی بی نائلہ شوہر کی
لاش پر جھک گئیں اور کہا امیر المومنین کی بیوی نائلہ ہوں تو مسلمان ہے رحم کر اور مردے
کو اذیت نہ دے۔ بیگناہ امیر المومنین کو مسلمان شہید کر چکے اور جسوقت مفسدوں کا
گروہ تلواریں لیکر لوٹا ہے اسوقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ تلواروں کے وار
اپنے ہاتھوں پر روکوں۔ میں نے ہرچند ان سے کہا منت خوشامد کی مگر ان کے سر پر شیطان
سوار تھا باز نہ آئے۔ تو غور سے دیکھ یہ روزہ دار لاش اسکی ہے جس کے احسانات
کا میرے اور تیرے مولاؐ نے اقرار کیا ہے تو نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ جب مسجد نبویؐ میں
جماعت کے واسطے جگہ تنگ ہوئی تو رحمۃ للعالمین نے با آواز بلند فرمایا کہ وہ کون اللہ
کا بندہ ہے جو اس مسجد کو وسیع کر دے اسوقت جس شخص نے زمین خرید کر وقف کی
اور نمازیوں کے لئے مسجد بنوادی وہ یہی امیر المومنین تھا جو آج افطار کے وقت مسلمانوں
کے ہاتھ سے بیگناہ شہید ہوا تیرے کان آشنا ہونگے یا آنکھوں نے دیکھا ہوگا کہ جب
حضور اکرمؐ یہاں تشریف لائے تو صرف ایک کنواں بیر رومہ یہودیوں کی ملکیت تھا،
جس سے مسلمان پانی پیتے تھے جب وہ کنواں یہودی نے مسلمانوں کے واسطے بند کر دیا
تو مسجد نبویؐ کی دیواریں صدائے رحمۃ اللعالمین کی شاہد ہیں جب حضورؐ کی یہ آواز اس
فضا میں گونجی کہ کون ہے جو بیر رومہ مسلمانوں کے واسطے وقف کر دے۔ اور صبح سے
پیاسے مسلمانوں کو پانی سے سیراب کرے۔ ارشاد نبویؐ کی تعمیل جس شخص نے کی اور

کنواں خرید کر مسلمانوں کے حوالے کیا وہ یہی امیر المومنین تھا جس کی لاش خون آلود تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں جس شخص کی پنڈلی کبھی فرشتوں نے نہ دیکھی وہ آج بے گور و کفن ننگا دھڑنگا اس گھر میں پڑا ہوا ہے۔

خدا کے بندو انصاف سے کام لو اور ارشاد رسول کو اس قدر جلد فراموش نہ کرو، یاد رکھو عثمان بیگناہ کا خون رنگ لائیگا اور ایسی آگ لگائیگا جو قیامت تک فرو نہ ہوگی۔ ہانی کی آنکھوں سے خون ابل رہا تھا اس نے بیوی نائلہ کو دہکا دیکر الگ پھینکدیا اور کہا میں نے عہد کیا ہے کہ امیر المومنین کا چہرہ طمانچے مار کر سرخ کرونگا یہ کہہ کر اس نے طمانچے مارنے شروع کئے۔ پاکدامن نائلہ کی محبت یہ ظلم برداشت نہ کر سکی وہ اٹھیں اور کہا میرے کٹے ہوئے ہاتھ تن سے جدا کر دے۔ مگر لعد اس بیگناہ لاش کی بیحرمتی نہ کر، ہانی نے کڑک کر جواب دیا میرے باپ ہانی کو عثمان نے قید کیا میرے دل میں رحم نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے گرز اٹھایا ہڈیاں پسلیاں ایک کردیں نائلہ بی بی ہائے ہائے کہہ کر اس کے قدموں میں گریں مگر اس نے ٹھکرا دیا اور یہی کہتا رہا۔ نائلہ تیرا شوہر اس سے بھی زیادہ سزا کا مستوجب ہے۔

مغرب کی اذان بلند ہوئی تو ہانی نے کہا جی یہ چاہتا ہے کہ اس لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا۔ مگر نماز کا وقت ہے اس لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

تین دن اور تین رات حضرت عثمان کا جنازہ بے گور و کفن پڑا رہا چوتھے روز حضرت علی حضرت زبیر نے تجہیز و تکفین کی تو باغیوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اور جو شخص جامع القرآن، سب سے پہلا حافظ، اسلام کا محسن اور امیر المومنین تھا یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہوا۔

چوتھی خلافت کا انتخاب

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اب پھر خلافت کا مسئلہ در پیش تھا اور

حضرت علی کے سوا اکثر کی خواہش اور کوشش تھی کہ خلافت ہمارے ہاتھ آئے۔ مگر اس افراتفری میں کیا خاک فیصلہ ہوتا نتیجہ یہ ہوا کہ سات روز تک کوئی خلیفہ نہ ہوا اور مسند خلافت خالی پڑی رہی۔ اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ خلافت قبول فرمائے، حضرت علی مسلمانوں کی طبیعت سے پوری طرح واقف تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ اب خلافت بھس کی چنگی ہے جس کو جاہلوں کی طرح مسلمان ڈالکر دور سے تماشہ دیکھیں گے۔ اس لئے انہوں نے انکار کردیا اور کہا کوفہ حضرت زبیر کا اور بصرہ حضرت طلحہ کا خواستگار ہے اور ادھر معاویہ بھی ساعی ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کی خلافت مصیبت ہے مجھے یہ منظور نہیں جماعت جس کے حق میں فیصلہ کریگی میں بھی اسکی بیعت کرلونگا،

حضرت علی کے اس جواب پر مسلمان ابھی خاموش بیٹھے تھے اور سوچ رہے تھے۔ کہ کس طرح حضرت علی کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کریں کہ قریب قریب تمام مدینہ امنڈ پڑا اور سر ہوا اور ان حضرات نے حضرت علی سے کھلم کھلا کہدیا کہ آپ کو خلافت قبول کرنی پڑیگی۔ کیونکہ اب کوئی اور اس کا اہل نہیں ہے حضرت علی نے کہا تم کوئی اور آدمی منتخب کرو۔ پہلا شخص جو اس کے ہاتھ پر بیعت کریگا وہ میں ہونگا۔ اب یہ ہوا کہ مسلمان تین حصوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک حصہ حضرت طلحہ کے پاس گیا۔ ایک حضرت زبیر کے پاس اور ایک انصار کے پاس۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ خلافت کا اہل حضرت علی کے سوا کوئی نہیں۔ چنانچہ سب ملکر حضرت علی کے پاس آئے۔ اور کہا اگر آپ منظور نہیں کرتے تو اور کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور قیامت کے روز تمام ذمہ داری آپ کی ذات پر ہوگی۔ اس پر حضرت علی خاموش ہوئے اور فرمایا چلو مسجد میں چل کر مشورہ کریں۔ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس بار کو اٹھالے، یہاں حضرت علی نے تقریر کی اور کہا میں خلافت کے واسطے تیار نہیں ہوں بہتر ہوگا

کہ تم خلیفہ منتخب کرو میں بیعت کے واسطے تیار ہوں، اصحاب رسول اللہ کی رائے
پر عمل کرو اور میری خواہش انکی خدمت میں پہنچا دو وہ ضرور میری تجویز سے متفق ہونگے
اور مجھکو معاف کر دینگے۔ چنانچہ سب نے سعد ابن وقاص۔ سعد بن زید عبد اللہ بن عمر
سے فرداً فرداً درخواست کی مگر بے سود۔ یہ دیکھ کر حضرت علی نے دوبارہ تقریر کی اور
حکیم بن حنیلہ اور حضرت طلحہ سے کہا آپ خلافت قبول کیجئے ان دونوں نے انکار کر دیا۔
اور طلحہ نے یہ الفاظ کہے۔

معاذ اللہ ابو الحسن آپ کی موجودگی میں میری خلافت!

اسپر مالک بن اشتر نے آواز دی علی ہاتھ بڑھائیے چنانچہ حضرت علی نے ہاتھ بڑھایا
تو سب سے پہلے حضرت طلحہ نے پھر سعید سعد، عبد اللہ وغیرہ نے بیعت کی اور یہ سلسلہ جاری رہا
لیکن بنی امیہ کا ایک گروہ بغیر بیعت کئے معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔

حضرت علی کی خلافت کا بنو امیہ پر اثر

حضرت علی کی خلافت کے بیان سے پہلے چار باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں تاکہ
کربلا کے خونین واقعہ کی تہ میں جو راز کام کر رہا ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

(۱) مسلمانوں کا ایک گروہ (بنی امیہ) حضرت علی کے خلیفہ ہوتے ہی شام میں امیر
معاویہ کے پاس چلا گیا۔

(۲) امیر معاویہ نے ہر جمعہ میں حضرت عثمان کا خون آلود کرتہ مسلمانوں کو دکھانا
شروع کیا جس نے بنو ہاشم کے خلاف بنو امیہ کو جنگ و جدال کی پوری ترغیب دی۔
جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت علی معزول ہوں اور
خود خلیفہ ہوں۔

(۳) حضرت طلحہ و حضرت زبیر نے بظاہر بیعت کر لی۔ مگر دل میں کدورت موجود تھی

(۴) بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ عداوت کو حضرت عثمان کی شہادت سے اس لئے

اور ترقی ہوئی کہ مفسدوں نے واقعات سے بنو امیہ کو یقین دلایا کہ حضرت عثمان کی کی شہادت محض بنو ہاشم کی کوشش سے ہوئی حالانکہ حضرت علی نے ان کی خلافت کو تقویت دینے میں ہر ممکن کوشش سے کام لیا یہانتک کہ ایک موقعہ پر انہوں سنے امام حسن کو یہ کہہ کر طمانچہ مارا کہ بلوائیوں کو مارنے اور حضرت عثمان کو بچانے میں پوری کوشش نہ کی،

یہ چاروں موٹی موٹی باتیں معلوم ہونے کے بعد واقعات پر اچھی طرح غور ہوسکتا ہے الغرض اب صرف ایک بات باقی رہتی ہے اور چونکہ وہ بھی اس نزاع سے متعلق ہے اور حضرت علی کی ذات کو اس سے خاص تعلق ہے اس لئے انکی خلافت پر بحث کرنے سے پہلے اس کا ذکر بھی ضروری ہے۔

جنگ جمل

ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ ایک سفر میں حضور اکرم کے ساتھ تھیں واپسی میں مدینہ ایک پڑاؤ رہ گیا تھا کہ رات کو قیام ہوا اور صبح کو کوچ اسوقت چونکہ پردہ کے متعلق احکام نازل ہوچکے تھے جسم یا چہرہ چھپانے کی غرض سے یا کچھ پردہ کی وجہ سے کچھ اندھیرے کی وجہسے ساربان یہ نہ سمجھ سکا کہ ام المومنین سوار ہوگئیں چل پڑا لیکن ام المومنین اسوجہ سے کہ جو ہار ان کے گلے میں تھا اور مانگے کا تھا وہ گر پڑا تھا اس کے ڈھونڈھنے میں رہیں اور جب صفوان بن المعطل اسلمی جو قافلہ کا چوکیدار تھا اور جسکا کام یہ تھا کہ روانگی کے بعد گری پڑی چیزوں کو اٹھاتے۔ آیا تو دیکھا کہ ام المومنین رہ گئیں۔ وہ یہ ہی کرسکتا تھا کہ اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار ہاتھ میں لے پیدل روانہ ہوا۔ جب وہ ام المومنین کو لیکر پڑاو پر پہنچا اور لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ام المومنین کے رہجانے پر اور تنہا آنے پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور مختلف

آدمیوں نے مختلف رائے کا اظہار کیا۔ منافقین کے ایک گروہ نے جو بظاہر مسلمان تھے اور بہ باطن منافق اس واقعہ کا چرچا شروع کر دیا اور اس خبر کو خوب نمک مرچیں لگا کر پھیلا دیا۔ دو شخص عبداللہ ابن سلول اور مسطح بن اثاثہ اس الزام کے قائم کرنے میں منافقین کے سرتاج تھے رفتہ رفتہ یہ خبر حضورؐ کے کانوں میں پہنچی اور آنحضرتؐ نے تمام احباب و صحابہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ ام المومنین کی بریت میں ہر متنفس نے شہادت دی اور ہر شخص کی رائے یہ تھی کہ بی بی عائشہؓ کا دامن اس الزام سے پاک ہے۔ مگر مسلمانوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس صفائی میں اس قدر لفظ اور کہے کہ اگر آپ ام المومنین کو چھوڑنا چاہیں تو یہ بھی مشکل نہیں جب معاملہ طے ہو چکا اور بات ختم ہو گئی تو حضرت علیؓ کے یہ الفاظ ام المومنین کو ناگوار ہوئے اور دل میں گرہ پڑ گئی۔

معاملہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ان چار باتوں کے سوا جو اوپر بیان کی گئیں۔ پانچویں بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں اور اس کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے

جس وقت حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ہیں تو ام المومنین حج کو تشریف لے گئی تھیں۔ ان کی واپسی کے وقت بنی امیہ کے کچھ آدمی پہلے ہی سے آگے جا پہنچے اور انہوں نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوئی اور ان کے قتل کا تمام بار حضرت علیؓ کے ذمہ ہے یہ سنتے ہی حضرت عائشہؓ بجائے مدینہ آنے کے مکہ چلی گئیں اور انکو خیال ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت مجھکو مدینہ میں خوش نہ رکھ سکے گی۔

ام المومنین کے مکہ چلے جانے پر حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے دل بھی اکھڑ گئے اور انہوں نے بھی مکہ چلے جانے کا قصد کیا۔ اور حضرت علیؓ سے اجازت مانگی تو حضرت علیؓ چونکہ حقیقت سے بے خبر تھے اجازت دیدی۔

مروان جس کی بابت خیال تہا کہ شہادت خلیفہ ثالث کے موقعہ پر مرگیا تہا زخم سے جانبر ہوا اور اپنا ایک علیحدہ فریق حضرت علیؓ کے خلاف تیار کیا اور یہ سب کو ام المومنین کے پاس لیکر مکہ پہنچا۔ جنہوں نے شہادت حضرت عثمانؓ کے حالات اس دردانگیز طور پر بیان کئے کہ ام المومنین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ان کو یقین ہوگیا کہ اس شہادت میں حضرت علیؓ کا پورا ہاتھ ہے

حقیقتاً ان لوگوں نے ام المومنین کی آڑ میں دل کے جلے پھپولے پھوڑے اور انکو لڑائی پر آمادہ کیا۔ کیونکہ عرب میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔ اور بی بی عائشہؓ اس لڑائی میں جو حضرت علیؓ کے خلاف ہوئی اونٹ پر سوار تھیں اس لئے تاریخ اسلامی اس کو جنگ جمل لکھتی ہے جس میں چمنستان اسلام کے تر و تازہ پھول روندے اور چوٹی کے پھل گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے۔ ایسے ایسے بزرگ اور صحابہ جن کے جنتی ہونے کی خبر حضور اکرمؐ نے دی دونوں طرف سے اس لڑائی میں کام آئے، فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں ہوا اور سولہ سترہ ہزار مسلمانوں کا خون جنگ جمل پر قربان ہوا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے مقدس افراد جنکو صحبت رسولؐ میں شریک ہونیکا فخر تہا رخصت ہوئے۔

جنگ کے بعد جب حضرت علیؓ ام المومنین کے سامنے آئے تو فرمایا۔ خدا تمہارے ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ اس کے جواب میں ام المومنین نے بھی یہی فرمایا اور حضرت علیؓ نے ام المومنین کو عورتوں کے ایک رسالہ کے ساتھ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ مدینہ روانہ کردیا۔

جنگ جمل کے متعلق ہر مسلمان کو واقعات پڑھنے کے بعد رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے لیکن ہمکو اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایک بات لکھنی ہے اور وہ یہ کہ جب وقت ام المومنین مع اپنے لشکر کے تشریف لیجا رہی تھیں تو ایک گاؤں کے

قریب کتوں نے بھونکنا شروع کیا، اسوقت آپ نے پوچھا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا حواب ام المومنین نے فرمایا ٹھیر جاؤ مجھے رسول اللہ کی ایک حدیث یاد آگئی کہ
"میری بیویوں میں سے ایک پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ غلطی پر ہوگی"
سر برآوردگان لشکر نے کہا یہ حواب نہیں ہے اور اپنے جواب میں بعض آدمیوں کی شہادت بھی پیش کی مگر آپ نے ایک نہ سنی اور یہ کہا مجھے لڑائی سے واسطہ کیا مجھے گھر جانے دو مگر ایک نہ چلی اور طبل جنگ بجنے لگا

اس سلسلے میں ایک اور خیال ہے جسکا بیان کرنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جب حضرت علی کی کوئی کوشش لڑائی کو نہ روک سکی اور انہوں نے دیکھا کہ فریقین میں سچے اور پکے مسلمان ہی ہیں اور یہ جنگ اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیگی۔ تو ام المومنین کی خدمت میں ایک پیام بھیجا جسکا مطلب یہ تھا کہ آپ مفسدوں کے پھندے میں پھنس گئی ہیں میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ شہادت عثمان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ مگر یہ پیام ان تک نہ پہونچ سکا اور پیامبر ناکام واپس ہوا۔ اب حضرت علی عجیب پریشانی میں تھے اور اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اگر مجھے فتح بھی ہوئی تو نہایت قیمتی ہوگی اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابیوں کا خون صرف غلط فہمی کی تلوار سے بہے گا۔ مگر حضرت علی کو اب مقابلہ کے سوا چارہ نہ تھا۔

جب لڑائی شروع ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہوگئے اور لڑائی ختم نہ ہوئی تو ام المومنین نے بآواز بلند کہا کہ میں صرف عثمان کے خون کا بدلہ چاہتی ہوں۔ میرا مقصد مسلمانوں کے خون سے پورا نہیں ہوتا۔ مگر اب ام المومنین کی سنتا کون تھا۔

لڑائی زور شور سے ہوئی اور دوسرے دن سینکڑوں مسلمان دونو طرف کے شہید ہوئے اور حضور اکرم کے اس ارشاد کا کہ عثمان کی شہادت پر مسلمانوں کا خون بہے گا۔ ایک ایک حرف پورا ہوا

حضرت علی کو سب سے زیادہ تعجب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر پر تھا کہ ایسے ذی
مرتبت لوگ جو برسوں صحبت رسول میں رہے ہیں کس طرح خلاف ہو گئے۔ اور جب ان کو
یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے دل سے بیعت نہ کی تھی بلکہ مصلحتاً یا خوف زدہ ہو کر تو اور
بھی متحیر ہوئے ام المومنین نے فریقین کی یہ کیفیت دیکھ کر جب واپسی کا قصد کیا تو بصرہ
کا حاکم عثمان بن حنیف بہت برہم ہوا اور کہا کہ جب تک طلحہ اور زبیر میدان جنگ
سے نہ ہٹیں گے آپ نہیں ہٹ سکتیں پہلے ان کی بیعت کا فیصلہ کیجئے کہ کیوں کی۔
چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مالک اشتر یہ کے خوف سے
ہم نے بیعت کی تھی کہ وہ حضرت علی کا طرفدار تھا۔ ام المومنین اس جواب سے مطمئن نہ ہوئیں
اور ایک اور شخص قاصد کی حیثیت سے بھیجا گیا کہ وہ معلوم کرے کہ ان دونوں نے
بیعت کس طرح کی اور وہ کیوں برگشتہ ہوتے ہیں۔ اس قاصد کے سامنے ان دونوں نے
کوئی جواب نہ دیا۔ مگر دوسرے لوگوں نے کہا کہ بیعت مجبوری تھی۔ اس پر مسجد میں لڑائی شروع
ہوئی اور اس معاملہ میں بھی کچھ مسلمان ضائع ہوئے ان میں بھی نہایت بزرگ صحابہ تھے
عثمان بن حنیفہ حاکم بصرہ کا دستہ قتل ہوا اور وہ خود گرفتار ہو کر آیا تو سب کا فیصلہ یہی
ہوا کہ اسکو قتل کر دو اس موقعہ پر ام المومنین نے روکا اور کہا بڈھے آدمی کو قتل کرنے سے
کیا فائدہ۔ عثمان چھوڑ دیا گیا مگر اس کی تمام ڈاڑھی نوچ لی گئی۔

عثمان بن حنیف باوجودیکہ ایک طرح سے حضرت علی کا باغی تھا اور جس وقت
ام المومنین نے قصد جنگ کیا ہے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ میں آپ کے
ساتھ ہوں مگر حضرت علی کو اس کی یہ توہین اچھی نہ معلوم ہوئی اور جب یہ دیکھا کہ لڑائی
ٹلنے والی نہیں تو انہوں نے بھی احکام جنگ جاری کر دئے۔ اس موقعہ پر ابوموسیٰ اشعری
عامل کوفہ نے جنگ کی تیاری سے انکار کر دیا اور لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کا انتقام جس
کے واسطے ام المومنین آمادہ ہوئیں نہایت ضروری ہے۔ ہر چند کوشش کی کہ ابوموسیٰ

اپنے خیال سے ہا دائیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر عمار بن یاسر اور مالک بن اشتر روانہ کئے گئے کہ وہ راہ راست پر لائیں۔ مگر ان کی بھی کچھ نہ چلی اور ابوموسیٰ نے ان دونوں کی تجاویز کو بھی نامنظور کر دیا۔ مجبوراً مالک نے سختی سے کام لیا اور تھوڑی جمعیت ساتھ لیکر ابوموسیٰ کے مکان پر قبضہ کر لیا۔ اور کہا تیری ملکیت کوئی شے نہیں ہے ہر چیز خلیفہ کی ہے اور جب تو منحرف ہوا تو تیرے حقوق زائل ہو گئے۔ ابوموسیٰ کے زیر ہوتے ہی کوفہ اور کوفہ والے حمایتوں کا شور ختم ہوا۔ طلحہ اور زبیر اور ان کے ہمراہی میدان میں آئے۔ ادھر سے حضرت علی کی فوج بھی مقابلہ کو نکلی اور گھمسان کا رن پڑا۔

جب لڑائی شروع ہونیکا وقت آیا تو حضرت علی نے پہلا حکم یہ دیا کہ وہ گروہ جس نے حضرت عثمان کے خون میں کسی طرح بھی کوئی حصہ لیا میدان جنگ سے ہٹ جائے، تاکہ مسلمانوں کو بدگمانی کا موقعہ نہ ملے اور فریق مخالف کا یہ دعویٰ کہ حضرت عثمان کی شہادت میں میرا ہاتھ تھا اور یہ لڑائی اس خون کا بدلہ ہے صحیح نہ ہو جائے حضرت عثمان کے قاتل اور قتل کے حمایتی یہ سن کر دنگ رہ گئے اور گو ان کو الگ ہونا پڑا مگر بڑی مصیبت اور جنجال میں پھنسے کہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ لڑائی کو اور تیز کریں اور دور بیٹھے اس آگ کو ہوا دیتے رہیں بڑی خرابی یہ آ کر پڑی کہ مالک بن اشتر جو حضرت علی کی حمایت میں اب تک سرگرم تھا۔ اس فیصلہ کے موافق علیحدہ ہو رہا تھا حضرت علی نے اس کی خدمات صداقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں اور اس کو بھی الگ کر دیا وہ سخت پریشان ہوئے اور علیحدہ ہو کر نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ دور دور تک گفتگو ہوئی مگر جب سب سو رہے تو حضرت علی نے میدان میں آ کر کہا کہ طلحہ اور زبیر میری ایک بات سن لیں۔ دونوں باہر آئے اور کہا فرمائیے۔ حضرت علی نے کہا مسلمانوں کی خون کی قیمت جس قدر

ہیں جانتا ہوں اتنی ہی تم بھی جانتے ہو۔ اس لڑائی کے اسباب سے ہم سب اچھی طرح باخبر ہیں میں قسم کھاتا ہوں کہ شہادت عثمان میں قطعاً بے گناہ ہوں۔ ہم آپس میں ایک ہیں ایک خدا اور ایک رسول کے پرستار ہیں نے امن انسانیت میں نشوونما پائی ہے۔ اور ایک ہی شجر کے خوشہ چین ہیں۔ اس کے جواب میں طلحہ بولے تم نے عثمان کی شہادت میں مفسدوں کی اعانت کی حضرت علی نے کہا اگر یہ بات ہے تو لاتنے مسلمانوں کا خون گرانے سے کیا حاصل ہیں اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ لیکر خدا سے دعا کریں کہ سچے پر رحمت اور جھوٹے پر لعنت اس کے بعد دیکھ لیں کہ کون سچا ہے

حضرت علی کے اس ارشاد کا جب جواب نہ ملا تو انہوں نے حضرت زبیر سے خطاب کیا کہ زبیر تمکو یاد ہونا چاہیئے اور نہیں تو میں تمکو یاد دلاتا ہوں کہ ایک موقعہ پر ہم چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے کہ تم معہ حضور اکرم کے ادہر سے نکلے، میں سرور کائنات کا چہرہ اقدس دیکھکر مسکرایا تو حضور بھی ہنسے اور تم نے کچھ کہا جس کے جواب میں رسالت مآب نے فرمایا۔

"زبیر تُو اس روز سے جب تو اور تیری فوج علی پر حملہ آور ہو گی اور تو ظالموں میں سے ہوگا۔"

حضرت زبیر یہ سن کر بے اختیار ہو گئے اور کہا ہاں مجھے یاد آگیا۔ اور اگر پہلے سے یاد ہوتا تو قسم ہے خدا کی ایسا نہ کرتا۔ اسوقت حضرت زبیر پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے بآواز بلند کہا۔ اب میری مجال نہیں کہ تمہارے سامنے تلوار اٹھاؤں۔ شہادت عثمان کا فیصلہ خدا بہتر کریگا یہ کہکر وہ سیدھے ام المؤمنین کے پاس گئے اور کہا وہ تلوار جو سخت سے سخت دشمن کے سامنے نہ جھکی آج اہلبیت رسول کو بوسہ دیتی ہوئی علی کے سامنے میان میں ہوتی ہے۔ ام المومنین اب میری ہمت نہیں کہ مقابلہ کر دں۔ اب آپ جانئے

LIBRARY ALIGARH UNIVERSITY
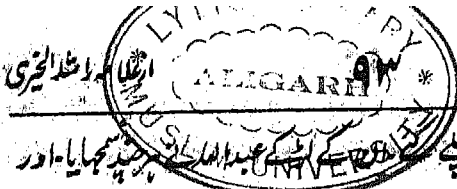
اور آپ کا کام۔ اتنا کہہ کر زبیر چلے گئے۔ ان کے لڑکے عبداللہ نے ہرچند سمجھایا۔ اور حضرت طلحہ نے بھی بہت کہا مگر وہ لڑائی پر آمادہ نہ ہوئے

صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اور ممکن تھا خوشگوار نتیجہ نکل آتا۔ مگر وہ لوگ جنکو حضرت علی نے شہادت حضرت عثمان کے سلسلہ میں علیحدہ کر دیا تھا سمجھے کہ صلح کا نتیجہ ہمارا قتل ہوگا جس میں شبہ کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ام المومنین کی فوج پر حملہ کر دیا وہ سمجھے کہ حملہ حضرت علی کی فوج نے کیا ہے۔ انہوں نے بھی جوابی حملہ کیا۔ اس حملہ کے ساتھ ہی مفسدوں نے ادہر تو حضرت علی سے کہا کہ دیکھئے ام المومنین نے بدعہدی کی ادہر ام المومنین کو بھڑکایا کہ صلح حضرت علی کا بہانہ تھا۔ بےخبری میں حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے تلواریں نکال لیں اور قتل عام ہونے لگا۔

حضرت علی کی طرف سے صلح کی ایک اور کوشش ہوئی اور وہ یہ کہ انہوں نے مسلم بن عبداللہ کی وساطت سے میدان جنگ میں کلام اللہ بلند کیا اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کا واسطہ معاملہ کو سمجھو اور جنگ وجدل بند کرو مگر طلحہ اس کو بھی مکر سمجھے اور مسلم کے ہاتھ پر تلوار ماری۔ موسیٰ نے جلدی کلام اللہ اٹھالیا مگر وہ بھی طلحہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

اسی قسم کی کوشش ام المومنین نے بھی کی اور کعب سے کہا قرآن اٹھاکر باآواز بلند اعلان کر دو کہ ام المومنین اس کتاب کا واسطہ دیکر کہتی ہیں کہ لڑائی بند کرو مالک بن اشتر یہ دیکھ کر پریشان ہوا اور فوراً ایک ایسی تلوار ماری کہ کعب کی گردن الگ جا پڑی۔

لڑائی کا انجام جو ہونا تھا وہ ہوا۔ سینکڑوں جلیل القدر صحابہ کے بعد وہ ساعت آن پہنچی کہ حضرت طلحہ زخمی ہوئے اور بصرہ بھاگے۔ ان کے جاتے ہی فوج کے

پاؤں اکھڑ گئے، زبیر بھی بھاگے۔ مگر ایک شخص عمرو نے ان کو راستہ میں قتل کیا لیکن جب وہ ہشاش بشاش زبیر کا سر حضرت علی کے سامنے لایا تو انکو بہت رنج ہوا اور عمرو کے واسطے دوزخ کی بددعا کی۔

جنگ صفین

جس طرح مسئلہ تقدیر و تدبیر میں ایک مسلمان کی زبان ساکت ہے اسی طرح جنگ جمل و جنگ صفین دونوں معرکوں میں کم از کم ہماری ہمت نہیں کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکیں اور کسی کو ملزم قرار دیں مگر اتنا ضرور کہنا پڑیگا کہ یہ لڑائیاں یہ اختلاف، یہ غلط فہمی، یہ ہٹ دھرمی بیج تھے اس نفاق و شقاق کے جس کا ثمر آج مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اسوقت ملا۔ اور جب تک اسلام دنیا میں زندہ ہے ملتا رہے گا۔ قتل و خون اسوقت ہوئے اس کے بعد ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے شیعہ سنی، اموی، ہاشمی، یہ وہ شاخیں ہیں جو اپنے اپنے عقائد پر پختہ ہیں۔ اور حق و ناحق کے فیصلہ پر پہنچکر ایک رائے پر قائم ہیں اور جسطرح ان لڑائیوں کے وقت مسلمان ایک دوسرے کے دشمن تھے اسی طرح آج بھی یہ عداوت موجود ہے اور وہ شجر اسلام جسکو اسی وقت سے دیمک لگنی شروع ہوئی آج ایسا کھوکھلا ہو گیا ہے کہ اب اس کی بقا کا خدا ہی حافظ ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وہ وقت یاد ہو گا جب حضرت عثمان کی وفات کے موقعہ پر بعض مسلمانوں کی رائے میں خلافت حضرت علی کا جائز حق تھا۔ اور اس سلسلہ میں امیر معاویہ نے جو تدبیر کی وہ بھی یاد ہو گی۔ اب ادہر تو جنگ جمل ختم ہوئی ادہر امیر معاویہ کو فکر ہوا کہ شیر خدا کی خلافت اب بے خوف و خطر احکام نافذ کریگی اور سب سے پہلے میرا ہی خاتمہ ہو گا۔ اس فکر کا تدارک لازمی تہا۔ اور اس کے سوا

نہ ہو سکتا تھا کہ خلافت ہی کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک جری لشکر حضرت علی کے مقابلہ کو تیار کیا اور تہیہ کر لیا کہ اب خلافت علی کی ہو گی یا میری۔

اس لڑائی میں جو نام مسلمانوں کے سامنے آتے ہیں ان سے اس کتاب کے پڑھنے والے پہلے سے آشنا ہیں۔ عمرو بن عاص اور اس کا غلام قنبر۔ شریح بن ہانی، مالک بن اشتر۔ ابو الاعور سلمی

مالک بن اشتر کو حضرت علی نے جنگ جمل کے موقعہ پر اسلئے علیحدہ کر دیا تھا کہ انکی اعانت حضرت عثمان کے خون کا ثبوت نہ ہو۔ مگر جب لڑائی ٹھن گئی اور مالک نے اپنی خدمات پیش کیں تو حضرت علی نے قبول کیں۔ خاندانی عداوت کا نقشہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لینا چاہیئے تاکہ رائے قائم کرنے میں دقت نہ ہو اور معلوم ہو جائے کہ خاندانی عداوت کس طرح ترقی کر رہی تھی۔

عبد مناف

ہاشم	امیہ
عبد المطلب	حرب
ابو طالب	ابو سفیان
علی المرتضیٰ	معاویہ
امام حسن امام حسین	یزید
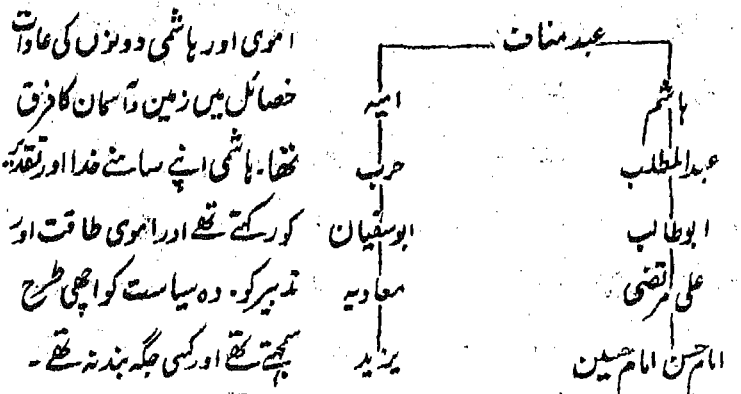
اموی اور ہاشمی دونوں کی عادات خصائل میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ہاشمی اپنے سامنے خدا اور تقدیر کو رکھتے تھے اور اموی طاقت اور تدبیر کو۔ وہ سیاست کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور کسی جگہ بند نہ تھے۔ برخلاف اس کے ہاشمی اس رنگ سے ناآشنا اور وقتی ضرورت سے بے خبر میدان کربلا اسی ابتدا کی انتہا تھا۔ اور شہادت حسین اسی مبتدا کی خبر۔

عمرو کا غلام قنبر تیس ہزار کی جمعیت سے حضرت علی کے مقابلہ کو آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے خود عمرو بن عاص اپنی کمک کے ساتھ تھا۔ ابھی یہ لوگ دریائے فراط سے پار نہ ہوئے تھے۔ شریح بن ہانی بارہ ہزار فوج لیکر پار اتر آیا۔

اس کی مدد کو مالک بن اشتر پانچ ہزار جمعیت سے آئے اور اس طرح یہ لشکر شام کی سرحد میں داخل ہو گیا حضرت علی کے لشکر کا داخلہ امیر معاویہ اور ان کے معاونین کیواسطے قیامت تھا۔ سب بھاگے اب معاویہ نے اپنے تمام لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی کہ مقابلہ آجتک چھوٹے لوگوں سے ہوتا رہا مگر اسوقت اس شخص کا مقابلہ ہے جس کا لوہا تمام عرب مانے ہوئے ہے۔ شجاعت دکھانے کا یہ وقت ہے۔ اگر آج اسلام کی لاج رکھنی ہے۔ اور بے گناہ عثمان کے خون کا قصاص لینا ہے تو جانوں پر کھیل جاؤ اور علی کو دکھا دو کہ مسلمان اس طرح اپنے عزیزوں پر قربان ہوتے ہیں معاویہ کی تقریر سے لوگوں کے دل بڑھ گئے۔ ابوالاعور سلمی سپہ سالار مقرر ہوئے اور پھر لشکر آگے بڑھا۔ مالک بن اشتر نے ابوالاعور کو دیکھا تو ہنسکر کہا۔ کہ غریب بیگناہ مسلمانوں کے قتل سے کیا فائدہ کچھ دم ہے تو خود سامنے آؤ اور مجھ سے دو دو ہاتھ کر تا کہ ہم ہی دونوں پر لڑائی کا فیصلہ ہو جائے۔ مالک کی اس گرج سے میدان گونج اٹھا۔ مگر ابوالاعور بجائے مقابل ہونے کے خاموشی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور کھلے الفاظ میں اپنی جماعت سے کہدیا کہ علی پر فتح طاقت کا کام نہیں۔ تدبیر کا کام ہے۔ اسکے بعد حضرت علی نے اور کوشش کی کہ لڑائی نہ ہو مگر معاویہ کے دل میں جو بخار تھا وہ نہ نکلا۔ اور ذی الحجہ کا چاند نمودار ہوا۔ یکم ذی الحجہ سے لڑائی شروع ہوئی تمام مہینہ اسی میں گذرا اور چھوٹے موٹے حملے ہوتے رہے۔ جب محرم شروع ہوا تو فریقین خاموش ہو گئے چونکہ اس مہینہ کی ہر شخص عزت کرتا تھا اس لئے کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ جب محرم ختم ہو چکا تو حضرت علی نے امیر معاویہ کو یہ پیغام بھیجا۔

یہ فیصلہ کہ غریب مسلمانوں کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے۔ اور اس کا خون کس کی گردن پہ ہوگا خدا ہی بہتر کریگا۔ وہی خوب جانتا ہے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون۔ میں ہرگز اس کے واسطے تیار نہیں ہوں کہ جنگ جمل کی طرح مسلمانوں

کی دوبارہ خونریزی ہو۔ تمکو اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگ جمل پر مسلمانوں نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے قربان کردئے اور یہ وہ نقصان ہے جس کی تلافی اب کیا کبھی بھی نہ ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ لڑائی ختم کردو۔ اور اپنی حرکات سے باز آؤ۔ اسوقت تک فریقین کا نقصان کچھ کم نہیں ہوا ہے۔

یہ پیام تین سفیر لیکر گئے تھے، انہوں نے پیام پہونچانے کے علاوہ خود بھی انتہائی کوشش کی کہ نوبت لڑائی کی نہ آئے۔ مگر امیر معاویہ نے اس پیام کے جواب میں کھلا بھیجا۔

ہمیں جس طرح بھی ممکن ہو تم سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے۔ اور اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہی مفسد باغی جنہوں نے بے گناہ عثمان کو قتل کیا آج تمہارے مددگار ہیں۔ ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ ہم جب تک تم سے بدلہ نہ لیں اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔

خلیفہ ثالث کی شہادت میں حضرت علی کس حد تک شامل تھے۔ یہ تو گذشتہ واقعات سے ثابت ہوگیا ہے۔ ایک بات یہاں اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسوقت حضرت عثمان کی خلافت کا مسئلہ درپیش تھا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے رایوں کا نچوڑ حضرت عثمان اور حضرت علی کے حق میں دیکھ کر یہ طے کیا کہ خلیفہ ان دو میں سے ایک ہوگا۔ اسوقت جن لوگوں نے حضرت ابن عوف سے مشورہ کیا۔ ان میں سربرآوردہ معاویہ کے باپ ابوسفیان اور عمرو بن عاص تھے ابوسفیان کی ترغیب پر عمرو بن عاص نے حضرت علی سے جو گفتگو کی اور حلف کے وقت جو الفاظ کہلوادئیے وہ اوپر بیان ہوچکے ہیں اور ہر مسلمان کو رائے قائم کرنے میں مدد دینگے۔ مشبدیز قلم پھر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کفر کے فتووں کو پامال کردے اور تعصب کا پردہ اٹھا کر ان برگذیدہ حضرات کی مقدس صورتیں حقیقت کے

آئینہ میں دیکھے مگر احادیث نبوی کا تازیانہ حقیقی ہو یا مصنوعی[۱] ایک قدم سر کنے نہیں دیتا

امیر معاویہ کے جواب نے حضرت علی کی وہ تمام امیدیں جو صلح کے متعلق قایم ہوئی تھیں خاک میں ملا دیں، وہ نقشہ جنگ پر غور کر رہے تھے کہ دشمن کا ایک ایلچی آیا اور کہا کہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ ایک جلسہ عام میں یہ تجویز پیش کیجئے کہ خلافت معاویہ کا جائز حق ہے یا علی کا۔

حضرت علی نے سختی سے جواب دیا کہ معاویہ کا اسلام سے کیا واسطہ۔ وہ اس باپ کا بیٹا ہے جس کے مزاج میں منافقت تھی۔ اس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا جس نے احد کی لڑائی میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا۔ ایسے شخص کو خلافت سے کیا تعلق۔ سفیر نے بجنسہ یہ الفاظ جا کر کہدئے جنہوں نے معاویہ کو اور بھڑکا دیا محرم کا مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ یکم صفر سے پھر لڑائی شروع ہوئی ذی الحجہ کے معرکے مختصر تھے مگر اب جنگ عظیم تھی اور دونوں طرف کے لشکر اپنے حوصلے نکالنے پر آمادہ تھے، جی کھول کر لڑے اور ہزارہا مسلمان اس معرکہ میں کام آئے۔ آخر وہی تدبیر جو جنگ جمل میں کی گئی تھی یہاں بھی ہوئی کہ قرآن نیزوں پر بلند ہوا۔

لڑائی ختم ہوئی مگر اسوقت جب دونوں طرف کے چالیس چالیس ہزار آدمی ختم ہو چکے۔ عبید اللہ بن عمر اور عمار بن یاسر وغیرہ بھی اسی میدان میں کام آئے لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ جب حضرت علی کی فوج کو غلبہ ہوا تو شامیوں نے صلح کی درخواست کی اور آخر رائے یہ ہوئی کہ ثالث فیصلہ کریں چنانچہ عمرو بن العاص امیر معاویہ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعری حضرت علی کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے۔ قریباً آٹھ مہینے تک دونوں ثالث بحث کرتے رہے۔ آخر دومۃ الجندل میں فریقین کے پانچ پانچسو آدمی اور دونوں ثالث جمع ہوئے

رونے کا وقت آ گے آئیگا۔ یہ ہنسنے کا وقت ہے کہ شامی ثالث عمرو بن

---

[۱] وہ حدیثیں جن کے راوی معتبر نہیں۔

عاص اور کوئی ثالث ابو موسیٰ اشعری کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں معزول ہوں اور کوئی اور شخص خلیفہ مقرر کیا جائے، جب اعلان کا وقت آیا تو ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن العاص سے کہا کہ آپ تجویز کا اعلان کر دیجیے۔ عمرو بن عاص نے کہا بھلا آپ کے سامنے میں سبقت کروں، ابو موسیٰ اس جال میں پھنس گئے۔ اور ممبر پہ کھڑے ہو کر کہا کہ میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں اب تیسرے شخص کا انتخاب کرو جب وہ یہ کہہ کر اتر آئے تو عمر کھڑا ہوا اور کہا میں بھی حضرت علی کو معزول کرتا ہوں اور ان کی جگہ امیر معاویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

ابو موسیٰ بہت بگڑے اور کہا کیوں عمرو میرا تیرا یہ فیصلہ تھا۔ اسپر کچھ دیر تھوڑی سی ہاتھا پائی ہوئی اور دو آدمی مرچکے تھے معاملہ رفع دفع ہوا حضرت علیؓ کوفے چلے گئے اور امیر معاویہ شام۔

قانون قدرت کے تحت میں جنگ صفین بھی ہزاروں بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو اجاڑتی ہوئی اس طرح ختم ہوئی کہ اس کے واقعات زبان پر اور اثرات دلوں میں باقی رہ گئے۔ میدان کارزار فنا ہو چکا مگر اس کی یاد آج تک مسلمانوں میں موجود ہے حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، مگر ان کے کارنامے ابھی زندہ ہیں - صبح ہو چکی مگر داستان شب ابھی تک خون کے آنسو رلوا رہی ہے۔ وقت گذر گیا لیکن بات باقی ہے اور جس خلافت پر یہ کچھ خون خرابے ہوئے، جلیل القدر مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا اور پرستاران توحید پروانوں کی طرح قربان ہوئے۔ اب پردۂ دنیا پر اس کا وجود بھی نہ رہا، جمل و صفین بہ ظاہر دونوں لڑائیاں مٹ چکیں مگر حقیقتاً اسوقت بھی اس سے زیادہ معرکے موجود ہیں اور جس آگ کے شعلوں نے کوفہ اور شام پھونکا تھا وہ اسوقت

تمام دنیا کو خاک سیاہ کر رہی ہے، خلیفہ چہارم اور امیر معاویہ کو موت نے ابدی نیند سلا دیا۔ مگر سنی شیعہ سنی ابھی تک زندہ ہیں اور نتائج جنگ بھگت رہے ہیں

حضرت علی کی شہادت

چاہیے کہ جنگ صفین کے بعد افق اسلام پر سکون ہو جاتا، تو بہ، جو بادل گھر چکا تھا اور جو گھٹا چھا چکی تھی وہ اسکے بعد بھی برسی، لگاتار برسی، موسلا دھار برسی۔ اور ایسی برسی کہ جب تک قصر اسلام کی بنیادیں نہ ہلا دیں مطلع صاف نہ ہوا

ایک اور وقت یہ آئی کہ مسلمانوں کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی سے مطالبہ کر رہے تھے کہ امیر معاویہ پر چڑھائی کیجیے اور اسکی بغاوت کو فرو کر کے شام پر حکومت کیجیے۔ چونکہ یہ تجویز عہد نامہ کے خلاف تھی اس لیے حضرت علی منظور نہ کر سکے۔ اور یہ گروہ امیر معاویہ کے ساتھ حضرت علی کا بھی دشمن ہو گیا ان میں ایک شخص عبدالرحمٰن بن ملجم نے قصد کیا کہ حضرت علی کو شہید کرے وہ اسی ہم عقیدہ اور گروہ کی لڑکی سے جسکا نام قحطام تھا نکاح کا خواستگار تھا۔ اسی گروہ کے دو اور شخص وردان و شبیب بھی شب و روز اسی خیال میں مستغرق تھے۔ ابن ملجم کی زیادہ خواہش اصرار پر قحطام نے شرط نکاح حضرت علی کا سر قرار دی عبدالرحمٰن اسپر رضامند اور وردان و شبیب اسکی مدد پر آمادہ ہوئے۔ حضرت علی کیواسطے یہ تین آدمی تیار ہوئے۔ مبارک بن عبداللہ امیر معاویہ کے قتل کیواسطے اور عمرو بن ابوبکر عمرو بن العاص کے واسطے۔ رلے یہ قرار پائی کہ ایک ہی روز ایک ہی وقت تینوں وار کیے جائیں۔ چنانچہ مبارک بن عبداللہ معاویہ کے واسطے دمشق گیا اور عمرو بن ابی بکر تمیمی عمرو بن العاص کے واسطے مصر پہنچا۔

سترہ رمضان المبارک مقرر ہوئی تھی۔ امیر معاویہ کے سر پہ ہاتھ بھرپور

نہ پڑا۔ مگر زخم ایسا کاری تھا کہ جانبر تو ہو گئے لیکن مرتے سے بدتر زندہ ہے۔ مصر میں اتفاق سے عمرو بن عاص کی بجائے نماز خارجہ نے پڑھائی۔ قاتل اسی کو عمرو بن عاص سمجھا اور قتل کر دیا۔

حضرت علی مسجد میں داخل ہوئے تو رمضان المبارک کی وجہ سے نمازیوں کی غیر معمولی کثرت تھی آگے بڑھ رہے تھے کہ شبیب نے حملہ کیا مگر وار خالی گیا اور وہ بھاگا ابھی جماعت سمجھ بھی نہ سکی تھی کہ کیا ہوا کہ ابن ملجم نے آگے بڑھ کر وار کیا۔ یہ کارگر ہوا اور تلوار نصف سے زیادہ اتر گئی۔ ابن ملجم پکڑا گیا۔ مگر زخم قاتل ثابت ہوا اور اس طرح مسلمانوں کی اس چوتھی خلافت کا خاتمہ ہوا۔

رمضان المبارک کی اٹھارہویں شب پردہ دنیا پر چھائی ہوئی ہے ماہتاب نے اپنی چادر بساط ارضی پر بچھا دی، کائنات خاموش ہو رہی ہے اور ہوا خراماں خراماں فلسفہ حیات کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ تارے چشم تحیر سے چمنستان اسلام کے اس پھول کو جس نے ارض حجاز کو مہکا دیا تھا اور اس وقت خون میں شرابور ہے دیکھ رہے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ کی سرزمین، مکہ اور مدینہ کے در و دیوار عراق و شام کے شجر و حجر رو رو کر اس کی وداع کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں یہ ابو طالب کے گھر کا وہ چراغ ہے جس کے علم و فضل نے ایک دنیا کو منور کیا اور جس کی روشنی اب بھی اسلام کو جگمگا رہی ہے۔ اس کے خون کا ہر قطرہ باآواز بلند اس واقعہ کو دوہرا رہا ہے جب بے یار و مددگار رسول عربیؐ کی صدا اعانت کی طلبگار مکہ کی زمین پر گونجی اور ایک دس سالہ بچے نے قربان ہونیکا وعدہ کیا آج جبکہ عرب کا رسولؐ اس دنیا میں نہیں وہی لڑکا اس کے نام اور اس کے کام پر قربان ہو کر اپنے وعدہ کی تکمیل کر رہا ہے۔ گذری ہوئی راتوں کی وہ رات جس نے ایک طرف غار ثور پر مہر رفاقت ثبت کی اور دوسری طرف بستر رسالت پر قربانی کا کلمہ پڑھا

آج پھر نمودار ہوئی اور ان قدموں کو بوسہ دیا جن سے حسنین اپنی آنکھیں مل رہے تھے۔ مخلوق فلکی اپنے فرض سے سبکدوش ہوئی اور چمکدار تارے رات کا جنازہ صبح صادق کی روشنی میں دفن کرنے کو آگے بڑھے، قندیل ماہتاب کہرام مچاتی ہوئی خاموش ہوئی اور فضا آسمانی کا تمام قافلہ شیر خدا کے پابوس ہونیکو حاضر ہوا۔ آفتاب علی کے بچوں کے واسطے پیام یتیمی لیکر طلوع ہوا تو زینبؓ نے حسرت آمیز نظروں سے باپ کے چہرہ کو دیکھا اور خاموش صورت اور بند آنکھیں کلیجہ کے پار ہو گئیں، بیتابانہ لپٹیں تو حضرت علیؑ کی آنکھ کھلی اور فرمایا۔

تیرے باپ کا قتل اس قیامت خیز ہنگامہ کی ابتدا ہے جو عنقریب برپا ہونے والا ہے مصیبت اللہ کے نیک بندوں کے واسطے پیدا ہوئی ہے اس نے تمہارے گھر میں جنم لیا اور تم ہی پر ختم ہوگی۔ میں خوش ہوں کہ اسلام پر قربان ہوا۔ دولت میرے پاس نہ تھی۔ البتہ زندگی جیسی بیش بہا نعمت اس کی راہ پر لٹا کر اس کے حضور میں جا رہا ہوں اور شکر ہے کہ تمہارے نانا کے پاس سرخرو جاتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ میرے بعد معاویہ ہو یا نہ ہو اسکی اولاد تیرے بھائیوں کو پریشان کرنے میں کسر نہ چھوڑیگی اور یہ وہ وقت ہوگا کہ دنیا کے کتے خاندان رسالت کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دینگے۔ اور ظالم تم کو بے دلی وارث سمجھ کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں گے۔ زینب! تیری آزمائش کا وہی وقت ہوگا۔ اپنی راحت و آرام کو بھائیوں پر قربان کیجیو۔ اور جس طرح میں شاداں و فرحاں سیدہ کے پاس جا رہا ہوں اسی طرح ہنستی ہنساتی ماں کے سینہ سے چمٹیو۔ ایسا نہ ہو کہ حسنین سے جیسے بھائیوں کو تنہا چھوڑ دے اور قیامت کے روز نانا اور باپ کے سامنے نگاہ نیچی ہو جائے۔ اگر تیرے نانا کی امت اور اسلام کا واسطہ نہ ہوتا تو تیغ حیدری ان سفاکوں کا قلع قمع چشم زدن میں کرتی مگر زبان کا پاس اور عہد کی پابندی

تھی کہ ان بچوں کو شامیوں اور کوفیوں کے قبضہ میں تنہا چھوڑ رہا ہوں، خوب سمجھتا ہوں کہ حسنؑ ناتجربہ کار اور حسینؑ بچہ ہے، اور پالا ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو پورے گھاگ اور افعی ہیں۔ یتیموں کا وارث خدا کے سوا کوئی نہیں تم سب کو اسی کے سپرد کرتا ہوں اور رخصت ہوتا ہوں۔

دوپہر اسی طرح بسر ہوئے اسکے بعد غشی کی حالت طاری تھی کہ مسجد سے صدائے حق بلند ہوئی اس آواز کے ساتھ ہی بیہوش آنکھ کھل گئی تو فرمایا جماعت میں فرق نہ آئے۔ حمزہ ابن ہبیرہ نماز پڑھائیں۔ چاند اور سورج دونوں شاہد ہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد تیسری نماز ہے جو جماعت سے قضا ہوئی۔

بی بی زینب باپ کی تقریر سن کر بے اختیار ہو گئیں اور فرمایا آپ ہمکو دنیا میں کس پر چھوڑتے ہیں۔ جب نانا جان تشریف لے گئے تو ہمکو آپ کے اور اماں جان کے حوالہ کیا تھا۔ اور اماں جان نے ہمارا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا تھا۔ ان کے بعد دل کو آپ سے تقویت تھی اور سمجھتے تھے کہ باپ بھی آپ ہیں اور ماں بھی۔ بابا جان آپ کی شفقت نے اماں کی محبت بھلا دی اور گو زندگی کی تکلیفوں نے ساتھ نہ چھوڑا مگر کبھی ہماری تیوری پر بل نہ آیا۔ قریش کے بچے اچھے کپڑے پہن کر باہر نکلے، کنبہ اور محلہ نے انواع و اقسام کی نعمتیں کھائیں مگر ہمارا فاقہ پلاؤ سے اور چیتھڑے کمخواب سے بہتر ہے۔ رضا ہمارا شیوہ اور صبر و شکر ہماری عادت تھی۔ چہرہ اقدس کی زیارت ہمارا پیٹ بھر دیتی تھی۔ اور شفقت پدری کی دو باتیں ہر کلفت دل سے دور کر دیتی تھیں۔ اب اس دنیا میں ہمارا کون ہے۔ کوئی اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ سیدھے منہ بات بھی کر لیگا۔ اتنا کہہ کر بی بی زینب نے اپنے دونوں ہاتھ باپ کے گلے میں ڈالدیئے اور کہا بابا! ہم غریبوں پر رحم فرمایئے اور ہم بیکسوں کو تنہا نہ چھوڑیئے جس گھر میں یہ چہل پہل تھی کہ خدا کی وحی نازل ہو، آپ کے بعد سونا ہوگا۔ اور کوئی اتنا نہ ہوگا کہ

سیدہ کے لالوں کو آنکھ اٹھا کر دیکھ لے۔ بابا ہم پہلے ہی بدبخت ہیں ہماری آنکھوں سے ابھی اماں کے آنسو خشک نہیں ہوئے، ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ہمارے زخموں پر اپنی جدائی کے کچوکے نہ دیجئے ایں اور کلثوم حسن اور حسین ان قدموں پر قربان ہوں۔ اماں کی رحلت کا وقت ہمکو یاد ہے اب وہ سماں دو بارہ نہ دکھائے اور خدا سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر قائم رکھے۔

اسوقت شیر خدا کا دل بھر آیا انہوں نے دونوں صاحبزادوں کو پاس بلا کر فرمایا، پیارے بچو سرور کائنات کا تمہاری ماں سے جدا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی باپ اولاد کے سر پر ہمیشہ نہ رہیگا ماں کی موت کے وقت تمہارے معصوم دل صدمہ کے معنی نہ سمجھتے تھے لیکن آج باپ کی موت تمکو بتائے گی کہ دنیا کی تغییر کیا ہے۔ اور خدا کا حکم کس کو کہتے ہیں حسن اور حسین تمہارے باپ کی جدائی کا وقت آپہونچا۔ یہ قدرت کا قانون ہے جو کسی طرح اور کسی حال میں ٹلنے والا نہیں میں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور وہاں جاتا ہوں جہاں دیر سویر ہر شخص کو جانا ہے۔ یہ رونیکا وقت نہیں ہے۔ اپنا دل بھاری نہ کرو اور مجھے ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے گھر پہونچا دو میں تم سے چھوٹ کر ان لوگوں سے ملونگا جن کے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس رہی ہیں۔ رسول اللہ کا دیدار جس کے لئے دل تڑپ رہا ہے مجھے نصیب ہوگا اور تمہاری ماں جنکو بچھڑے مدت ہوئی مجھہ سے ملیں گی میں خوش ہوں کہ پروردگار کی حضوری جس کے واسطے سیوا کی ہے آج میوہ کھلائے گی۔ مجھکو اب اگر کوئی دکھہ ہے تو تمہاری اور تمہاری بہنوں کی مفارقت کا۔ مگر دنیا کا دستور یہی ہے اور جو وقت آج میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ ہر باپ دیکھ چکا اور دیکھیگا زخم کی تکلیف لحہ بلحہ زیادہ ہو رہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وقت مقررہ قریب آگیا۔ بچو میں تمہارے پاس تھوڑی

دیر کا مہمان ہوں۔ میری آنکھ بند ہونے کے بعد تم دونوں جہاں ان بہنوں کے بھائی ہو وہاں ان کی ماں اور باپ بھی جنسیں یتیم بچیوں کا دل بہت ذہیر ہوتا ہے جب ان کی آنکھیں جو ماں کو رو چکیں باپ کو بھی رو چکیں گی تو تمہارے سوا انکو کوئی وارث نظر نہ آئیگا۔ میں خوب جانتا ہوں تم نے اس ماں کا دودھ پیا ہے جس سے زیادہ فرض شناس عورت کارخانہ حیات میں مشکل سے ہو گی مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم اس آغوش میں پلے اور بڑے ہو جس سے بہتر آغوش اب دنیا نہیں دیکھ سکتی۔ میں اس سے بھی باخبر ہوں کہ وہ مبارک کندھے جن کے سامنے جبریل جھکتے تھے تمہاری سواری تھے اور اس سے بھی آشنا ہوں کہ تم اس قلب منور سے چمٹ کر جوان ہوئے ہو جس پر خدا کا کلام نازل ہوتا تھا لیکن پھر بھی میں اسوقت اپنی بچیوں کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیکر وصیت کرتا ہوں کہ ان کی دلداری میں کسر نہ کرنا حسنین بن ماں باپ کی بچیاں اگر ماں کے فراق میں تڑپتی ہوئی تمہارے حکم کو نہ سنیں تو درگذر کرنا اور باپ کی یاد میں بلبلاتی ہوئی بھول جائیں تو معاف کر دینا۔ مجھے جہاں اپنی بچیوں سے امید ہے کہ یہ بھائیوں کے پسینہ پر خون بہا کر ماں کے دودھ کو روشن کریں گی۔ وہاں تمہاری طرف سے بھی یقین ہے کہ ان پر اپنا جان و مال قربان کرو گے کہ ماں باپ کی روح خوش ہو

میرے سرہانے آؤ اور باآواز بلند یٰسین پڑھو کہ پرواز روح میں دقت نہ ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری ماں کی روح میرے استقبال کو کھڑی ہے اور مجھے وہ صورت نظر آ رہی ہے جسکو آنکھیں ترس رہی تھیں۔

بچوں کی حالت بہت خراب تھی وہ لپٹ لپٹ کر اور چمٹ چمٹ کر بابا کے نعرے لگا رہے تھے۔ مگر اب شیر خدا دنیا اور اس کے دھندوں سے بےخبر تھے دماغ صحیح تھا اور زبان بھی کام کر رہی تھی۔ لیکن کلام الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھا

دن کا باقی حصہ اور رات اس حالت میں بسر ہوئی۔

انیسویں رمضان کا آفتاب دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ابر غلیظ میں نمودار ہوا مسلمانوں کا جم غفیر در مرتضیٰ پر ڈاڑھیں مار رہا تھا۔ مگر شیر خدا کی زبان سے کلام الٰہی کے سوا اب کچھ نہ نکلا۔ یہاں تک کہ روح نے جسد خاکی کو الوداع کہا، بچوں کی حالت کیا تھی یہ بیان مشکل ہے۔ باپ کی رحلت نے ماں کی موت تازہ کر دی۔ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے اور روتے تھے۔ بھائیوں نے بہنوں کو گلے سے لگا کر ڈھارس دی۔ اسوقت عبدالرحمٰن بن ملجم خاموش تھا، بی بی کلثوم حضرت امام حسنؓ سے لپٹی ہوئی رو رہی تھیں کہ انکی نگاہ اسپر پڑی کہنے لگیں عبدالرحمٰن تو ہی بتا قاتل بہتر ہے یا مقتول وہ ہنسا اور ہنسکر کہا اگر مقتول بہتر نہ ہوتا تو رونیوالے اتنے نہ ہوتے۔

غسل ہو چکا تو جنازہ قبرستان کی طرف چلا اور روزہ دار میت خون میں نہائی ہوئی قبر میں پہونچی دونوں شہزادوں کی حالت خراب تھی اور گلے میں ہاتھ ڈالے رو رہے تھے۔ آفتاب کی کرنوں میں جنت کے سرداروں کا گریہ دیکھنے اور سننے کی ہمت نہ تھی اور طائران شام خلیفہ چہارم کی رحلت پر گریہ وزاری کرتے ہوئے بسیرے کی تیاریوں میں مصروف ہوئے تو فاطمہ کے لال ایک باغ میں چلے گئے جہاں کھجوروں کے جھنڈ چھائے ہوئے تھے، اور ہوا کل من علیہا فان کا نقارہ بجا رہی تھی، باغ کا مالک عقیدت کے قدموں سے آگے بڑھا اور محبت کے ہاتھوں سے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ دامن شب لحہ بہ لحہ وسیع ہو رہا تھا اور شام کی سیاہی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ شہزادوں نے روزہ افطار کیا نماز مغرب ادا کر کے جب چلنے کا قصد کیا تو مالک نے کہا یہ تھوڑی سی کھجوریں شہزادیوں کے واسطے قبول فرمائیے اور جلدی کیجئے علی کی یتیم بچیاں آج میری کھجوروں سے روزہ کھولیں، گھر میں اللہ کا نام ہوگا۔ امام حسنؓ

نے اسکی طرف دیکھا اور فرمایا خدا تیرے باغ میں برکت دے، کہ تو ہم یتیموں پر باپ کے بعد اتنی شفقت کر رہا ہے۔ مالک دیکر قدموں میں گر پڑا اور کہا۔ یہ سب آپ ہی کا طفیل ہے۔ یہ جو کچھ یہاں موجود ہے آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے میں مع گھر قربان آپ پر اور اسپر جو ہم مردوں کو دنیا میں زندہ کر گیا۔ میری ما اور بیوی جب سے عبدالرحمن نے یہ ظلم توڑا ہے چیخیں مار مار کر رو رہی ہیں آج چوتھا روز ہے کہ ہمارے ہاں کچھ نہیں پکا۔ ہمارے چولھے میں آگ نہیں سلگی جب خیال آتا ہے کہ ہمارا وہ محسن جس کے نام پر دل و جان نثار۔ پیوند زمین ہو گیا تو ہم اپنے سینوں پر گھونسے مارتے ہیں شہزادوں تمکو گلے سے لگا کر تسکین ہوئی ہے۔ جاؤ تمہارا خدا حافظ و نگہبان ہے۔

امام حسین نے مالک سے کہا کہ ہمکو باپ سے جدا کرنیوالا۔ زینب و کلثوم کو یتیم بنانے والا بھی مسلمان تھا اور محبت کا ہاتھ ہمارے سر پر رکھنے والا بھی مسلمان ہے آخر تو ہمکو بتا کہ تجھکو کونسی چیز ہماری طرف مائل کرتی ہے۔ ہم نے اس سے پہلے تیری صورت دیکھی نہ نام سنا۔ مالک بے اختیار رو دیا اور کہا جو آگ دب چکی تھی اسکو کیوں کریدتے ہو۔ جو زخم رس چکا اب اسکو کچوکے نہ دو۔ خیر تمہارا حکم ہے تعمیل کرتا ہوں اچھا سنو،

میرا باپ قبیلہ بنی اسعد کا پہلا شخص تھا جو سرور کائنات پر ایمان لایا۔ اس کے مسلمان ہونے سے تمام قبیلہ جانی دشمن ہو گیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اس نے اپنا مال و متاع اسلام پر قربان کیا اور ہر تکلیف کو راحت سمجھا جب اسکی موت کا وقت آپہنچا تو سوا اس باغ کے جسمیں تم کھڑے ہو اسکی کوئی ملکیت نہ تھی، میں آج جوانی ختم کر چکا مگر اسوقت ماں کی گود میں تھا، میرے باپ کا حقیقی بھائی جو کافر تھا اور کافر مرا اپنے بھائی کی موت کے بعد اس باغ پر قابض ہو گیا۔ اور ساڑھے چار سو درم قرض کا نکالکر یہ باغ دیا لیا۔ سنتا ہوں کہ ہم یتیموں پر متواتر فاقے گذرتے اور پانچ آدمیوں کا کنبہ میری ما اور چار یتیم دو۔ دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ ایک رات میری ما بچوں کو سلا

لئے اپنے نالوں سے زمین و آسمان کو تھرا رہی تھی کہ اسکو ایک شخص آتا دکھائی دیا۔
وہ خاموش ہو گئی مگر نو وارد کی تسکین اور ہمدردی نے قلب کا دروازہ کھولدیا۔ قربانی
آہ بن کر زبان پر آئی اور مصیبت الفاظ کا لباس پہن کر نمودار ہوئی۔ نو وارد مرد چلا ہوا
گیا اور نماز فجر کے بعد آکر کہا تم اپنا باغ لے لو میں مفلس آدمی ہوں مگر مزدوری کرونگا
اور تمہارا قرض ادا کرونگا۔ اب میرا دل تڑپتا ہے اور دھوئیں اٹھتے ہیں جب خیال
کرتا ہوں کہ اس فرشتے نے جو انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ مشکوں میں پانی
بھر کر اپنے بچوں کو بھوکا سلا کر ہمارا قرض ادا کیا اور یہ باغ ہمکو دے گیا۔ شہزادوں مجھکو
اجازت دو کہ تمہارے قدموں پر قربان ہو جاؤں ہمارے دکھ کو سکھ بنانیوالا ہماری
مصیبت میں کام آنے اور میری ماں کے ساتھ رونے والا تمہارا باپ اور ہمارا مولا
علی بن ابی طالب تھا۔ آؤ آؤ میرے قریب آؤ۔ قربان ہو جاؤں، ان قدموں پر اور
ان صورتوں پر۔

دونوں شہزادے روتے رہے اور کھجوریں لیکر آگے بڑھے تو ایک ایسی جگہ پر
پہنچے جہاں پر ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور ریگ کے تودے آسمان سے باتیں کر رہے
تھے۔ اس ریگستان میں جہاں آدمی تھا نہ آدم زاد۔ ہر سمت سناٹا چھایا ہوا
تھا۔ رات کا اندھیرا ریگ کے سفید ذروں پر غالب تھا۔ آسمان کے تارے
یتیمان علی کی خاموش رفتار پر رو رہے تھے کہ گرم ہوا کا ایک جھونکا ان کے کانوں میں
کسی انسان کی ایسی صدا لایا۔ جو درد و کرب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خاموش کھڑے تھے
کہ بھولنے کانوں میں پھر وہی آواز پہنچائی۔ دل بھر آیا اور کہنے لگے کس بدنصیب کی
آواز ہے جو شدت درد سے رو رہا ہے۔ اس کے پاس چلیں اور اس کی مدد کریں
اندھیری رات ہو کا عالم۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔ ہائے کی آواز رہ رہ کر
اور "آہ" کا نعرہ تھم تھم کر کانوں میں آرہا تھا۔ اسی آواز پر روانہ ہوئے، ہوا نے

رہبری کی تو معلوم ہوا کہ کوئی صدائے انسانی کسی بچھڑے ہوئے محبوب کی یاد میں تڑپ تڑپ کر اس میدان میں گونج رہی ہے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی جس میں ایک شخص پڑا ہوا ہائے ہائے کر رہا ہے اور کسی کو اس درد سے بلاتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دریافت کیا تو جواب ملا کہ تم لوگ اپنا راستہ لو اور میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو میں اپنے دوست سے اپنے محسن سے جدا ہوں اگر دل میں درد ہے اور ایک بدنصیب پر جس سے موت کوسوں دور بھاگتی ہے رحم کر سکتے ہو تو مجھے میرے محبوب تک پہنچا دو۔ شہزادوں نے کہا۔ انسان کی خدمت ہمارا فرض ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلئے اور منزل مقصود کا پتہ دیجئے۔ سر آنکھوں سے پہنچا دینگے۔ اتنا سنکر وہ شخص رویا اور کہا اگر پاؤں ہوتے اور چلنے کی طاقت ہوتی تو تمہاری مدد کا محتاج نہ ہوتا۔ اگر ہاتھ ہوتے اور اٹھنے کی ہمت ہوتی تو تم سے التجا نہ کرتا۔ تین سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ قدرت مجھکو ان نعمتوں سے محروم کر چکی اب میں انسان نہیں لاشہ ہوں جو چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے مجبور و معذور ہے۔ اسی واسطے میں نے تم سے بہ منت و ادب درخواست کی ہے کہ شاید تم یہ تکلیف گوارا نہ کر سکو اور مجھ اپاہج کی مدد میں تامل ہو۔ بڈھا ہوں۔ زیادہ بات نہیں کر سکتا، بیمار ہوں۔ توانائی نہیں ہے۔ مجبور ہوں دماغ صحیح نہیں ہے۔ آ آ آ بچھڑے ہوئے۔ دوست آجا۔ تیری جدائی نے زندگی وبال اور دنیا آنکھوں میں اندھیر کر دی۔ رحم کر کرم کر۔ اپنی آواز سنا کر دل کی لگی بجھا دے۔ اپنی خوشبو سنگھا کر دماغ معطر کر دے۔ آجا آجا آجا۔ میرے دوستو تمکو میری اس حالت پر ہنسی آرہی ہوگی تم اس درد سے ناآشنا ہو۔ جاؤ جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ مجھکو میرے حال پر چھوڑ دو، میں اپنے حال میں خوش ہوں اور مجھکو جو لطف دوست کی یاد میں آرہا ہے وہ اب اگر حاصل ہو سکتا ہے تو موت سے جو مجھکو میرے محبوب سے

ملا دیگی۔ مگر تمہاری آواز، کیا کہوں، اچھا جاؤ، چلے جاؤ،

متحیر اور ششدر حسنین نے کہا کہ بتائیے وہ دوست کونسا ہے اور کہاں ہے۔ ہم پہنچا دیں گے، اپنی پشت پر سوار کرینگے اور لیجائیں گے۔ بڑھے بیمار نے رو کر کہا۔ انسانیت کا یہ جوہر تیرے دوست پر ختم ہو چکا اب اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں۔ میں چند لمحہ میں تمہاری پشت پر وبال ہو جاؤں گا اور تم مجھکو ادھر میں پھینکدوگے اور مجھکو جو تھوڑی بہت امید اپنے محبوب سے مل لینے کی ہے وہ بھی ختم ہو جائیگی میں تمکو کیا بتاؤں بڑھا ہوں اس کی صورت نہیں دیکھی نام اس نے کبھی بتایا نہیں۔ کیونکر پتہ دوں کہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے تمکو میری کتھا کا یقین نہ آئے گا۔ اس زیتون کے درخت پر جو سامنے ہے بسنے والی چڑیا جب صبح کا اعلان کرتی تو "ہائے آجا آجا آجا" وہ انسانی فرشتہ مجھے اٹھا کر بٹھاتا اور وضو کراتا میں اپنے خالق کی عبادت میں مصروف ہو جاتا جب آفتاب کی شدت ہوتی اور شعاعیں تیزی کے ساتھ مجھ پر یورش کے قریب ہوتیں۔ تو گود میں اٹھا کر جھونپڑی میں پہنچاتا اور نوالے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتا۔ آآ آجا میری دوست میرے محسن آجا تم سے کیا کہوں کہ وہ کیا تھا۔ میرے پاؤں دباتا، بیماری میں دوا پلاتا اور صحت میں کھانا کھلاتا۔ تین سال سے زیادہ ہوگئے کہ اس ریگستان میں دنیا کی بہترین نعمت میرے پیٹ میں پہونچ رہی ہے مجھے اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں آج چار روز سے وہ میرے پاس نہیں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اسکو میرے پاس آنے سے نہیں روک سکتی وہ بیماری میں مجھکو نہیں بھولا رنج والم میں میری خدمت کرتا رہا اب مجھے یقین ہے کہ وہ سخت بیمار ہوا گرفتار ہوا، قید ہوا یا کوئی ایسی مصیبت آئی کہ آنے کے قابل نہ رہا اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکتا کہ تم دونوں کی آواز اس کی آواز سے ملتی ہوئی ہے

اور ہوا تمہارے جسم سے اسکی خوشبو لا رہی ہے۔ میرے بچو ں میرے قریب آجاؤ کہ میں اسکی خوشبو سے مست ہوجاؤں اور تمکو دعا دیکر رخصت کروں۔

شہزادے چیختے ہوئے آگے بڑھے اور فقیر کے گلے میں ہاتھ ڈالکر کہا آپ جس کو رو رہے ہیں وہ ہمارے باپ امیر المومنین علی مرتضےٰ تھے آج چوتھا روز ہے کہ عبدالرحمن بن ملجم نے انکو شہید کیا اور ہم ان ہی کے دفن سے فارغ ہو کر آ رہے ہیں۔ فقیر یہ سنکر بے قرار ہوگیا۔ دونوں بچوں کو کلیجے سے لگا کر چیخیں مارنے لگا اور کہا مجھکو قبر پر پہنچا دو کہ اب اس کے بعد زندگی موت سے بدتر ہے شہزادوں نے ہر چند غور کیا اور التجا کی کہ آپ گھر چلئے ہماری بہنیں اور ہم آپ کی خدمت اپنا فرض سمجھیں گے بہنیں آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائینگی۔ مگر رضامند نہ ہوا تو مجبور و لاچار اسکو لیکر قبر پر پہنچے۔ فقیر نے قبر پر فاتحہ پڑھی اور لپیٹ کر ایک آہ کی اور با آواز بلند کہا۔ بلالے اپنے پاس بلالے" اتنا کہنے کے بعد قبر سے لپٹا ہوا دروش ختم ہوگیا

امیر معاویہ کی کوششیں

حضرت علی کے بعد اب میدان بالکل صاف تھا اور امیر معاویہ کا زخم گو اچھا ہو رہا تھا مگر کسک ابھی باقی تھی، اور جس طرح ظاہری زخم کا پوری طرح اندمال نہوا تھا۔ اسی طرح اندرونی ٹیس بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ امیر معاویہ صحابہ رسول اللہ ہیں اور حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ روم قیصر پر ایران کسریٰ پر اگر فخر کرتا ہے تو عرب اپنے معاویہ پر بجا ناز کرنیکا حق رکھتا ہے کچھ شک نہیں ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور ہر شخص میں ہوتی ہیں مگر اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ امیر معاویہ کو حضرت علی کی شہادت کے بعد امام حسنؓ کی طرف سے خلافت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ مگر انہوں نے پہلے ہی اعلان کر دیا۔ کہ وہ اس خواہش سے ہزاروں کوس دور ہیں اور اس سے کوئی تعلق رکھنا

نہیں چاہتے۔ کوفہ نے جہاں اسوقت حسنین علیہم السلام موجود تھے۔ حضرت امام حسن کو بہت ترغیب دی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور امیر معاویہ کو اپنے فیصلہ کی اطلاع کر دی۔ شام میں امیر معاویہ کی پوری حکومت تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ میں حضرت علی کے بعد خلیفہ ہوجاؤں لیکن انتخاب کی بجائے تلوار کی طاقت سے۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگر انتخاب کا سلسلہ موقوف ہوگیا تو خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوکر میرے ہاں موروثی ہوجائیگی اسی واسطے انہوں نے اپنا مشیر اعظم عمرو بن عاص کو مقرر کیا اور چاروں طرف احکام جاری کر دئے کہ میری خلافت کو جو تسلیم نہ کرے اور بیعت پر راضی نہ ہو اسے گرفتار کر لو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے دم خم ابھی وہی تھے مگر پہلی لڑائیوں نے ایسا مجروح کیا تھا کہ سکت نہ تھا۔ قریب قریب سب نے اس رائے سے اتفاق کیا صرف چار شخص تھے جنہوں نے تامل کیا اور بیعت سے انکار کیا

امام حسین، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمن بن ابوبکر۔ عبداللہ اور عبدالرحمن خلیفہ اول و دویم کے صاحبزادے ہیں۔ امام حسین خلیفہ چہارم کے اور عبدالرحمن بن زبیر، ان زبیر بن العوام کے جن کے مفصل حالات اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ امیر معاویہ کو ان چاروں کی طرف سے پورا اندیشہ ہوا اور وہ سمجھے کہ یہ معمولی آدمی نہیں۔ پایہ کے لوگ ہیں۔ اور اتنا اثر رکھتے ہیں کہ اگر بگڑ گئے، تو مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ احکام اپنے عاملوں کے نام بھیج دیئے کہ جس طرح ہو ان چاروں سے بیعت لو ممکن تھا کہ امیر معاویہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوجاتے۔ مگر ان کو سب سے بڑا فکر یہ ہوا کہ میں بڈھا ہوں اور موت سر پر آپہنچی۔ یزید اگر میرے سامنے ہی تخت نشین ہوجائے تو اچھا ہے۔ اسلئے انہوں نے بجائے اپنے یزید کی بیعت

لینی چاہی۔ ان کی اس خواہش کی مخالفت سب سے پہلے ان کے ہی گھر سے شروع ہوئی اور وہ اس طرح کہ امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان کی دوسری بیوی سے ایک بیٹا زیاد تھا۔ اور یہ اس عبیداللہ کا باپ تھا جس نے امام حسین کو کربلا میں شہید کیا۔ اس عبیداللہ کے باپ زیاد نے امیر معاویہ کی اس تجویز سے کہ بیعت یزید کی کیجائے مخالفت کی اور کہا کہ یزید ہر وقت شراب کے نشہ میں مست رہتا ہے۔ خدا کا وہ نہیں، رسول کا وہ نہیں مسلمانوں کی خلافت سے اسکو واسطہ کیا۔ مگر معاویہ کے مقابلہ میں زیاد کی کیا چلتی۔ بیعت کی کوشش اسی کے واسطے کی گئی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور ان چاروں بزرگوں نے یہی عذر کیا کہ یزید کے اعمال خلافت کے لایق نہیں۔ امیر معاویہ عمرہ کے بہانہ سے مکہ معظمہ چلے اور راستہ میں مدینہ منورہ میں بھی قیام کیا اور چاروں سے علیحدہ علیحدہ بیعت یزید کے متعلق گفتگو کی۔ امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے بیعت یزید میں عذر نہیں۔ اگر یہ تینوں صاحب رضامند ہوجائیں تو میں حاضر ہوں۔ یہ ہی جواب ان تینوں نے دیا۔ اور اب امیر معاویہ کو یقین ہوگیا کہ یزید کی بیعت آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے کوئی معقول تدبیر کرنی چاہیئے۔

شہادت حضرت امام حسن

حضرت امام حسن علیہ السلام لڑائی جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ تھے اور انہوں نے امیر معاویہ کے جواب میں کھلا بھیجا تھا کہ مجھے ان معاملات سے سروکار نہیں، البتہ میری دو خواہشیں ہیں ایک یہ ہے کہ میرے اہل وعیال کیواسطے وظیفہ مقرر کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ میرے باپ کے متعلق جو الفاظ ناشائستہ استعمال کئے جاتے ہیں اس سے باز آؤ۔ معاویہ نے دونوں شرطیں منظور کرلیں مگر پھر بھی دل میں کھٹکا موجود تھا کہ نہ معلوم کس وقت امام حسن کی طرف سے کوئی کل کھلجائے۔ رسول اللہ کے نواسے علی کے

صاحبزادے انکے اشارے کی دیر ہے۔ رعیت باغی ہوجائے گی چنانچہ بہت سی تدابیر کے بعد ایک ایسا موقعہ ہاتھ آگیا جس میں کامیابی کی امید تھی اور وہ یہ کہ جعدہ بنت اشعث جسکا دوسرا نام اسماء تھا اور جو آپ کے نکاح میں تھی اسوینہ نامی ایک لونڈی کی وساطت سے زہر دینے پر آمادہ ہوگئی۔

چشم فلک دنیا کے مختلف النوع تماشے دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے آسمان روتا ہے اور ہنستا ہے۔ بلبلاتا ہے اور قہقہے لگاتا ہے جب دیکھتا ہے کہ کس طرح یہ زندگی کے بازیگر ایک محدود دائرہ میں جذبات سے مغلوب ہوکر ضرورتیں پیدا کرتے ہیں اور فانی خواہشوں پر کیسی کیسی زبردست قربانیاں کرتے ہیں۔ پانی کے ایک قطرہ کے واسطے چند روز زندہ رہنے والا انسان کیسی بیدردی سے خون کے پیالے بہا دیتا ہے اور محض بات کی پیچ پر وہ زندگی جس کے سر پر موت ہنس رہی ہے دوسری زندگیوں کو لہولہان کردیتی ہے آج ماتا میں ڈوبے ہوئے ہاتھ جس بچہ کو لوری دیکر تھپکتے ہیں وہ اسی دنیا کے ہیں اور جس بچہ کے سر پر لاتعداد ارمانوں سے شادی کا سہرا باندھتے ہیں وہ بھی اسی دنیا کے اور کل بچہ کو ابدی نیند سلا دینے والے ہاتھ بھی اسی دنیا کے ہیں اور سر کو خون خون کردینے والے ہاتھ بھی اسی دنیا کے۔

کل جس کی پیدائش پر کنبہ مبارکبادیں دے رہا تھا۔ ماں باپ نہال نہال تھے، جس کے وجود نے دنیا کے بہترین انسان اور خدا کے محبوب کو باغ باغ کردیا تھا اس کا صرف کلمہ پڑھنے والے نہیں اس کے فیض سے متمتع ہونیوالے اس کا نام جپنے والے اس کے دسترخوان سے پیٹ بھرنیوالے اس سے شفاعت کی امید رکھنے والے اس کے لال کو زہر دینے کی تدبیر مکمل کرتے ہیں

رات کی خاموش گھڑیاں پر وہ دنیا پر آہستگی کے ساتھ گذر رہی ہیں پورے دو پہر ختم ہوجانے کے بعد افواج فلکی میں ہل چل مچی اور سپہ سالار عساکر سماوی بساط فلک پر مڑدا

ہوا کہ زندگی کا وہ تماشا دیکھے جو انسانیت کے معنے بتا رہا ہے۔ امام حسن بے خبر پڑے سوتے ہیں اور اسلئے کہ رات کو پانی پینے کی عادت ہے۔ جعدہ پانی کے برتن میں زہر ملا کر چپکی لیٹ جاتی ہے۔ مگر نیند کہاں کروٹیں لیتی ہے اور اس وقت کا انتظار کرتی ہے جب تدبیر پوری ہو اور کامیابی کے آثار نظر آنے لگیں۔ رات کا تیسرا حصہ بھی ختم کے قریب پہنچا اور وہ ساعت بھی آگئی جب سرہانے رکھا ہوا پانی پیٹ میں پہنچکر کلیجہ کاٹ دے آنکھ کھلی تو حسب دستور پانی پیا۔ مگر چند ہی قطرے داخل ہوئے تھے کہ ہائے کی آواز نے سونیوالوں کو ہشیار کیا۔ گھبرا کر دوڑے اور آکر دیکھا تو پانی اور پانی کے ساتھ پینے والے کا رنگ سبز ہو چکا تھا، قے کے ساتھ کلیجہ اور انتڑیوں کے تھتلے کے تھتلے نکل رہے تھے

اس سے زیادہ دردانگیز گھڑیاں دنیا کے پردہ پر کم آئی ہونگی کہ جن بہنوں اور بھائیوں کو باپ محبت و اتفاق کی وصیتیں کرکے سدھارا وہی بہنیں اور وہی بھائی بھائی کے کلیجہ کے ٹکڑے دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے بہنیں لپٹ لپٹ کر رو رہی ہیں۔ مگر بے بس ہیں۔ بھائی چپٹ چپٹ کر آنسو گراتا ہے لیکن بے اختیار ہے۔ صبح ہو چکی دنیا کے بسنے والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اور علی کا خاندان جو ابھی اپنے سرتاج کی موت پر پوری طرح رو بھی نہ چکا تھا اپنی کشتی کے ناخدا امام حسن کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ زندگی سے مایوس ہو کر امام عالی مقام نے ام کلثوم کے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔

ماں جائی! زہر تلوار کی طرح اندر ہی اندر کاٹ رہا ہے۔ اب تکلیف قابل برداشت نہیں۔ دعا کرو۔ کہ خدا جلد خاتمہ بالخیر کرے ماں اور باپ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں خدا تمہارا بہتر وارث ہے دیکھو دشمن خاندان رسالت کی بربادی پر کمر بستہ ہیں میرے بعد حسین اکیلا بتیس دانتوں میں ایک زبان ہے۔ ہر طرف سے یورش ہو گی اور پاؤں تلے کی چیونٹی بھی دشمن ہوجائیگی بنو فاطمہ کے تاراج کرنے میں وہی مسلمان جو نانا جان کا کلمہ

پڑے رہے ہیں، منتقل ہو جائیں گے۔ مجھے اپنی موت کا ملال نہیں۔ مگر حسین ہائے میرا بھائی حسین جسکا ہاتھ باپ نے میرے ہاتھ میں دیا تھا تنہا دیکھ رہے اور کوئی اتنا بھی نہیں کہ نیک صلاح اور مشورہ سے اس کی مدد کرے۔ میں فاطمہ کے خاندان کو اب تیرے حوالے کرتا ہوں، زینب تیری مددگار ہوگی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آل فاطمہ کا اب کیا حشر ہو۔ دیکھو یہ جیتا خون اس گوشت کا ہے جسے رسول اللہ نے بوسے دئے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس سازش کا شکار ہوا مگر نہیں چاہتا کہ اس کو بیان کروں سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا احکم الحاکمین ہے اور وہی جزا سزا کا مالک ہے۔

بھائی کی گفتگو سنکر امام حسین علیہ السلام بیتاب ہوئے اور دوڑ کر لپٹ گئے اس وقت قے کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔ اور پیٹ کا تمام خون حلق کے راستہ نکل چکا تھا ناتوانی حد سے گذر گئی تھی اور رنگ بالکل نیلا ہو چکا تھا۔ اب آپ نے سب کو ہٹا کر اسماء یعنی جعدہ کو تنہا بٹھایا، کہا، جس جھوٹی دولت اور عارضی عزت کی توقع پر تُنے مجھ کو زہر دیا وہ پوری نہ ہو گی۔ دشمن نے تجھکو فریب دیکر اپنا کام کیا تو غور کر اس نازک گھڑی کا جب خدا کا سامنا ہوگا اس وقت تو اس ظلم کا کیا جواب دیگی۔ میں نے تجھکو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی اس کا بدلہ تو نے مجھ کو یہ دیا ہیں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ مجھ بیگناہ کا خون رنگ لائیگا اور تمام عرب میں تیری ذلت و رسوائی ہوگی۔ اچھا رخصت ہو۔

جعدہ ندامت کے قدموں سے باہر نکلی اور شرمندگی کے آنسوؤں سے آگے بڑھی تو امام حسین علیہ السلام بھائی سے لپٹے اور کہا کہ للہ قاتل کا نام بتاتے۔ آپ نے اس وقت بیں مسکرا کر فرمایا۔ خدا بہتر سزا دینے والا ہے۔ تم اس کو اذیت نہ دینا۔ اس کے بعد آپ کی حالت غیر ہوگئی۔ بہن اور بھائی چاروں طرف کھڑے تھے۔ آپ نے ان سب سے خطاب کیا کہ ماں اور باپ کے بعد آج میرا سایہ بھی تمہارے سر سے اٹھتا ہے۔ اور تمہارا وارث

خدا کے سوا کوئی نہیں تم سب اس کے سپرد ہو، اس کے بعد آپ نے کلمہ طیبہ پڑھا، اور امام حسین کی گود میں سیدہ کے کلیجہ کا ٹکڑا دنیا سے رخصت ہوا۔

رسول عربی کا کلمہ پڑھنے والے مسلمانو! آنکھوں سے کام لے چکے اب ذرا دماغ پر زور دو۔ اور پرواز تخیل کو آج سے چالیس سال قبل کی ایک رات تک پہنچا دو یہاں تم کو وہ سماں نظر آئیگا کہ بلبلا اٹھو گے۔ آنکھیں عالم خیال میں ایسی متبرک صورتیں سامنے لائیں گی کہ عقیدت دل کے ٹکڑے اڑا دیگی۔ محبت ہزار جان سے قربان ہو گی اور شوق پروانہ وار نثار ہو گا۔ معلوم ہے کہ کس مقام پر ہو جن گلیوں کی خاک آنکھ کا سرمہ ہے جس کی زمین آسمان سے افضل، یہ وہ جگہ ہے جہاں دونوں جہان کا بادشاہ ہمارا مولا اور خدا کا پیارا، نبیوں کا سردار اور پیغمبروں کا ہمرتاج اشاعت اسلام میں سرگرم ہے دنیا اس کے منہ سے جھڑتے ہوئے پھول اپنی گود میں لے رہی ہے۔ توحید کا ڈنکا تمام عربستان میں بج رہا ہے اور رسالت کی صدائیں زمین کے ذرہ ذرہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ صبح صادق کا سہانا وقت ہے چکی پیس پیس کر خدا کا نام جپنے والی فاطمہ اور مشکیں ڈھو ڈھو کر پیام رسالت پہنچانے والا علی لڑکے کے ماں باپ بن چکے ہیں۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے کان میں شافع محشر نے اذان دی۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے منہ کو محبوب خدا لعاب دہن دے رہا ہے۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے رونگی آواز پر خدا کے رسول نے خدا کے گھر میں خدا کا کلام چھوڑ دیا۔ وہ بچہ جو نماز میں پشت رسول پر سوار ہے۔ وہ بچہ جو نزول وحی کے وقت گود میں لڑائی کے موقع پر کندھے پر گھر میں سینے پر اور باہر ہاتھوں پر رہا وہ بچہ جس کی پیدائش پر زبان مبارک سے یہ الفاظ فرمائے تھے جو میرا وہ اس کا جو اس کا وہ میرا۔

مسلمانو! انصاف کی آنکھوں سے دیکھو اور ایمان کے دماغ سے فیصلہ کرو کتنا دردانگیز منظر اور موثر سماں ہے آسمان مدینہ پر گھنگھور گھٹا چھا چکی ہے موسلا دھار بارش

ہو رہی ہے۔ بجلی کی کڑک ہے۔ بادل کی چمک ہے اور مسجد نبوی میں خدا کا رسول ایک بچہ کو آغوش میں لئے اللہ اللہ کر رہا ہے۔ ثنا اس آغوش کے اور قربان اس معصوم کے، سلام اس لال پر اور درود اس لال والے پر بادل کی کڑک ختم نہ ہوئی تھی کہ ہوا کے فراٹے میں اماں اماں کی صدا مسجد میں پہنچی اور وہ پلسئے ثبات جن کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکی، اما متا کے جوش میں اپنی جگہ سے سرکے اور خدا کا رسول بچہ کو سینہ سے چمٹائے اسی کڑک اور چمک میں اسی مینہ اور ہوا میں ہنستا اور ہنساتا گھر میں داخل ہوا۔ رونے والی آنکھوں سے حقیقی نگاہیں بلند کرو اور دیکھو کہ یہ تیرہ و تار گھر کس کا ہے! یہ تڑیدپکانے والی خاتون کون ہے، دروازہ پر نگاہ اور آہٹ پر کان کس کے ہیں؟ درود و سلام آنے والے پر اس گھر پر اور گھر والوں پر، مردوں پر اور عورتوں پر۔ یہ بنت الرسول کا گھر ہے۔ یہ منتظر آنکھوں سے بچہ کی راہ دیکھنے والی خاتون۔ خاتون جنت ہے اور بچہ کو ماں کی گود میں دینے والا انسان ہادی برحق اور پیغمبر آخر الزماں ہے۔

وہ سماں ختم ہو چکا جبعدہ کے زہر کا شہید قبر میں دفن ہو رہا ہے۔ یہ میت کس کی ہے؟ اس حسن کی، رسول عربی کے دوش مبارک جس کی سواری تھے، فاطمہ جس کی دودھ پلانے والی اور علی جس کا پرورش کرنیوالا۔ یہ زہر کس نے دیا اور دلوایا؟ ان ہی لوگوں نے جو اس کے نانا کا کلمہ پڑھتے ہیں اور قیامت کے روز شفاعت کے امیدوار ہیں۔

امیر معاویہ کی آخری کوشش اور موت

امیر معاویہ کی عمر اسوقت نوے سال کے قریب تھی اور کندھے کی ہڈی جو کٹ چکی تھی۔ بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یزید کی خلافت اپنی آنکھ سے دیکھ لوں۔ اور جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہ میرے سامنے اس کے دوست ہو جائیں

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے موت نے آدبایا۔ اور جب انکو یقین ہو گیا کہ اب بچنا ممکن نہیں۔ بستر مرگ پر یزید کو بلا کر کہا میں اتنا کام کر چلا ہوں کہ تجھکو خلافت کے ملنے میں زیادہ دقت نہوگی۔ مگر تو پہلا کام یہ کیجو کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے نقش قدم پر چلیو۔ اسوۂ حسنہ تیرا عمل ہے اور کلام الٰہی تیرے پیش نظر۔ امیر معاویہ کی بات ختم نہوئی تھی کہ یزید بات کاٹ کر بولا۔ مجھے خلیفہ اول ودوئم سے بحث نہیں ہاں کلام الٰہی پر چلنے کی کوشش کرونگا۔ آگے کہئے یزید کے اس تلخ رویہ کا امیر معاویہ پر بہت اثر پڑا مگر جانتے تھے کہ صرف چند لمحہ اور باقی ہیں اسلئے وصیت کو ان الفاظ پر ختم کر دیا واقعات بتاتے ہیں کہ تیری لڑائی امام حسین سے ہوگی تو جانتا ہے وہ غیر نہیں عزیز ہیں اور رسول اللہ کے نواسے۔ وہ مغلوب ہوں گے کیونکہ تیرے ساتھ لشکر کافی ہے۔ غالب ہونے کے بعد انکے احترام میں فرق نہ آئے۔ تیری لڑائی عبداللہ بن زبیر سے اگر ہو تو اسکو زندہ نہ چھوڑیو۔

امیر معاویہ کی اس وصیت کا کوئی جواب نہ ملا۔ یزید شکار کو روانہ ہو گیا اور امیر معاویہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

امیر معاویہ کے کارنامے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے سامنے ہیں حضرت عمر کا یہ قول کہ عرب اپنے فخر کر سکتا ہے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اس کے ساتھ ہی طبری کے یہ الفاظ بھی لکھتے ہیں کہ ان میں بعض ایسے عیوب تھے جو قلم ادا نہیں کر سکتا منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ دستر خوان پر کھانے والوں کے نوالے گن کرتے تھے۔

یزید کی حکومت

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہ جاری کیا کہ عبداللہ بن زبیر، امام حسین، محمد بن ابی بکر، اور عبداللہ بن عمر چاروں سے میری بیعت لو اور اگر ان میں سے کوئی بھی انکار کرے تو فوراً قتل کر دو۔ تخت نشینی کے بعد وہ شراب اس کثرت سے پینے لگا کہ کوئی لمحہ

خالی نہ جاتا۔ شب و روز نشہ میں مست رہتا اور جن عورتوں سے قرآن نے نکاح کی ممانعت کی تھی ان سے نکاح جائز سمجھتا۔ اس کے احکام کی خبران چاروں کو پہونچی عاملان مقررہ بیعت کی کوشش میں سرگرم ہوئے۔ اور عامل مدینہ نے اس حکم کے اعلان کے ساتھ چاروں کو طلب کیا تو عبداللہ بن زبیر راتوں رات مکہ چلے گئے اور عبداللہ ابن ابی بکر بھی وہیں پہونچ گئے اور یہ جواب دیدیا کہ اگر تینوں آمادہ ہو جائیں تو ہمکو عذر نہیں۔ عبداللہ بن زبیر پہلے سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ یزید کے تخت نشین ہوتے ہی یہ گل کھلے گا چنانچہ انہوں نے مکہ میں لڑائی کا پورا سامان کر رکھا تھا اور جمعیت انکی مدد کو تیار تھی۔ عامل مدینہ نے یزید کو اطلاع دی کہ یہ سب مکہ پہونچ گئے اور بیعت سے انکار کرتے ہیں

یزید یہ خبر سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ مروان کو سپہ سالار مقرر کیا اور ایک بڑا لشکر اسکی سرکردگی میں مکہ معظمہ روانہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس لڑائی میں عبداللہ بن زبیر کا ساتھ نہ دیا اور کہہ دیا میں لڑائی کے قابل نہیں ہوں۔ صرف اطمینان سے اللہ اللہ کرنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن زبیر مقابلہ کے واسطے تیار ہو گئے۔ چار روز تک مروان نے مکہ کا محاصرہ کیا چوتھے روز عبداللہ بن زبیر کھلے میدان میں نکل آئے، اور شدت سے حملہ کیا۔ مروان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یزید نے ایک جماعت اپنے سپہ سالار کی کمک کے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ مروان کے پاؤں اکھڑتے ہی یہ لوگ پہنچ گئے۔ مگر عبداللہ بن زبیر کا لشکر وافر تھا۔ اس کمک کو کچلتا ہوا آگے بڑھا یزید کے سپہ سالار کو زندہ گرفتار کر لیا اور مار ڈالا۔

حصہ اول ختم ہوا

تاریخ شہادت

یا

سیّدہ کا لال

دوسرا حصہ

مراثی کربلا

از

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

معرکۂ کربلا کی اہم شخصیتیں

حضرت امام حسین	سرورِ کائنات کے نواسے اور حضرت علی اور سیدۃ النساء کے لختِ جگر
حضرت عباس	حضرت امام حسین کے علاتی بھائی۔
حضرت علی اکبر	حضرت امام حسین کے بڑے لڑکے
حضرت زین العابدین (عابد بیمار)	حضرت امام حسین کے منجھلے لڑکے
حضرت علی اصغر	شیر خوار لڑکے
حضرت عون و حضرت محمد	بی بی زینب کے لڑکے حضرت امام کے بھانجے
حضرت قاسم	حضرت امام حسن کے لڑکے۔
حضرت مسلم	حضرت امام حسین کے چچا زاد بھائی
حضرت محمد و حضرت ابراہیم	حضرت مسلم کے لڑکے
حضرت حُر	ایک شامی افسر جو بعد میں امام کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے

حرمِ امام

بی بی زینب	حضرت امام حسین کی حقیقی بہن
بی بی شہر بانو	حضرت امام حسین کی بیوی
بی بی صغرا	حضرت امام حسین کی بیٹی

یزیدی لشکر

عبید اللہ ابن زیاد	کوفہ کا گورنر، یزید کا نائب
عمرو بن سعد	سپہ سالار افواج
شمر، خولی، سنان، حرملہ بن کاہل	افسران افواج

دوسرا حصہ

مرانی کربلا

اب وہ حالات شروع ہوتے ہیں جن کے خیال سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ ایک سیدہ کے لال کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر نکل آئیں اور اس وقت تک میدان کربلا میں چمکتی رہیں جب تک امام حسین کا سر تن سے جدا نہ ہو گیا۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ صرف یہ سمجھنے کے واسطے تھا کہ کربلا کے خونین واقعہ کے اسباب کیا تھے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی حیثیتیں کیا تھیں اور حضرت علی کے بعد خلافت کس طرح بادشاہت میں تبدیل ہوئی

کوفہ والوں کا حضرت امام حسین کو طلب کرنا اور حضرت مسلم کا جانا

حضرت امام حسین بیعت یزید پر لعنت بھیج کر مکہ چلے گئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ سب کے ساتھ بیعت کیلئے میں کہاں تیار ہوں۔ مکہ میں عبداللہ بن زبیر کی فتح نے ادھر تو یزید کا زور ڈھا دیا اور ادھر کوفیوں کے دل گردے بڑھا دئے۔ یزید اس فکر میں رہا کہ کسی طرح عبداللہ بن زبیر اور امام حسین سے اس شکست کا بدلہ لوں اور کوفہ والے اس خیال میں کہ کسی طرح امام حسین کو بلا کر خلیفہ بنا لیں۔ اگر ضرورت ہو تو یزید سے مقابلہ کریں اور اس کا قلع قمع کر دیں۔ ادھر یزید کی طرف سے مکہ کے خلاف کارروائی زیر غور تھی کہ کوفہ والوں نے اپنے جوش میں امام حسین کو یہ خط لکھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ گرچہ زیادہ نہیں مگر بڑے بوڑھوں میں ابھی ایک آدہ آدمی ایسا بھی زندہ ہے جو آپ کے جد امجد کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوا اور اپنا گھر بار خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد اور بھائی اسلام پر قربان کئے اور کوفہ کی شرم رکھی ان کے علاوہ ہم خود وہ ہیں جو آل رسول پر فدا ہونا فخر سمجھتے ہیں، آپ کو اچھی طرح علم ہے۔ صفین اور جمل میں ہم نے شیر خدا کے ساتھ کیسی کیسی خدمات انجام دیں۔ ہم بنی ہاشم کے عاشق اور بنو امیہ کے جانی دشمن ہیں۔ اسوقت جبکہ یزید تخت نشین ہوا اور خلافت کا اعلان کر دیا ہماری عزت وحمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یا تو خلافت کو ایسے ظالم دغا صب کے پنجہ سے چھڑائیں یا خود مر جائیں۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو کوفہ تشریف لے آئیں۔ یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپ کے نام پر جانیں دینے کو تیار ہیں اور اپنی زندگی کا پہلا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ کسی طرح یزید کو اسکی نالائقی کی کافی سزا دیں۔ آپ نے اگر آنے میں دیر کی تو ممکن ہے کہ یزید کے منصوبے پورے ہو جائیں اور وہ اپنی فوج یہاں بھیجدے اس لئے تاخیر سے کام نہ لیجئے۔ اور فوراً ادہر روانہ ہو جائیے۔

امام حسین علیہ السلام کو کوفہ والوں کی طبیعت کا حال معلوم تھا مگر سنا ہوا ذاتی تجربہ نہ تھا اس لئے وہ عادت وطبیعت کو بھول گئے اور چونکہ خود بھولے بھالے تھے، کوفیوں کے خط کا یقین کر لیا۔ مکہ والوں نے یہ کیفیت دیکھ کر ایک جلسہ کیا اور امام علیہ السلام کو سمجھایا کہ آپ ہرگز کوفہ کا قصد نہ فرمائیے اور یہاں قیام کیجئے اور اطمینان رکھئے کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے۔ آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ابھی جلسہ ختم نہ ہوا تھا، کہ کوفیوں نے ایک اور خط بھیجا کہ مسلمانوں پر رحم فرمائیے اور خلافت کو سنبھالئے ہم سب

جان نثاری کے واسطے حاضر ہیں۔ سیدھے سادے امام نے کوفیوں کی دعوت منظور کی مگر اہل مکہ کی صلاح سے قرار پایا کہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو روانہ کر دیجیے۔ وہاں کا رنگ دیکھکر جو کچھ لکھیں اسپر عمل کیا جائے اس موقعہ پر مکہ کے بعض دوراندیش اور معمر حضرات نے مخالفت کی اور کھلم کھلا کہدیا کہ حضور اکرم کے زمانہ حیات سے اب تک کوفہ والے کبھی اپنی بات پر قائم نہ رہے اور ہمیشہ دھوکا دیا۔ اب ان کی فطرت نہیں بدل سکتی اور جس کا تجربہ ہوچکا ہے اس کا دوبارہ تجربہ کرنا غلطی ہے۔ اس کوشش کا نتیجہ رنج و افسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ مگر کوفہ والوں نے کچھ ایسا اظہار عقیدت اور خواہش بیعت کا یقین دلا دیا کہ امام حسین ان کے پنجہ سے نہ نکل سکے اور حضرت مسلم کو کوفہ روانہ کردیا ان کا کوفہ میں داخل ہونا تھا کہ چاروں طرف سے آدمی پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور حضرت مسلم کو یقین ہوگیا کہ کوفے والوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ دل سے تھا اور غلط نہ تھا۔ سات گھنٹہ میں بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور ہر سمت سے لوگ آآکر جمع ہونے شروع ہوگئے۔ حضرت مسلم اب کس طرح بدگمان ہوسکتے تھے۔ بالخصوص اسوقت جبکہ ان لوگوں نے خود ہی درخواست کی کہ ہم اپنا خون پسینہ ایک کردینگے۔ مگر یزید کی خلافت قبول نکرینگے۔ یہ حالات دیکھکر حضرت مسلم نے فوراً ایک خط امام حسین علیہ السلام کو لکھا کہ کوفہ والے ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہیں۔ بارہ ہزار آدمی بیعت کرچکے اور ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ بیعت کیواسطے تیار ہیں۔ آپ شوق سے تشریف لائیے اور ان لوگوں کی درخواست قبول کیجئے، خط روانہ کرنے کے بعد ہانی نے جن کے مکان پر مسلم ٹھیرے ہوئے تھے ایک جلسہ کی تجویز کی اور اس جلسہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مسلمان جمع ہوگئے اور قریب قریب سب نے حلفیہ اقرار کیا کہ ہم سب حضرت امام پر جانیں قربان کرنیکو تیار ہیں، جوش کا یہ عالم تھا کہ پچاس آدمیوں کا ایک دستہ اسی وقت حضرت امام حسین کی پیشوائی اور ہمراہی کے واسطے مکہ روانہ ہوا۔

امام حسین نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ جائیے میں بہت جلد کوفہ پہونچوں گا۔ اہل کوفہ نے یہ سنکر ایک اور قاصد روانہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اب بغیر امام حسین کو ساتھ لئے وہ واپس نہو اس قدر اصرار کے بعد اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ امام حسین کوفہ کو روانہ ہوں

کوفہ میں بنی امیہ امام حسین کا یہ اعزاز اور احترام دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگے اور سمجھ گئے کہ خلافت یزید کے ہاتھ سے چلی۔ اسوقت کوفہ میں یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر عامل تھے۔ انکو سب کیفیت معلوم تھی۔ مگر چونکہ اہل بیت رسول اللہ سے سچی محبت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ یزید کی خلافت اسلام کی تباہی کا باعث ہے۔ اس لئے خاموش تھے، بنی امیہ نے ان کو آکر اطلاع دی کہ امام حسین کی بیعت کے واسطے قریب قریب تمام کوفہ تیار ہے اور مسلم کے ہاتھ پر ہزارہا مسلمان بیعت کر چکے۔ اگر اب بھی ہوش ہے تو فوراً حضرت مسلم کو قتل کردو۔ اور اگر قتل کرنا مناسب نہیں تو گرفتار کرو۔ اور اس بغاوت کو فرو کرو۔ نعمان نے ان لوگوں کی تجویز یہ کہہ کر اڑا دی کہ خلافت اور عقیدت علیحدہ چیزیں ہیں حکومت کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں، بنو امیہ نعمان کی یہ خاموشی دیکھ کر اس کے دل کا مطلب سمجھ گئے۔ اور فوراً دو قاصد یزید کے پاس روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ نے نعمان کا خاتمہ اور مسلم کو قتل نہ کیا تو خلافت رخصت ہوئی، قاصد پہونچے تو یزید شراب کے نشہ میں چور تھا۔ کوفہ کی خبر سنتے ہی دانت پیستا ہوا اٹھا اور حکم دیا کہ سرجون کو بلاؤ۔ یہ شخص بنی سرجون ایک غلام تھا مگر امیر معاویہ تک کے مزاج میں اس قدر دخیل تھا کہ میدان جنگ کے معاملے اسکی رائے سے طے ہوتے تھے، جب یزید نے اس سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنے ہی خاندان کے خلاف ہیں اور جس درخت کی جڑ کمزور ہے اس کی شاخیں کبھی بار آور نہیں ہو سکتیں۔ مجھے معلوم ہے کہ زیاد نے آپ کے والد مرحوم کو جب انہوں نے آپ کے واسطے خلافت کی کوشش کی تو آپ کے خلاف رائے دی۔ آپ پر اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ اس سے سیدھے موںھ بات بھی نہیں

کرتے اور اسکو اپنا عزیز سمجھنا کسر شان خیال فرماتے ہیں لیکن یہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خاندان کی متفقہ طاقت کے بغیر بنی ہاشم کو ہرگز نہیں دبا سکتے، عبیداللہ لونڈی بچہ ہو یا اس سے بھی ذلیل مگر عزیزوں میں اور لشکریوں۔ اپنوں میں اور غیروں میں اس سے زیادہ بہادر اور مدبر آدمی نہیں ہیں۔ اگر آپ اس قضیہ کو دبانا چاہتے ہیں تو اس کا حل ہاتھ میں لیجئے۔ اسکے سپرد یہ کام کیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ کیا ہوتا ہے اور کس طرح چٹکی بجاتے ہیں تمام مشکلات رفع ہو جاتی ہیں۔ ورنہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس آگ کا بجھانا آسان کام نہیں۔ آپ کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر مجھے معلوم ہے کہ کوفہ بصرہ عراق سب امام حسین کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو اس کا ثبوت مل گیا کہ ابن زبیر نے آپکی فوج کو کس ذلت سے پسپا کیا اور مکہ سے نکال باہر کیا۔

سرجون کی تقریر یزید کے دل میں اتر گئی اور اس نے اسی وقت عبیداللہ ابن زیاد کو بلا کر کوفہ اور بصرہ کا عامل مقرر کیا اور تاکید کر دی کہ ان چاروں میں سے جو بیعت سے انکار کرے اس کا سر کاٹ کر روانہ کر دے۔ اس تقرر نے عبیداللہ کو باغ باغ کر دیا۔ حوصلے بڑھ گئے اور وہ اچھلتا کودتا حاکم کی حیثیت سے کوفہ روانہ ہوگیا

عبیداللہ ابن زیاد کا تقرر اور حضرت مسلم کی شہادت

عبیداللہ بھاگم بھاگ بصرہ پہنچا۔ یہاں کوفیوں کا قاصد امام حسین کا خط اہل بصرہ کے نام لایا تھا اور بصرہ والے امام کی بیعت کو تیار رہتے۔ عبیداللہ نے فوراً قاصد کو گرفتار کیا اور خط قبضہ میں کیا رات ہی کو یزید کا ایک اور حکم عبیداللہ کے نام پہونچا کہ سنا ہے کہ امام حسین اور مسلم کوفہ پہنچ گئے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو بیعت کی اطلاع یا دونوں کا سر روانہ کرو۔ عبیداللہ نے علی الصباح ایک جلسہ منعقد کیا اور اہل بصرہ سے کہا" تم لوگوں کو اول تو معلوم ہو گا اور اگر معلوم نہیں تو اب معلوم ہو جانا چاہئے کہ میرا نام عبیداللہ بن زیاد ہے۔ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کے نام سے آسمان و زمین

دو نو تھراتے ہیں۔ میں اس زیاد کا لڑکا ہوں جس کی تلوار نے اس سرزمین پر خون کے پرنالے بہائے ہیں۔ اس کی شجاعت اور حسن انتظام کا ڈنکا ایک عالم میں بج رہا ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ رحم و مروت، درگذر اور رعایت ہمارے خاندان میں چھو تک نہیں گئی۔ مجھ سے کوئی غلط توقع قائم نہ کرنا۔ میں عبیداللہ بن زیاد ہوں اور یہ میری تلوار جس وقت میان سے باہر ہوئی تو انسانی خون کے چاٹے بغیر میان میں نہیں آسکتی چنانچہ اسوقت بھی تم اس کا تماشا دیکھو گے۔

تم نے سنا ہوگا کہ علی کا لڑکا حسین باغی ہو گیا اور اس نے خلیفہ یزید کے خلاف خروج کیا ہے اور میں اس کام کے واسطے مقرر ہوا ہوں کہ ابن علی کو اس کی بغاوت کا پورا مزہ چکھا دوں۔ اب تم سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور کیا کرونگا۔ اگر تم میں سے کسی نے مجھ سے اختلاف کیا یا اشارۃً بھی مجھے کسی کی نافرمانی کا علم ہوا تو وہ گردن مار دیا جائیگا اور جب تک میں سزا نہ دے لونگا چین سے نہ بیٹھونگا۔

عبیداللہ کی تقریر سے بچارے بصرے والوں کے ہوش اڑ گئے کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ عبیداللہ نے کہا "اب تم میری تلوار کا تماشہ دیکھو" اتنا کہہ کر اس نے حکم دیا۔

حسین کا قاصد گو ایچی ہے مگر میری تلوار باہر آچکی اسلئے اسکو سامنے لاؤ۔ اور جلاد کو بلاؤ کہ میں اپنے ہاتھ سے ایسے ذلیل کو قتل نہ کرونگا۔ لوگ خاموش کھڑے تھے کہ اس نے جلاد کو حکم دیا۔ "میری تلوار سے حسین کے قاصد کی گردن اڑا دو" حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس قتل کا یہ اثر ہوا کہ تمام بصرے میں سناٹا چھا گیا اس کے بعد عبیداللہ کوفہ روانہ ہوا۔

رستے ہی میں یہ پتہ عبید نے لگا لیا تھا کہ مسلم کوفہ پہنچ گئے۔ ہانی کے مکان پر ٹھیرے ہوئے ہیں اور خوب آؤ بھگت ہو رہی ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کوفہ

پہنچتے ہی مسلم کو قتل کر دوں۔ مگر جب یہ سنا کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی بیعت کر چکے ہیں، اور امام حسین کے واسطے بیچین ہیں تو اس تجویز کی تکمیل میں تامل ہوا اور سوچا کہ بغیر مکر کے کام نہ چلیگا، اس لئے سیدھا راستہ چھوڑ ہمراہیوں کو قادسیہ میں اتار خود بھیس بدل۔ امام حسین کی صورت میں کوفہ پہونچا۔ اسوقت رات کا ابتدائی حصہ تھا۔ چونکہ کوفہ والوں کے پیہم خطوط روانہ ہو چکے تھے انکو امام کی آمد کا یقین ہوگیا۔ جوق در جوق استقبال کو پہونچے اور ابن رسول اللہ، ابن رسول اللہ کی صداؤں سے درو دیوار گونج اٹھے۔ ابن زیاد نے سیدھا دار الامان کا راستہ لیا۔

نعمان بن بشیر نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھا کہ اگر امام حسین کا یہاں قیام ہوا تو یزید قیامت برپا کر دیگا۔ اسلئے حکم دیا کہ قلعے کا دروازہ بند کر دو اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام حسین اور کوفی یہاں سے چلے جائیں گے مگر جب جمعیت پریشان نہ ہوئی تو اس نے چھت پر سے آواز دی کہ اے ابن رسول اللہ آپ دوسری جگہ قیام فرمائیے۔ آپ کوفہ پر قبضہ نہیں کر سکتے

نعمان کا یہ رنگ دیکھکر عبید اللہ آگ بگولا ہوگیا۔ اور سختی سے کہا کہ دروازہ کھول میں عبید اللہ ابن زیاد ہوں اس کا نام سنتے ہی کوفی بھاگنے شروع ہوگئے اور عبید اللہ نے رات قلعہ میں گذار کر علی الصباح تمام کوفہ کو طلب کیا اور انکے سامنے ایسی غضبناک تقریر کی کہ ہوش اڑ گئے۔ اس نے اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کیا مجھے تم سب کی بغاوت کا حال معلوم ہے۔ اور میری فوج قادسیہ میں موجود ہے اور اب آتی ہوگی تم سب کے خون کی پیاسی ہے۔ میں ابن زیاد ہوں اور چشم زدن میں تم سب کو مدت کے گھاٹ اتار دونگا" لیکن اسوقت تم سب کو جو مجرم کی حیثیت سے میرے سامنے ہو اور بیعت کا جو حقیقتاً بغاوت ہے جرم کیا ہے۔ پناہ دیتا ہوں جس قدر جلد ممکن ہو مسلم کو میرے حوالہ کرو۔ امن و امان سے رہو اور یہ یاد رکھو کہ اگر حسین کی بیعت کا نام کسی گھر

سے بلند ہوا تو مسمار کر دونگا۔ کسی زبان سے سنا تو حلق سے نکال لونگا۔ اور کسی شخص نے کہا تو ٹکڑے اڑا دونگا۔

اس تقریر کا کافی اثر ہوا اور کوفیوں کے دل دھکڑ دھکڑ کرنے لگے مگر ہانی جن کے ہاں مسلم مقیم تھے خاموش رہے جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو وہ رستے بھر سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہئے۔ عبید کی فرعونیت کا خیال آتا تھا تو کانپ جاتے تھے اور حق کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا تو اور زیادہ پکے ہوجاتے تھے۔ بالآخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جان رہے یا جائے مسلم کو نہ دونگا۔ عبید کو خبر تو لگ گئی تھی کہ مسلم ہانی کے ہاں مقیم ہیں لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ صحیح ہے تو ہانی خود ہی خوف زدہ ہو کر مسلم کو حوالہ کر دینگے۔ دن اسی ادھیڑ بن میں بسر ہوا۔ شام کے وقت عبید نے یہ مکر کیا کہ اپنے غلام معقل کو کچھ روپے دیکر قاصدوں کی پوشاک پہنائی اور ہانی کے گھر بھیجا کہ بصرے سے امام حسین کا نذرانہ اور بیعت کے حلف لیکر آیا ہوں۔ بیچارے ہانی اس کے داؤں میں آگئے۔ اور فرضی قاصد کو حضرت مسلم تک پہنچا دیا۔

غلام پتہ لگا کر واپس آیا اور مفصل کیفیت بیان کی تو ہانی کے گھر پہ مسلم کے قیام کا یقین ہوتے ہی عبید سانپ کی طرح سر دھننے لگا۔ ساری رات انگاروں پر لوٹ کر کاٹی۔ ابھی موذن کی صدائے حق ختم نہ ہوئی تھی۔ اور طائران صحرائی صبح کے استقبال میں منہمک تھے کہ اس نے فوج کے ایک دستہ کو بلا کر حکم دیدیا کہ ہانی کو پابجولاں حاضر کرو دستہ سیدھا مسجد میں پہونچا۔ ادہر ہانی نے سلام پھیرا ادہر جمعیت نے ہانی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدیں اور عبید کے پاس لے گئے۔ وہ ایک موٹا عصا جس کی دونوں طرفیں لوہے کی تھیں پھرا کر کہنے لگا" اونمکحرام میری کل کی تقریر بھول گیا۔ میں نے صاف صاف کہدیا تھا کہ مسلم کو پناہ دینے والے کے ساتھ اس کے گھر بھر کو تہ تیغ کر دونگا۔ میرے باپ زیاد نے جس وقت کوفہ میں قتل عام کیا ہے۔ اور امیر معاویہ کے باغیوں کو چن چن کر

خاک میں ملایا تو لو اور تیرا باپ قدموں میں گرے اور قسم کھائی کہ ہم بنو فاطمہ کا ساتھ دینگے
اگر میں اُسوقت موجود ہوتا تو سب سے پہلے تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو دیتا۔ اس نیکی
کا بدلہ یہ ہے کہ میرے اعلان کے بعد بھی تو نے خلیفہ کے دشمن باغی مسلم کو اپنے ہاں پناہ
دی، میں تجھکو ایسی سزا دونگا جو تمام کوفہ یاد رکھے،

یہ کہکر عبید نے اپنا عصا ہانی کی ناک پر مارا اور دانت پیس کر کہا اس باغی کو ابھی
قید کرو۔ لوہے کی شاموں سے ہانی کی ناک کا بانسہ ٹوٹ گیا اور چہرہ لہولہان ہوگیا
ہانی کو قید خانہ بھیجکر عبید نے حکم دیا کہ مسلم کو حاضر کرو۔

ہانی کی گرفتاری اور قید کی خبر کوفہ میں بجلی کی طرح دوڑ گئی اور بعض حلقوں میں
ان کے قتل کا یقین ہوگیا۔ حضرت مسلم کو جب یہ خبر لگی تو باوجود انتہائے تحمل اور حلم کے ہاشمی
خون جوش میں آیا اور وہ تلوار لیکر باہر نکلے کہ ہانی کا بدلہ لیں اور خود بھی شہید ہوجائیں
اس موقعہ پر صرف قبیلہ ہانی کے لوگ ان کے ساتھ ہوئے اور پانچہزار کے قریب یہ
مجمع دارالامان پر پہونچا۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو آتے دیکھکر دروازے بند کر لئے
اور تیراندازی شروع کردی۔ کوفی یہ دیکھکر ایسے بھاگے کہ پلٹنے کا نام نہ لیا، مجبور مسلم بھی
تھکے ہارے اور بھوکے پیاسے ایک طرف چل کھڑے ہوئے عصر کی نماز راستہ میں ادا کی
ادہر اُدہر دیکھا تو ایک عورت جس کا نام طوعہ تھا ٹکٹکی باندہے دیکھ رہی تھی اس سے
کہا کہ میں پیاسا ہوں دو گھونٹ پانی پلادے، طوعہ عشق رسول میں شرابور اور
اہل بیت کے نام پر فدا تھی۔ پانی لائی اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ صورت و
شکل اور حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پردیسی ہیں۔ یہاں کل سے افرا تفری
ہو رہی ہے۔ اور ابن زیاد نے گلی کوچے حضرت مسلم کے واسطے پہرے لگا رکھے ہیں
ایسا نہ ہو کہ آپ پر کوئی مصیبت آجائے۔ اس کی باتوں میں خلوص اور محبت کے جواہرات
جگمگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا مسلم میں ہی ہوں۔ اگر تو پناہ دے تو رات تیرے ہاں

گذار دوں۔ صبح اٹھ کر مدینہ چلا جاؤں گا۔" مسلم کا نام سنتے ہی طوعہ کے سر اس پر خوشی کی بارش ہونے لگی۔ عاجزی کے کندھے جھکا دیئے۔ اور جوش بیخودی میں اچھل کر کہا" طوعہ اور اس کا گھر آپ پر قربان" میرے نصیب ایسے کہاں کہ آپ کے قدم آئیں بسم اللہ کیجئے۔

مہمان کا استقبال طوعہ دلی امنگوں سے کر رہی تھی بس نہ چلتا تھا کہ آنکھیں بچھاتی اور پروانہ کی طرح قربان ہو جاتی۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ اس کا لڑکا دربار عبید ی سے جھومتا جھامتا گھر پہنچا ماں نے باغ باغ ہو کر کہا" ہمارے مقدر ایسے کہاں کہ حضرت مسلم تشریف فرما ہوں۔ قدم چوم اور قربان ہو کہ قسمت جاگ گئی" بیٹا بھی نہال نہال ہو گیا ایک مہمان کے واسطے طوعہ اور اس کے لڑکے کا دل خوشیوں سے لبریز تھا۔ اور دونوں بغلیں بجا رہے تھے۔ مگر دونوں کی مسرت مختلف تھی۔ طوعہ اپنے گھر کو دیکھتی تھی اور مسلم کو اور بے اختیار ہو کر قدموں میں گر پڑتی تھی۔ اس کا لڑکا تارے گن گن کر رات کاٹ رہا تھا کہ کس طرح جاؤں اور ابن زیاد کو مسلم کی خبر دیکر انعام حاصل کروں۔ طوعہ کو بیٹے کے جانیکا حال اسوقت معلوم ہوا جب عبیدی دستہ نے آکر مسلم کو گرفتار کیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ بھی ہانی کے ساتھ قید کر دیئے گئے

کوفیوں کے دلوں میں اس خبر سے ایک دفعہ اور جوش پیدا ہوا اور دو ہزار آدمیوں کا ایک گروہ دار الحکومت پر پہونچا۔ دروازے بند تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ سب کو تیر دل سے چھید دو اور مسلم وہانی کے سر کاٹ کر نیچے پھینکدو۔ دفعتاً دونوں سر زمین پر تڑپنے لگے اسوقت عبید کا ایسا خوف طاری ہوا کہ کوئی گھروں کے اندر چھپ کر بیٹھ گئے۔

مسلم اور ہانی کو شہید کر لینے کے بعد عبید ابن زیاد نے ایک عام جلسہ کیا اب اس کا رعب اس قدر چھا چکا تھا کہ کوفہ کا بچہ بچہ دست بستہ حاضر ہوا۔ آفتاب خاصی طرح ڈھل چکا تھا۔ اور کوفہ کی سرزمین جس نے مسلم کا خون اپنی گود میں لیا آج ایک عجیب

تماشہ کا انتظار کر رہی تھی۔ طلائی شامیانہ مرصع تخت سے جگمگا رہا تھا جس پر عبید اللہ ایک گرز ہاتھ میں لئے تکبر و نخوت کے نشہ میں جھوم رہا تھا۔ مکر و دغا کے دیو اس کے خود میں چمک رہے تھے۔ اور ظلم و ستم کے جن اسکے سر پر سوار تھے۔ چاروں طرف اکابر کوفہ اور سرداران فوج خاموش بیٹھے تھے۔ اور سامنے رعیت کا ایک انبوہ کثیر موجود تھا۔ معقل نے ایک کشتی میں تازہ کھجوریں پیش کیں۔ عبید نے اس میں سے تھوڑی لیکر درباریوں میں تقسیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد با آواز بلند کہا۔

میں نے جو کچھ کہا تھا اسکو پورا کر دکھایا۔ ہانی اور مسلم بغاوت کی سزا پا چکے ضرورت ہے کہ میں تم میں سے ان سب کو جنہوں نے دروازہ حکومت پر حملہ کیا۔ اس سے زیادہ سخت سزا دوں۔ مگر اپنے رحم و کرم سے عفو عام کا اعلان کرتا ہوں لیکن تم لوگ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر آئندہ کوفہ میں بغاوت کا نام بھی میں نے سنا تو پھر گھر کے گھر صاف کر دونگا۔ اگر یزید کی خلافت سے تم لوگوں نے انکار تو در کنار تامل بھی کیا تو میری یہ تلوار تمہاری نافرمانی کا مزہ چکھانے کو کافی ہے حسین ابن علی آنے والے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر ایک متنفس نے بھی ان کو پناہ دی یا ان کی طرف متوجہ ہوا تو اپنے سارے گھر پر بلا نازل کریگا۔

عبید آگے کہتا اور کہہ رہا تھا کہ ایک عورت سر پر پردا ڈالے اٹھی اور کہا "ابن زیاد! جس شیطان کی تحقیر کلام الٰہی نے ہمکو دی تھی وہ تیرے آنکھ سے دکھا دیا اس نے خدا کی نافرمانی میں آدم کو سجدہ نہ کیا۔ تو نے یزید کی فرمانبرداری میں رسول خدا کو خون کے آنسو رلوائے تو اپنی طاقت کے گھمنڈ پر مخلوق خدا کی زبان ممکن ہے بند کر لے۔ مگر کیا تو دلوں کی محبت اور عقیدت کو فنا کر سکتا ہے۔ ہمارے دل مسلم بن عقیل کو رو رہے ہیں اور تیرے اس ظلم پر اگر زبانوں سے نہیں تو دلوں سے لعنت برسا رہے ہیں رو سیاہ ابن زیاد! تو نے اپنے ساتھ میری عاقبت بھی برباد کر دی۔ اور میں نہیں

جانتی کہ میری خطا اور قصور کی کیا سزا ملے گی۔ میرا کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ اور میرا دل کانپ رہا ہے۔ میں وہ بدبخت ہوں کہ میں نے آل رسول سے دغا کی اور سید کو پناہ دیکر اس کی جان لی۔ اے تونے میرا دین و دنیا دونوں برباد کر دیئے۔ زمین پھٹ جاتی اور میں سما جاتی۔ آسمان ٹوٹتا اور میں دبتی جس وقت مظلوم و معصوم مسلم نے تیرے مظالم کی بارش میں نماز عصر ادا کی ہے اور حسرت سے چاروں طرف دیکھا ہے میں اس لیے کہ اس کے نانا کا کلمہ پڑھتی ہوں اسکی بے کسی پر روئی۔ مگر ہائے مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس سے دغا کر رہی ہوں اور پناہ کے بہانہ سے اسکو قتل کراؤں گی۔ ایمان اس کی بھولی صورت کے بوسے لے رہا تھا اور انصاف اس کی تنہائی کو سجدے کر رہا تھا۔ میری بدنصیبی تھی کہ میں نے پیاسے مسلم کو پانی پلایا اور بیچ کے مہمان کو گھر میں لے گئی اور اپنے لڑکے کے ذریعہ سے اس کی شہادت کا باعث ہوئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے پیٹ سے وہ سانپ پیدا ہو رہا ہے جس کی پھنکار خاندان رسالت کو ڈسے گی۔ اور میری گود سے دودھ پینے اور پلنے والا جفا کار اہل بیت کے خون کا پیاسا ہوگا تو اسوقت کوفہ کا حاکم ہے اور خدا کی بہت بڑی زمین پر حکومت کر رہا ہے اسلئے جسکو تونے شہید کیا وہ چونکہ پردیسی تھا۔ اب اس کے مال کا بھی تو ہی وارث ہے جو اس نے اپنے بعد چھوڑا۔ یہ خدا کا کلام ہے جو ہر وقت اس کے گلے میں رہتا تھا تو اسکی امانت مجھ سے لے لے مجھ جیسی دغاباز عورت کو جس نے مہمان کو دھوکا دیکر جان لی دنیا میں رہنے کا حق نہیں۔ خدارا حکم دے کہ جلاد میرا خاتمہ کر دے۔ زمین مجھ پر تھوکے گی آسمان مجھ پر لعنت برسائیگا۔ دنیا جب تک آباد ہے اور اس کے بسنے والے جب تک موجود ہیں مجھ پر تبرا بھیجیں گے۔ یہ چادر جو پیوندوں سے لپی ہوئی ہے اسی مسلم کی ملکیت ہے جس کی سچائی تیرے ظلم کی بھینٹ چڑھی۔ اسکو سر پر رکھوں آنکھوں سے لگاؤں اور زندہ ہو جاؤں۔ اگر مسلم مسلم کہتی ہوئی مر جاؤں۔ یہ میرا لڑکا جو تیرے پاس بیٹھا ہے

جس نے تجھکو مسلم کے ٹھیرنے کی خبر دی کاش میری آنکھوں کے سامنے پیوند زمین ہوجاتا۔ اور میں اپنے ہاتھوں سے اسکو دفن کرتی اور سرخرو ہوتی۔ ابن زیاد للہ مجھکو بتا کہ مسلم شہید کی لاش کدہر ہے میں تجھ سے زیادہ سنگدل ہوں کہ اپنے خدا اور اسکے رسول سے دغا کی اور بیگناہ مسلم کو اسلئے اپنے پاس چھپایا کہ مخبری کروں۔ اے ابن زیاد! دل تڑپ اٹھتا ہے جب مسلم معصوم کی تصویر آنکھ کے سامنے آتی ہے کس حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہوگا اور بے گناہ دل نے مجھ روسیاہ کے واسطے کیا کہا ہوگا۔ خدارا مجھے قتل کر، میری بوٹیاں چیل کووں کو دے کہ میرے گناہ کی کچھ تلافی ہوسکے، میرے بے گناہ شہید کی لاش للہ مجھکو دیدے کہ میں اسپر قربان ہوں مسلمانوں رحم کرو اور بتاؤ کہ جس ماں کے پیٹ سے ایسا ناہنجار بچہ پیدا ہو جو خدا اور اس کے رسول سے دغا کرے اسکا کیا حشر ہوگا۔ اس ماں کے تن میں آگ تھی۔ اس گود میں ناگ تھا، ان چھاتیوں میں زہر تھا۔ اس گھر پر قہر تھا۔ ابن زیاد اس کے بعد نہ سن سکا اور کہا کہ تیری زبان درازی کی یہ سزا ہے کہ مسلم کیساتھ جو کچھ کیا گیا وہ تیرے گنہ گار لڑکے کے ساتھ کیا جائے۔ یہ کہکر اپنے ہاتھ سے اسکی گردن اڑادی

حضرت مسلم کے بچوں کی شہادت

دوسرے روز ابن زیاد نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ مسلم کے دونوں بچے محمد اور ابراہیم کوفہ میں موجود ہیں۔ جو شخص ان بچوں کو لائیگا میں اسکو مالامال کر دونگا اور اگر کسی نے انکو پناہ دی تو زن بچہ کو کولھو میں پلوا دونگا۔ قاضی شریح جن کا گھران دونوں یتیم و لاوارث مہمانوں سے منور تھا۔ عاشق رسول تھے۔ مگر ابن زیاد کے حکم سے پریشان ہوئے دونوں بچوں کو کلیجہ سے لگایا اور آدھی رات کے وقت ان کو تھوڑا سا کھانا دیکر اپنے گھر سے رخصت کر قادسیہ کی سڑک پر چھوڑ دیا کہ سیدھے مدینہ چلے جاؤ۔ رات اندھیری تھی اور جنگل خونناک چھ اور آٹھ برس کے دو بچے جن کے پاؤں لہولہان ہوگئے تھے رستہ چل رہے تھے ننھا سا دل سہم رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب ظالم ہمکو پکڑنے آرہے ہیں تھک کر بیٹھے تھے،

ڈر کر اٹھتے تھے اور گھبرا کر بھاگ گئے تھے۔ رستہ بھول گئے اور مدینہ کے معصوم مسافر بھولے بھٹکے کوفہ سے آگے نہ بڑھ سکے یہاں تک کہ رات نے بدنصیبوں کا ساتھ چھوڑا اور شبنم صبح نے بیکسوں کی حالت پر آنسو گرائے پو پھٹتے ہی دونوں کے کلیجے دھکڑ دھکڑ کرنے لگے حسرت سے ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی اور یقین ہو گیا کہ آج کا آفتاب ہمارے واسطے پیغام موت لے آیا۔ دشمن چاروں طرف تلاش میں پھر رہے تھے۔ آسمان و زمین یہاں تک کہ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی خون کی پیاسی تھی۔ کیسا نازک وقت تھا خاندان اہل بیت کے دو پھولوں کی تلاش میں اسی خاندان کا کلمہ پڑھنے والا حاکم اس کی پوری کلمہ گو فوج اور شہر کی تمام آبادی جس نے مہمان نوازی کا وعدہ کیا تھا جان کے درپے تھے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نظر نہ آیا کہ بن باپ کے بچوں کو پناہ دیدیتا۔ اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا آسمان دور تھا۔ زمین پر نظر ڈالی سخت تھی سہمے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے، دل ہول ہو رہا تھا۔ اور موت کی تصویر ہر طرف سے نظر آ رہی تھی دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا تھا۔ کچھ فاصلہ پر ایک درخت نظر آیا حالت مایوسی میں اس طرف لپکے اور ایک تنے کی کھو میں دونوں چھپ گئے کہ دن بسر ہو جائے تو رات کو نکل کھڑے ہوں گے۔ چڑیوں کے چہچہے ختم ہو گئے۔ ہوا کی رفتار مدہم ہوئی اور آفتاب نے اپنی نظریں یتیمان عقیل پر ڈالیں کہ ایک عورت پانی کی تلاش میں کنارہ دریا پر آئی۔ ڈول ڈالنا چاہتی تھی کہ سطح آب پر کھلے ہوئے پھول نظر آئے۔ اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے تو دو بچے لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں سمجھ گئی اور معصوموں کی حالت پر کلیجہ کٹ گیا کہنے لگی

مسلم کے بچو اتر و میرے گلے سے لگجاؤ۔

لرز گئے چھپنے کی کوشش کی جگہ نہ تھی۔ نیچے اترے تھر تھر کانپ رہے تھے زبانیں خاموش اور صورت تصویر تھی کلیجہ سے لگایا اور کہا آؤ میرے گھر چلو۔ بے اولادی ہوں۔ میرا دل ٹھنڈا کر دیا مسلمان ہوں میرا گھر درشن کر دو۔ عاشق رسول ہوں میری عزت بڑھاؤ۔ پیارو سہمو نہیں ڈرو مت

دشمن نہیں لونڈی ہوں۔ ان کملائے ہوئے چہروں کی عاشق ان بھولی صورتوں کی شیدا تمہارے پاؤں میرے سر پر ہونگے اور تمہارے قدم میری آنکھوں پر۔ بلائیں لوں گی آنکھوں میں چھپاؤں گی۔ چھوٹے کو گود میں لیا بڑے کی انگلی پکڑی۔ باپ کی مفارقت اپنی غربت دونوں خاموش تھے۔ عورت گھر لے گئی۔ کنیز تھی بی بی سے کہا ساقی کوثر کی جان یہ بے زبان تیرے مہمان ہیں۔ کھڑی ہو اور دیکھ مسلم شہید کے بچے تیری پناہ میں آئے ہیں غربت ان کی صورتوں پر حسرت ان کے چہروں پر اور بیکسی ان کی عمروں پر برس رہی ہے۔ یہ دیکھنے میں بے لبس ہیں مگر جنت کے مالک ہیں معصوم ٹکٹکی باندھے بی بی کی صورت دیکھ رہے تھے۔ آگے بڑھی سر پر ہاتھ پھیرا اور لپٹ گئی رو کر کہا۔ مہمان نہیں سرتاج ہو ان قدموں پر جان اور چاند سے مکھڑوں پر زندگی نثار کروں۔ نہلا دھلا کر کپڑے بدلے اور کھانا پکا کر آگے رکھا۔ چاہتے تھے کہ کھائیں مگر باپ کی موت یاد آ گئی معصوم آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے گھر کی بی بی کے اصرار سے دو ایک نوالے کھا کر خاموش ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔

گرمی کا قیامت خیز موسم تھا۔ آفتاب چودہ ساڑھے چودہ گھنٹہ مسلم کے مہ پاروں پر نگاہ جما کر متنزلزل ہو گیا اور ماہ ذی الحجہ کا قمر چہار دہم عقیل کے راج دلاروں کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ دونوں کی دونوں خاموش بیٹھ گئے۔ شب ماہ کا حصہ ابتدائی طے ہو چکا تھا کہ گھر کا مالک حارث داخل ہوا اور بیوی سے کہا۔ دیکھئے مسلم کے بچوں کا انعام کس کی تقدیر میں ہے۔ دن بھر مارا مارا پھرا ہوں کوئی کونہ کھدرا ایسا نہیں جو نہ ڈھونڈھ ڈالا ہو۔ مگر ہماری تقدیر ایسی کہاں

بیوی تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے معمولی یتیم بچوں پر رحم کرنا خدا کی رضا مندی ہے کہ اہل بیت کے چراغ۔ ابن زیاد ملعون اپنا گھر دوزخ میں بنا چکا۔ دنیا فانی ہے۔ بن باپ کے بچوں کے درپے نہو۔ یہ دولت وا نعام ہمیشہ نہ رہیگا۔ صاحب اولاد ہو سوچو اور سمجھو ان کو مار کر دولت نہ لو رحم کرو اور جنت لو۔

حارث کم بخت بیوقوف عورت ہے۔ کیا سمجھ سکتی ہے ہٹ جا سامنے سے دولت ہی نہیں عزت اور مرتبہ بھی تو ہے۔

ماں کے کلیجے سے چمٹ کر سونیوالے بچے اسوقت اندھیرے گھپ میں نہیر بڑے پڑے ایکدوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے سوتے تھے۔ باپ شہید ہوا ماں کا پکھوا چھوٹ گیا۔ کوٹھری کی دیواریں اور دروازہ کے کواڑ باپ کی آغوش اور ماں کی ماتا تھے چھوٹے نے باپ کی صورت خواب میں دیکھی کئی روز سے چھوٹا ہوا تھا آنکھیں اس صورت کو ترس گئی تھیں بیتاب ہو کر چیخ اٹھا اور پکڑنے دوڑا۔ بڑے نے تسکین دی سینہ سے لگایا اور خاموش کرنا چاہا مگر معصوم جذبات قبضہ میں نہ آسکے پھر رو دیا اور چلا کر کہا۔ "ابّا ابّا"

ہوا نے یہ آواز حارث کے کان میں پہونچائی متحیر ہو کر اٹھا۔ کوٹھڑی کھولی چراغ جلا کر دیکھا تو دو بچے دبکے سکڑے بیٹھے ہیں۔ پوچھا تم کون ہو۔ مظلوم اس گھر کو دار الامان اور گھر والوں کو خیر خواہ سمجھے ہوئے تھے۔ جلدی سے کہا۔

مسلم کے بچے

آگ بگولا ہو گیا۔ بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تھپڑ مارے اور کہا دن بھر حیران پریشان کیا۔ کھانا تک نصیب نہ ہوا۔ اور تم یہاں مزے سے سو رہے ہو۔ رسی سے مشکیں باندھ دیں

لونڈی حارث کے سامنے آئی اور کہا یہ معصوم بیگناہ ہیں ان کے پھول سے رخسار اور نازک بازو تیرے تھپڑوں اور مشکوں کے قابل نہیں ان پر یہ مصیبت میں لائی ہوں میں نے ان کو دغا دی بھولے سے یہاں لائی اور تیرے پنجے میں پھنسا دیا۔ یہ باپ اور ماں دونوں سے چھوٹ گئے غریب الوطن اور قابل رحم ہیں۔ ان کی آنکھیں رو رہی ہیں ان کے دل تڑپ رہے ہیں۔ یہ دو زخ و جنت کے مالک ہیں انپر رحم کر یہ نازک وقت میں تیرے کام آویں گے اور جہاں کوئی کسی کے کام آنے والا نہ ہوگا۔ یہ تیرا بیڑا پار کر دیں گے

حارث اس تقریر سے اور بھی برافروختہ ہوا اور برا بھلا کہنا شروع کیا۔

لونڈی، بچوں کے قدموں پر گری اور کہا۔

آنکھ کے تاروں پر میری نیت کا حال خدا جانتا ہے میں بیگناہ ہوں میری تقدیر کا

لکھا آگے آیا۔ تمہارے طمانچوں کے نشان میرے دل پر ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ قیامت کے روز مجھ گنہگار کی لاج رکھ لینا۔

حارث کی شومی تقدیر پر صبح کھلکھلا کر ہنسی اور دونوں معصوموں کو دریا کے کنارے لے گیا سنگدل کی تیغ آبدار بچوں کے سر پر چمکی، بیوی اور کنیز سامنے آئیں اور مسلم کے لال اپنے سینے سے چمٹا لیے۔ مگر سفاک نے ان دونوں کا بھی خاتمہ کر دیا اور بچوں سے کہا کہ اب تم تیار ہو جاؤ کہ یہ تلوار تمہاری گردنیں جدا کرتی ہے۔ محمد نے منت سے کہا اسوقت صرف میری ایک التجا ہے اور اسکو قبول فرما کر ہماری مشکل آسان کر دے وہ یہ ہے کہ پہلے میری گردن اتار کہ میں اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم کی موت نہ دیکھوں اسوقت اس کا باپ یا ماں جو کچھ ہوں وہ میں ہوں۔ ابھی یہ گفتگو ختم ہوئی تھی کہ چھوٹے نے بھی یہی التجا کی اور حارث کے ایک وار نے دونوں بھائیوں کی گردنیں تن سے جدا کر دیں

سیدہ کے لال کی مکہ سے روانگی

کوفہ کی حالت سے مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت سے عبید اللہ ابن زیاد کی خباثت سے امام حسین قطعی بے خبر تھے۔ شہید مسلم نے کوفہ پہنچتے ہی کوفے والوں کے حسن عقیدت سے متاثر ہو کر جو خط لکھا تھا اسکو پڑھکر اور کوفے والوں کے اصرار پر جو وعدہ کر چکے تھے اس کے لحاظ سے مع اہل و عیال روانگی کا قصد کیا۔ عبد اللہ ابن عباس عبد اللہ بن زبیر کو خبر ہوئی تو یہ لوگ آئے اور کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں۔ کوفیوں کے وعدے قابل اعتبار نہیں۔ آپ دیکھ چکے کہ انہوں نے آپ کے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت علی اور امام حسن کی شہادت میں ان کی شرکت تھی، اب اسوقت ان کے خطوط اور پیاموں پر اعتبار کرنا درست نہیں ہے۔ اس گفتگو کا نتیجہ کچھ نہ نکلا اور امام حسین کے قصد کو ان میں سے کوئی شخص متزلزل نہ کر سکا۔ اور آپ نے فرمایا۔ مجھے ایک حدیث یاد ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں اس حدیث کے موافق کعبہ کی

بحرمتی میری وجہ سے نہ ہو جائے۔ اس سے بچنے کے واسطے مجھے ہجرت منظور ہے
عمرو بن سعید حاکم مکہ نے بھی آکر سمجھایا لیکن ہر کوشش بے کار اور اصرار بے سود ثابت
ہوا۔ مجبورًا عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ اگر آپ نہیں مانتے
تو اہل وعیال کو ساتھ نہ لیجئے اور خود جا کر کوفہ والوں کے وعدوں کا تجربہ کر لیجئے اب
اسکو نوشتہ تقدیر سمجھ لینا چاہئے با اتفاق کہ امام حسین اس رائے سے بھی متفق نہ ہو سکے
اور کہا زندگی کے آخری دنوں میں بال بچوں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ المختصر ڈیڑھ سو کے
قریب مسلمان معتقدین کی حیثیت میں اور ستر کے قریب عزیز اقارب یہ دوسوا دوسو
کا قافلہ مکہ معظمہ سے کوفہ کے واسطے تیار رہا۔

ہلال عید نمودار ہو چکا تھا۔ دنیائے اسلام عید کی اور ارض حجاز حج کی تیاریوں
میں مصروف ہو گئی، ماہ ذی الحجہ کی پہلی رات کا بڑا حصہ ختم ہو چکا، بیت اللہ کے در و دیوار
نے اپنے اس مہمان کے واسطے جو دوش رسول اللہ کا سوار تھا اپنی آغوش کھولدی ہوا کی
خنکی آمد صبح کا اعلان کر رہی تھی اور زیتون کی پتیاں سرسراسر سرا کر وداع شب میں
سرگرم تھیں کھجوروں کے گچھے جھوم رہے تھے ، کائنات سماوی فنا ہو رہی تھی ، حرم
خدا کا ذرہ ذرہ سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے نعرے لگا رہا تھا۔ پہاڑیوں کے سنگریزے
توحید و رسالت کے ڈنکے بجا رہے تھے ابھی گریبان شب پوری طرح چاک نہ ہوا تھا
اور رات کی زلف سیاہ لہرا لہرا کر آگے بڑھ رہی تھی کہ دوش رسول کا شہسوار خاموشی
کے ساتھ خانہ خدا میں داخل ہوا۔ دو نفل پڑھے اور سجدے میں گر کر بآواز بلند عرض کیا
معبود حقیقی اسوقت جبکہ عید اضحیٰ سر پر ہے اور دنیا کے مسلمان فریضۂ حج کے
واسطے تیرے گھر میں حاضر ہو رہے ہیں، حسین تیرے گھر سے رخصت ہوتا ہے۔
آج وہ در و دیوار جن میں عمر کا ایک حصہ گذرا تھا بچھڑتے ہیں اور جہاں شب و روز تیری
رحمت نازل ہوتی تھی۔ آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے۔ میں اپنے نانا اور تیرے محبوب کے

ارشاد کی تعمیل یوں کہ میں خون بہایا جائیگا اور خانہ خدا کی بے حرمتی ہوگی۔ تیرا گھر چھوڑتا ہوں۔ مخبر صادق نے جس کی خبر دی ہے وہ میں ہی نہ ہوں اور میری وجہ سے کعبۃ اللہ کا صحن خون سے لبریز ہو۔ احکم الحاکمین مجھ گنہگار کا قصور معاف کر۔ تو جانتا ہے اسلئے کہ علیم ہے کہ یہ میرا سفر تیرے گھر کا احترام ہے اور میں سخت موسم اور قیامت خیز لو میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تکلیف اس لئے گوارا کر رہا ہوں کہ نانا جان کا ارشاد میرے ہی واسطے پورا نہ ہو جائے۔ الہ العلمین اسوقت حسین کے سر پر کوئی بزرگ زندہ نہیں، نانا کا دامن جس کے سایہ میں پرورش پائی تھی ختم ہوا اور ماں کی گود جس میں پلا تھا فنا ہوئی۔ باپ کی آنکھ بند ہوئی اور برابر کا بھائی بھی اٹھ گیا۔ اب بیکس حسین پر تمام دنیا کی یورش ہے اور ہر طرف سے اس کے قتل کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، دشمن علی جیسے باپ اور حسن جیسے بھائی کو مجھ سے چھین چکے اب خاندان رسالت کو مجھ سے محروم کرنیکی کوشش ہے۔ رحم فرما خالق الموجودات اکرم کر ناموس محمد کو سنگدل و جفاکار انسانوں کی ناجائز کوششوں سے محفوظ رکھ تو ہی ہمارا بہترین وارث ہے اور تیرے محبوب کا کنبہ تیرے سپرد ہے کیسا نازک وقت ہے بھیڑ اور دنبے اونٹ اور بکریاں اپنے اپنے بچوں کو لئے تیرے گھر کا طواف کر رہے ہیں، جب دن کی روشنی پردہ دنیا سے غائب ہوگی اور رات کا ہاتھ تیری مخلوق کے سر پر ہوگا اسوقت یہ جانور اپنے بچوں کو کلیجے سے لگائے راحت و اطمینان سے پہاڑوں کے سنگریزوں میں اپنے وطن کے دامن پر منہ رکھے نیند کی لپیٹ میں ہونگے۔ مگر حسین اپنے عزیزوں کو لئے وطن سے دور اور تیرے گھر سے بچھڑا ہوا پردیس میں گھر کو ترسیگا۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ تیرے حکم کی تعمیل میں فاسق و فاجر کی بیعت سے منکر ہوں۔ وہ ہاتھ جسکو تیرے محبوب نے بوسہ دیا یزید کے ہاتھ میں نہ جائیگا اور وہ زبان جسکو تیرے پیارے نے چوما اس فجور کو امیر تسلیم نہ کریگا۔ الہ العالمین میری خطاؤں سے درگذر اور توفیق دے کہ دشمنوں کے مظالم ہنسی خوشی برداشت کروں۔ صبر و رضا میرا شیوہ رہے۔ اور استقامت میرا

راستہ۔ رب العلمین تیرے در سے جاتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر تیرے ہی واسطے جاتا ہوں کہ جفا کار تیرے گھر کو ناپاک نہ کریں، یہ خاک جس میں برسوں لوٹا ہوں جو آج بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسکو بوسہ دیتا ہوا وداع ہوتا ہوں اور یہ در و دیوار جو ماں کے آغوش سے کم نہیں ان پر حسرت آمیز نظریں ڈالکر روانہ ہوتا ہوں۔ صدقہ اپنے محبوب کا مجھ پر کرم فرما، الہٰ العالمین میرے قدم نہ ڈگمگائیں اور سیدھے راستہ پر چل کر ہادی برحق شیر خدا اور سیدۃ النسا کی خدمت میں سرخرو حاضر ہوں۔

الوداع اکعبہ کی دیوارو ں! الوداع۔ گواہ رہنا کہ حسین تمہارے بے حرمتی کے واسطے تم سے جدا ہوتا ہے۔ مکہ کی پہاڑیوں خدا حافظ! تم شاہد ہو کہ فاطمہ کا لخت جگر تمہاری تحفظ آبرو کے لئے تمکو چھوڑتا ہے۔

اس کے بعد امام حسین حرم خدا سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف منہ کرکے فرمایا۔

نانا جان آپ کی امت نے حسین کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ آخری سلام کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا؛ میرا وداعی سلام قبول فرمائیے۔ آپ کا روضہ جو میرے واسطے باعث تسکین تھا ہمیشہ کو چھوٹتا ہے۔ میری بیمار بچی صغرا جسکا کوئی والی وارث نہیں ہے، جو باپ اور ماں کی صورت کو ترس رہی ہوگی آپ کے سپرد ہے، اسکی آنکھیں دروازہ کو لگی ہونگی اور وہ سمجھتی ہوگی کہ ساری اولاد میں صرف صغرا ہی اس لائق نہ تھی کہ حسین ساتھ لیتا۔ مگر خدا گواہ ہے کہ وہ سفر کے قابل نہیں۔ نانا جان۔ دل بیمار بچی کے واسطے تڑپ رہا ہے اور آنکھیں اس کی یاد میں گھنٹوں آنسو گراتی ہیں، مگر دشمنوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ پیاری صغرا کو آخری دفعہ کلیجہ سے لگا لیتا اسکی بیماری نے جان پر بنا دی لیکن مجبور ہوں کہ جفا کار تلواریں لئے سامنے کھڑے ہیں اور ایک بشر کے واسطے ہزارہا تلواریں نکلی ہوئی ہیں۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں بیت اللہ کو ناپاکی سے بچاتا ہوں کہ خانہ خدا لہولہان نہ ہو۔ میرا سلام قبول فرمائیے اور

دعا کیجئے کہ صراط مستقیم پر قائم رہوں۔ نانا جان بیوی اور بچے، عزیز و اقارب خدا اور اس کے رسول پر قربان ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ عزیزوں کی محبت یا بچوں کی ممتا میری صداقت میں حائل ہو جائے۔ دعا فرمائیے کہ فاطمہ کا خون ایسی شان دکھا دے کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ وقت آ جائے تو کلیجہ کے ٹکڑے اس کی راہ میں قربان کر دوں اور تیوری پر بل نہ لاؤں، مدینہ کی خاک پاک میں آرام کرنیوالے نانا الوداع۔ الوداع الوداع

موذن کی صدائے توحید نے رات کی سیاہی کا خاتمہ کیا اور امام حسینؓ نماز فجر خانہ کعبہ میں ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے اور روانگی کا اہتمام شروع کیا اور سیدوں کا یہ قافلہ کوفہ روانہ ہوا۔

ابن زیاد نے چاروں طرف آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ اگر امام حسینؓ زیادہ چیل حجت کریں تو راستہ ہی میں ان کا خاتمہ کر دو۔ اتفاق سے عرب کا مشہور شاعر فرزدق جس کے نعتیہ اشعار آج تک بچہ بچہ کی زبان پر ہیں اور جو حضور اکرمؐ اور اہل بیت سے انتہائی محبت رکھتا تھا۔ راستہ میں ملا۔ وہ چونکہ کوفہ سے آ رہا تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ کوفیوں کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں۔ دل حکومت کے ساتھ۔ اور فیصلہ خدا کے ہاتھ فرزدق نے بھی کوفہ جانیکی مخالفت کی۔ مگر آپ آگے بڑھے اور ثعلبیہ میں قیام کیا تو بکر اسدی سامنے آئے اور کہا۔ آپ کوفہ جانے سے باز آئیے اور بال بچوں پر رحم کیجیے ابن زیاد نے عمر سعد کو آپ کے واسطے روانہ کر دیا ہے اور وہ ایک جماعت کثیر کے ساتھ قادسیہ کی طرف آپ کی گرفتاری اور قتل کے واسطے پڑا ہوا ہے۔ مسلم اور انکے بچے شہید کر دیے گئے بہتر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔ ورنہ یہ آپ کا مختصر قافلہ ایک ہی حملہ میں فنا ہو جائیگا آپ اس کی گفتگو سنکر بہت متاثر ہوئے اور مسلمؓ کی شہادت سن کر ارادہ کیا کہ واپس جائیں مگر ان کے خاندان نے واپسی سے انکار کر دیا۔ اور کہا جب تک ہم عبید اور کوفیوں سے مسلمؓ کا بدلہ نہ لیں گے۔ اگر واپس نہیں ہو سکتے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے مسلمؓ اور انکے

بچوں کی شہادت نے امام حسینؑ کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ یہ رات اسی منزل میں بسر کی مسلمؑ کی قربانی اور ان کے ننھے ننھے بچوں کی شہادت کا خیال آپ کو رہ رہ کر پریشان کر رہا تھا۔ اور جب یہ خیال آتا تھا کہ بھائی نہ صرف خود ہی اپنی جان نثار کر گیا۔ بلکہ اپنی عمر بھر کی جمع پونجی دونوں بچے بھی مجھ پر قربان کر گیا اور میری وجہ سے بیگناہ معصوم مظالم کا شکار ہوئے تو انکی بچی کی طرف دیکھتے تھے اور اسکی یتیمی پر ٹھنڈے سانس بھرتے تھے۔ کوشش کرتے تھے کہ باپ اور بھائیوں کی شہادت کا حال اس بچی کو نہ معلوم ہو۔ مگر جب بے قصور بھائی کی شہادت یاد آتی۔ واقعات بیکسی اور بے بسی کا سماں سامنے لا کر کھڑے کرتے اور پھول سے بچوں کی تصویر اور ان کی معصومیت کا دھیان آتا تو بے تاب ہو جاتے۔ دفعتہً بچی کو پاس بلا کر کلیجہ سے لگا لیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بی بی بڑی تکلیف اٹھا رہی ہو۔ بچی نو برس کی جان پوری طرح نہ سمجھ سکی ٹکر ٹکر چچا کی صورت دیکھنے لگی امام حسینؑ نے سر کو بوسہ دیا تو کہنے لگی۔

چچا جان میرے ابا تو خیریت سے ہیں۔ آپ میرے سر پر یتیم بچوں کی طرح کیوں ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ خدارا بتائیے کہ ابا جان کے متعلق تو کچھ نہیں سنا۔ اللہ میرے ابا کو خیریت سے لائے۔ اچھی چچا جان کہئے تو سہی آپ کیوں رو رہے ہیں کیا میرے ابا کی کچھ خبر سنی ہے، بچی کی اس گفتگو سے امام کا دل بھر آیا بے اختیار ہو کر لپٹ گئے اور فرمایا۔ تیرا باپ میں ہوں اور بھائی یہ موجود ہیں۔ اس جواب نے بچی کو یقین دلایا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پردیس میں دنیا سے رخصت ہو گیا چیخ مار کر قدموں میں گر پڑی اور کہا چچا جان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابا جان اور میرے دونوں بھائی شہید ہو گئے۔ امام حسینؑ نے گود میں لیکر فرمایا، ہاں بی بی تمہارے باپ خاندان کا حق ادا کر گئے۔ اور بھائی حسنؑ کے بعد حقیقی بھائی کی محبت یاد دلا دی اور اس سفر میں حسینؑ کو اکیلا چھوڑ کر نانا جان کے پاس پہونچ گئے۔ انہوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ حق کے

معاملہ میں جان کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمارے قافلہ کی امیدیں ان کے دم سے تھیں اور میا
ان ہی کے بھروسہ پر مکہ سے روا ہوا تھا۔ لیکن خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا۔

امام حسین اور حر علیہ السلام کی گفتگو

رات تمام قافلہ نے رو دھو کر کاٹی نماز فجر کے بعد روانگی کا قصد کر رہے تھے کہ حر
بن ریاحی ایک دستہ فوج لیکر سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اندیشہ تھا کہ شاید دشمن آگے
نہ بڑھنے دے اور اسی جگہ سے لڑائی شروع ہو جائے۔ مگر حر نے اپنی جماعت کو علیحدہ چھوڑ کر
قاصد بھیجا اور حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ اس کے اس فعل سے خوش ہوئے اور
اجازت دی۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہو کیا کہتے۔ حر کی آنکھوں میں آنسو آگئے
زمین بوس ہو کر کہا کیا عرض کروں کس منہ سے کہوں۔ اور کس دل سے۔ اگر
گستاخی نہ ہو تو بہ ادب عرض کرتا ہوں کہ اے ابن رسول اللہ۔ عبید اور عمر
سعد نے اس غرض سے مقرر کیا ہے کہ گھیر کر گرفتار کروں اور سر مبارک تن سے جدا
کروں۔ مگر کٹ جائیں وہ ہاتھ جو اس غرض سے اٹھیں اور پھوٹ جائیں وہ آنکھیں
جو یہ مقصد لئے بلند ہوں۔ زمین اژدہا بن کر نگل جائے اور آسمان قہر بن کر ٹوٹ پڑے
اس سے پہلے کہ رسول خدا کے جگر گوشہ سے بے ایمانی کروں اے ابن رسول اللہ میرے
نیک مقصد میں میری مدد فرمائیے۔ اور دعا کیجئے کہ قیامت کے روز مجھے دامن سالت
میں پناہ ملے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ فوراً بال بچوں سمیت کسی طرف چلے جاتے میں یا میری فوج
اتنی مجال نہیں رکھتی کہ مزاحمت کریں ہم اپنے رسول زادے کو آنکھوں سے وداع
کرینگے۔ عبید اور عمر ابن سعد دونوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں
اور زندگی کی خطرناک خزاں ان کے ایمان کی بہار کا خاتمہ کر چکی مکروہ الصورت اور
کریہہ الصوت دنیا حسین دیوی بنکر ان کے سامنے آئی ہے۔ اور خدا اور اس کے

رسول کو بھول گئے میری التجا قبول ہو جدھر چاہیے تشریف لیجائیے۔

امام حسینؓ نے حر کے دلی جذبات کا اعتراف کیا اور کہا تمکو معلوم ہے کہ میرا بیگناہ بھائی اور اس کے معصوم بچے ابن زیاد نے شہید کر دیئے اس کی یتیم بچی میرے ساتھ ہے اب میرا جان بچانا ان کے زخموں پر نمک چھڑکیگا، جو قدم خدا کی راہ میں آگے بڑھ گئے، اب خدا نہ کرے پیچھے ہٹیں۔

ابھی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ عمرو سعد ایک بڑی جمعیت لیکر آ پہونچا اور حر سے کہا کہ امام حسین سے کہدو کہ اگر بیعت منظور ہے تو فبہا ورنہ سخت سے سخت تکلیفیں پہونچاؤنگا۔ حر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہر چند کوشش کی مگر عمرو سعد کا پیام زبان سے نہ دہرا سکے اور ادہر اُدہر کی باتیں کرکے واپس ہوگئے۔ امام حسین آگے بڑھے اور قریب ہی کربلا کے قیام کیا۔

حر کے معاملہ میں مسلمان مختلف الخیال ہیں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ حر عبید بن زیاد کے حکم سے حضرت امام حسین کی خدمت میں آئے اور جسوقت یہ قافلہ کربلا کے میدان میں پہونچا تھا حر کی آنکھوں میں سراب دنیا جلوہ گر تھا اور وہ امام علیہ السلام کے خلاف ہر ظلم کو آمادہ تھے۔ عمرو سعد کا پیام پہنچا کر واپس چلنے لگے تو امام حسین نے حر سے کہا کہ میری یہ تین خواہشیں ابن زیاد تک پہنچا دو۔ سب سے پہلی یہ کہ مجھے جانے دے میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں جاکر اللہ اللہ کروں گا۔ اور اگر اس میں تامل ہو تو دنیا کے کسی اور گوشہ میں چلا جاؤں اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ جدہر منہ اٹھیگا چلا جاؤنگا۔ ممکن ہے دمشق چلا جاؤں اور یزید سے ملوں۔ اس آخری خواہش سے تمام مسلمان متفق نہیں ہیں بعض کی رائے ہے کہ یزید کا نام نہیں لیا، بہرحال عمرو سعد نے یہ پیام عبید ابن زیاد تک پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا کہ سب سے پہلے حسین کو میری بیعت کرنی چاہیئے اس کے بعد دوسرے معاملات پر غور کرونگا۔ اس کے ساتھ ہی

یہ بھی کہلا بھیجا کہ تجھ سے حسین کا سر طلب کیا گیا ہے یا صلح کی شرائط کے لئے روانہ کیا ہے
اس نے پیامبر کو یہ بھی حکم دیا کہ اگر عمر و سعد قتل میں تامل کرے تو اسکو فی الفور قتل
کردیجو۔ اس قاصد کے روانہ ہونے کے چند گھنٹے بعد اس نے شمر ذی الجوشن کو حکم دیا کہ تو
فوراً روانہ ہو اور جس قدر جلد ممکن ہو حسین کا سر میرے پاس بھیجدے۔ عمر و سعد ذرہ
بھر بھی ڈھیل کرے تو اسکو قتل کر دے۔ عمر و سعد نے پہلے ہی حکم پر امام حسین سے کہدیا
تھا کہ میں اب بحث نہیں کرسکتا ورنہ اس کے معنے یہ ہونگے کہ رے کی حکومت چھوڑ کر
اپنی تباہی کے بیج اپنے ہاتھ سے بوؤں۔ امام حسین نے جواب دیا کہ آج لڑائی ملتوی
کرو کل شروع کرنا۔ عمر و سعد اس پر غور کر ہی رہا تھا کہ شمر دوسرا حکم لیکر پہنچا اور کہا مجھے
سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ دریائے فرات پر قبضہ کرلوں اور امام حسین اور ان کے
خیمہ تک پانی کا ایک قطرہ نہ پہونچنے دوں چنانچہ وہ ایک مختصر سا دستہ لیکر فرات
پر پہونچا اور دریا پر پوری طرح قابض ہوگیا۔

امام حسین میدان کربلا میں

اُفق زندگی پر مظالم کی موسلا دھار بارش بارہا ہوئی اور جور و ستم کی سیاہ گھٹائیں
شب و روز چھائیں، نمرود کی آگ کو آغوش میں لینے والی سرزمین اسی دنیا کی تھی، آدم
کو جنت میں دہوکا دینے والے ہاتھ اسی زندگی کے تھے۔ یعقوب کو اندھا کرنیوالی اور
یوسف پر بہتان لگانیوالی یہی دنیا تھی۔ مگر سیدہ کے لال پر میدان کربلا میں جو کچھ
گذری اس کا شائبہ ادہر ہے نہ اُدہر۔ قربان اس نواسہ کے جو نانا کی شان امت کو دکھا
گیا اور نثار اس نواسی اور نواس بہو کے جنکا صبر و شکر زندگی کے ان نازک لمحوں میں
احکام ربانی کی عملی تفسیر کر رہا تھا۔ اس قیامت خیز حالت میں کہ آسمان کی آگ زمین کو
کھلا رہی تھی اور زمین کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے تھے ہوا کے تھپیڑے جھلس
رہے ہیں۔ چرند اور پرند ہانپ ہانپ کر دور بھاگ گئے۔ حسین ابن علی کی آنکھیں کیا دیکھتی ہیں۔

اٹھارہ مہینہ کا معصوم بچہ عبداللہ علی اصغر پیاس سے تڑپ تڑپ کر ادر بلک بلک کر ماں کی گود میں نڈھال ہو چکا۔ مامتا کی ماری اسکی صورت تک رہی ہے اور چاہتی ہے کہ آنسوؤں کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکاؤں۔ بچہ ہوش میں آکر آنکھ کھولتا ہے۔ اور ماں کی طرف دیکھ کر زبان باہر نکال دیتا ہے۔ نقاہت زبان کو ہونٹوں تک آنیکی اجازت نہیں دیتی آہستہ سے منہ کھول کر زبان اور حلق کے کانٹے ماں کو دکھاتا ہے تو بیتاب ہو کر کہتی ہے۔ قربان جاؤں ان ہونٹوں کے اور اس زبان کے۔

ماں کے فقرے اور بچہ کی کیفیت نے باپ کے ساتھ کیا کیا اس کا جواب اولاد والے دینگے۔ بچہ کو گود میں لیکر اپنی زبان اس کے منہ میں دی اور آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔ مگر دل سے اب بھی صبر و شکر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں دوسری طرف نگاہ اٹھاتے ہیں نوجوان شیر تشنہ شہادت میں چکناچور خاموش کھڑا ہے منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ مگر پیاس نے جان پر بنا دی، باپ کی صورت دیکھتے ہی ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو دل کٹ گیا۔ دیکھا کہ پھول سا چہرہ ہوا کے تھپیڑوں سے کملا چکا ہے۔ پیاس کی شدت نے ہوش اڑا دیئے ہیں ایک آگ کا دریا ہے کہ خیمہ میں لہریں لے رہا ہے اور بڑے سے چھوٹے تک سب پیاس پیاس کے نعرے لگا رہے ہیں۔ علی اکبر سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ پشت سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ تعجب کی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو ماں جائی زینب اپنی ردا سے پنکھا جھل رہی تھی اس کی شفقت نے بیتاب کر دیا۔ سر پہ ہاتھ رکھکر کلیجہ سے لگایا تو اس کے دونوں بچے عون و محمد قدموں سے آنکھیں مل رہے تھے۔ انکو سینہ سے لگایا تو سامنے حضرت امام حسن کا لال ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ یہ وہ کیفیت تھی انسان کیا پتھر کے بھی ٹکڑے کر دیتی باہر نکلکر دیکھا تو تمام ہمراہی ہتھیار لگائے قربان ہونے کے شوق میں بے قرار تھے۔ اندر آئے اور بی بی شہربانو سے کہا۔

امام حسین کی درخواست بی بی شہربانو سے

تم نوشیرواں عادل کی پوتی اور بادشاہ یزدگرد کی حقیقی بھانجی ہو۔ میں آج تم کو وہ وقت یاد دلاتا ہوں جب فتوحات اسلامی کا دریا چاروں طرف امنڈ رہا تھا ایران کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو تمہارے جسم کی پوشاک جواہرات سے لپی ہوئی ہزارہا روپے کی ملکیت تھی ایک غیور قوم کے کسی فرد کی مجال نہ ہو سکتی تھی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتا۔ مگر ہر شخص یہ دیکھنے کا منتظر تھا کہ دنیوی جنت کی یہ حور کس کے حصہ میں آتی ہے۔ میں اسوقت موجود نہ تھا مگر سنا ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت بیچینی سے نتیجہ کا انتظار کر رہی تھی اسوقت خلیفہ دوم کے یہ الفاظ فتح مندوں کے کان میں پہونچے

"شہزادی آج تک دنیوی بادشاہوں کی بیٹی اور پوتی رہی اب اس کا احترام یہ ہے کہ میں اس کو دین کی شہزادی بنا دوں، اور فتح ایران کا یہ بہترین تحفہ مسلمانوں کی طرف سے امام حسین کی خدمت میں پیش کر دوں"۔

میں وہ وقت تمکو یاد دلا کر کہتا ہوں کہ جس روز سے تم میرے پاس آئیں اسوقت تک جو خدمات تم نے انجام دیں میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، بچوں کی پرورش اور تربیت میں۔ خانہ داری کے اہتمام و انصرام میں جو تکلیف تم نے اٹھائی میں سچے دل سے اس کا ممنون ہوں، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایران نے بیوی کے معاملہ میں عرب کو دس دیا کیونکہ اس سرزمین سے بھی فاطمہ اور خدیجہ جیسی بیبیاں اٹھیں ہیں۔ جن کے نام پر عالم النسواں ہمیشہ فخر کریگا لیکن یہ ضرور کہونگا کہ تمدن و معاشرت کے اس شعبہ میں ایران عرب سے کم نہ نکلا۔ تم نے بادشاہ ہو کر مجھ فقیر کا گھر سلطنت سمجھا اور جو کی روکھی روٹی کو بریانی سے بہتر خیال کیا۔ تمہارے احسانات کا اعتراف کرنے کے بعد میں آج تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میری اور میرے بچوں کی خاطر اسوقت اپنے میکے چلی جاؤ اور مجھکو خدا پر چھوڑ دو۔ عرب نے تمہاری قدر نہ کی اور آج یہ وقت دکھا دیا

کہ تم اور تمہارے بچے پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ عرب کی مہمان نوازی پر عمر وسعد نے کلنگ کا ایسا ٹیکہ لگایا کہ تاریخ اسلام مدۃ العمر خون کے آنسو رو کر بھی اس داغ کو نہیں مٹا سکتی لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب بہتر صورت اور اچھا علاج یہی ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لیکر سدھارو۔ اور مجھکو میرے حال پر چھوڑ کر دعا کرو کہ خدا مجھ پر رحم کرے۔

امام حسین کی اس تقریر سے شہر بانو پر رقت طاری ہو گئی اور وہ بے اختیار ہو کر امام کے قدموں پر گریں اور رو کر کہا۔

امام عالی مقام! جس روز قیامت بپا ہو گی اور ہر متنفس نفسی نفسی پکاریگا اس روز میری خدمات کا معاوضہ ملیگا۔ اور جنت ٹھکانے لگے گی اس ہوش ربا ساعت میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو گا جس کے سر پر فاطمہ زہرا جیسی ساس اور علی ابن ابی طالب جیسے خسر کا ہاتھ ہو گا۔ میرے نانا سرور عالم کی شفقت آمیز نظریں میرے چہرے پر ہوں گی میدان حشر کی بیویاں اور بیٹیاں مجھے حسرت سے دیکھینگی امام عالی مقام یہ کلیجے کے ٹکڑے اور یہ جگر گوشے۔ ہزار بار سیدہ کے لال پر قربان مجھے اپنے لال سیدہ کے لال سے زیادہ نہیں۔ میری تکلیف زینب کی تکلیف سے بڑھ کر نہیں ہے میری ناچیز خدمات پر نہ بٹہ نہ لگنے دیجئے کہ دنیا کی عورتیں میرا مضحکہ اڑائیں ایک جان کیا ہزار جانیں ہوتیں تو کربلا میں آپ پر نثار کر دیتی یقین فرمایئے کہ اگر ان بچوں کی قربانی سے آپ کی جان بچ سکتی تو بدبخت عمر وسعد کے سامنے اس کے خنجر سے اپنے ہاتھ سے اصغر اور اکبر کو ذبح کر دیتی اور دکھا دیتی کہ جن ہاتھوں نے اسمعیل کی گردن پر چھری پھیرنے کا قصد کیا تھا۔ اس گھر کی ایک بہو نے اس سنت کی تکمیل کر دی امام عالی مقام لاریب بادشاہ کی بیٹی اور پوتی ہوں۔ مگر آپ کی کنیز اور لونڈی ہوں۔ مجھے یہاں سے وطن بھیجکر اہل جہان کی نگاہ میں شرمندہ نہ کیجئے اور دعا کیجئے کہ میری قربانیاں میرے

باپ اور خسر شیر خدا اور رسول خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں اور یوم الحق میں سرخرو ہوں
اس گفتگو کا امام حسین کی حالت پر ایک خاص اثر ہوا اور وہ چشم پر آب باہر نکلے
تو عمر وسعد کا قاصد حاضر خدمت تھا جس نے کہا۔ ابن زیاد کا دوسرا پیام آیا ہے کہ امام حسین
کو ایک لمحہ کی مہلت نہ دی جائے۔ اس لئے یا تو ادھر آکر بیعت کیجئے ورنہ لڑائی شروع کیجئے
چند لمحہ غور کرنے کے بعد امام حسین نے جواب دیا کہ عمر وسعد سے کہنا کہ تو نے دریا پر
قبضہ کر لیا اور آل رسول پانی کے ایک قطرہ کو ترس رہی ہے۔ یہ لڑائی نہیں ظلم ہے اور
ایسا ظلم جو پردۂ دنیا پر اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ لڑائی ہمیشہ برابر کی فوجوں میں ہوتی ہے
ہماری لڑائی کیا اور مقابلہ کیا۔ ہماری تعداد دو سو اور دو سو ہے جس میں عورتیں اور بچے
بھی شامل ہیں تمہاری جمعیت اکیس بائیس ہزار ہے۔ لڑائی یزید و حسین کی نہیں باختیار
دب اختیار کی ہے اور ایک سر کو جدا کرنے کے واسطے یزید۔ ابن زیاد اور عمر وسعد نے
دنیا بھر کی طاقت فراہم کر لی ہے۔ اب آفتاب غروب ہوتا ہے اس لئے رات بھر کی
مہلت دو کہ صبح تم جس مقصد کے واسطے لڑ رہے ہو اس کی تکمیل ہو جائے ہم آج
کی رات خدائے بہتر و برتر کی عبادت میں صرف کریں اور دعا کریں کہ ہماری ناچیز قربانیاں قبول
ہوں۔ اور نانا جان کی امت پر حسین اپنے بال بچوں سمیت قربان ہو جائے۔

قاصد یہ پیام لیکر عمر وسعد کے پاس پہنچا شام قریب تھی اس لئے اس نے
اس تجویز سے متفق ہونے میں تامل نہ کیا۔ شمر سے مشورہ کیا تو اس نے کہا اس میں شک
نہیں حسین ابن علی کے پاس جمعیت بہت کم ہے اور ہم چشم زدن میں اس کا خاتمہ کر دینگے
لیکن حسین اس باپ کا بیٹا ہے جس کی شجاعت کا سکہ دنیا پر بیٹھا ہوا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے
کہ ہم میں سے کس کس کے سر پر قضا کھیل رہی ہے اور حسین کا سر کس قدر جانیں لیکر
ہاتھ آئیگا۔ مہلت اس لئے دیدو کہ رات بھر پیاسے رہنے سے حسین اور اس کا لشکر
اس قدر مضمحل ہو جائے گا کہ کل لڑائی کی ہمت نہ رہے گی۔

سیدہ کے لال کی آخری رات

کربلا کے میدان میں راتیں شب ور وز آئیں اور گئیں۔ آئینگی اور جائینگی مگر محرم ۶۱ھ کی وہ نویں رات جس کی صبح کو ابن زیاد کے حکم سے عمرو سعد نے چمنستان نبوت کی سرسبز و شاداب کونپلیں توڑیں۔ پہاڑوں سے سر پھوڑتی آئی۔ کربلا کے ذرات نے واویلا شروع کی اور فرات کی لہریں سینہ کوبی میں مصروف ہوئیں۔ یزیدی لشکر نے شب ماہ کا لطف اٹھانے میں کسر نہ چھوڑی اور رات کا بڑا حصہ گلچھروں میں گذرا مگر سید الشہداء عشاء کے بعد ہی سے راز و نیاز میں مصروف ہو گئے۔ جب آدھی کے قریب رات گذر چکی تھی اور چاند روتا ہوا رخصت ہو رہا تھا تو اس اندھیرے گھپ میں جہاں اولاد رسول کو جلانیکا تیل بھی میسر نہ تھا سیدہ کا لال سجدہ میں گرا اور عرض کیا

یہ تھوڑی سی جمعیت جو بڑی خوشی سے میرے ساتھ آئی ہے۔ میں اسکی اعانت کا محتاج نہیں ہوں۔ نتیجہ جو کچھ ہوگا مجھے معلوم ہے۔ مگر تو جانتا ہے کہ میرے اصرار پر بھی یہ میرا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ یہ چند بچے۔ میرے بچے، بھائی اور بہن کے بچے تیری راہ میں قربان ہیں۔ تو نے خلیل کی قربانی پہاڑ کی چوٹی پر قبول کی۔ یوسف کا نالہ قیدخانہ میں سنا اور یعقوب کی التجا جنگل بیابان میں۔ آج کربلا کے ریتلے میدان میں میری سن احکم الحاکمین یہ میری ناچیز قربانی قبول کر تجھکو معلوم ہے کہ حسین کے اس کے سوا کچھ نہیں۔ التجا صرف اس قدر ہے کہ بچوں کی محبت مقصد میں حائل نہ ہو۔ میرے حوصلے بلند کر۔ میرا دل شیر کر اور توفیق بخش کہ دشمن کے سامنے ہنس ہنس کر گلا کٹاؤں اور بچوں کی لاشیں کھل کھل کر ڈھوؤں۔ عزیزوں کے جنازے اٹھاؤں۔ مگر زبان پر شکر اور لب پر صبر کے سوا کچھ نہ ہو۔

پچھلی رات کا تمام حصہ امام حسین کا اس مناجات میں بسر ہوا اور وہ وقت آگیا کہ دسویں محرم کی روشنی نمودار ہو کر نویں رات کا خاتمہ کردے۔

صبح عاشورہ

میدان کربلا میں علی اکبر کی صدائے حق بلند ہوئی اور عمر و سعد کے لشکر میں قہقہوں کی آوازیں گونجیں۔ اوائے نماز کے بعد امام حسینؓ نے اپنے لشکر سے خطاب کیا کہ تم لوگوں نے میرا ساتھ اسوقت تک دیکر جو کچھ احسان کیا میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں اب میرا آخر وقت ہے اور خدا کی حضور کا شوق لحہ بلحہ زیادہ ہورہا ہے۔ میرے بھائیوں اب تم میرے ساتھ تکلیف و مصیبت میں نہ پھنسو اور اپنے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ میری وجہ سے تماری بیویاں رانڈ۔ اور بچے یتیم نہ بنیں تمہارے اس احسان کا معاوضہ خدا کے ہاں ملیگا۔

حضرت امام حسین کی اس گفتگو سے بجائے اسکے کہ جو لوگ ساتھ تھے وہ چلے جاتے سب نے بالاتفاق عرض کیا۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمکو کل قیامت کے روز آپ کے نانا حضور اکرم صلعم کو منہ دکہانا ہے اس سے بہتر کام ہماری زندگی کا اور کیا ہوسکتا ہے کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اسکے نواسے پر قربان ہو جائیں۔ دشمن کی یہ مجال نہیں ہوسکتی کہ وہ ہماری زندگی میں آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ جو وقت آنیوالا ہے وہ اُسوقت آئیگا جب ہمارا جسم بے روح ہو جائیگا اور موت ہماری طاقت اور اختیار کو فنا کر دیگی۔

"امام حسینؓ نے ان کو دعا دی اور فرمایا خدا تمہاری خدمت قبول کرے"

ابھی آپ ان لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ قبیلہ طے کا ایک شخص (وہ قبیلہ جو حاتم طائی کی وجہ سے کافی مشہور ہے) طرح بن عادی جو کسی ضرورت سے ادہر آیا تہا یہ کیفیت دیکھ کر قدمبوس ہوا اور عرض کیا میرے قبیلے کے پانچہزار آدمی آپ پر ہنسی خوشی اپنی جانیں نثار کرینگے۔ آپ صرف اس قدر کیجئے کہ میرے ہمراہ تشریف لے چلئے اور اگر اجازت دیجئے تو میرا تمام قبیلہ اسی میدان میں حاضر ہو جائے۔ میں ان کو جاکر لاتا ہوں۔ آپ نے اسکا شکریہ ادا کیا اور فرمایا اگر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تو دشمن مجھکو نکلنے نہ دینگے۔ اور اگر تم

اپنے قبیلہ کو لاتے ہو تو جس قدر خونریزی ہوگی اس کا باعث صرف میں ہونگا اور میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تمہاری یہ خدمت خدا قبول کرے۔

اب آپ خیمے سے آگے بڑھے اور عمرو سعد سے خطاب کیا۔

بلبل کو چمن سے اور مسافر کو وطن سے دور ہونیکا اتنا رنج نہیں ہوتا جس قدر مجھکو رسول خدا کے مزار اور خدا کے گھر سے علیحدہ ہونیکا ہوا۔ تم لوگوں نے دھوکا دیکر مجھے بلایا۔ حرم خدا اور رسول سے جدا کیا۔ اور اس وقت میرے قتل پر کمربستہ ہو۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہو کس کے ساتھ۔ تم میں سے بہت سے موجود ہیں جنہوں نے سنا ہوگا اور جنکو معلوم نہیں انہیں آج معلوم ہوجانا چاہئے کہ خدا کے رسول نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ حسین جنت کے جوان ہیں۔ اب تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو تم ہی بتاؤ کہ کس وجہ سے۔ صرف یہی نا کہ میں یزید کی بیعت تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے متعلق میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھکو جانے دو۔ میں ایک کونہ میں بیٹھکر اللہ اللہ کرونگا اور وہیں اپنی زندگی ختم کردونگا۔ اگر تم منظور کرو تو اب بھی موقعہ ہے کہ میں اپنے بال بچوں کو لیکر چلا جاؤں اور اگر شیطان ہی تمہارے سر پر سوار ہے اور تم باز نہیں آتے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں یزید کی بیعت کروں۔ حسین اور اس کے بچوں کی موت خاندان رسول کی بربادی۔ حرم رسول کی تباہی ان میں سے کوئی چیز میرا قدم نہیں ڈگمگا سکتی مبارک ہوگی وہ گھڑی جب میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور خوش نصیب ہونگا اگر میری یہ قربانیاں خدائے برتر کے حضور میں قبول ہوں۔ اور میں قیامت کے روز سرخرو ہوں۔

عمرو سعد اور اس کے لشکر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور کوئی شخص جواب کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اب آپ نے فرمایا اے حر بن یزید، حجاج بن الحسن کیا تم لوگوں کے دستخط ان خطوں پر نہیں ہیں جو مجھکو بلانے کے لئے کوفہ سے بھیجے گئے۔

ان الفاظ کا اثر حر پر کچھ ایسا ہوا کہ اس نے رخ بدلکر عمرو سعد سے کہا۔

حضرت حر کی سعادت

افسوس ہے تجھپر اور تیرے حمایتی عبید اللہ ابن زیاد اور یزید پر کہ تم لوگوں نے اپنے ساتھ ہزاروں مسلمانوں کی عاقبت برباد کی اور دیکھنے والوں کو دکھایا کہ جن آنکھوں نے رسولؐ اللہ کو حسین کے حلق پر بوسہ دیتے دیکھا تھا اسی پر خنجر چلانے کے واسطے آمادہ ہوگئے سب سے زیادہ بدنصیب میں ہوں کہ میری دنیا بھی گئی اور دین بھی میں اپنے مولا اور اپنے آقا کو تجھ بدبخت کی ترغیب سے گھیر کر یہاں لایا۔ اب میری سزا یہ ہے کہ سب سے پہلے میں ہی رسول اللہ صلعم کے لخت جگر پر قربان ہوں۔ یہ دیکھ میں تیرے لشکر سے تیر کی طرح چلا اور امام حسین کی طرف سے پہلا شخص میں ہی تیرے مقابلہ میں آؤنگا اگر مرد ہے اور مقابلہ کی تاب ہے تو میرے سامنے میدان میں آ اور دیکھ کہ حسین کے شیدائی کس طرح اپنے آقا پر نثار ہوتے ہیں۔ اتنا کہہ کر حر نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور امام عالی مقام کے قدموں میں گر کر کہا۔

آقا ہاتھ جوڑ کر قصور کی معافی چاہتا ہوں۔ ابن علی میری خطا معاف کر اور دوزخ میں گرنے والے کو سنبھال۔ جانتا ہوں کہ جو کچھ کر چکا اسکی تلافی ممکن نہیں۔ حرم رسول کو اس میدان میں گھیر کر لانے والا بدنصیب ازلی حر ہے۔ غفلت کے پردے اسکی آنکھوں پر پڑ گئے۔ لیکن اے مولا تو اس باپ کا بیٹا اور نانا کا نواسا ہے جن کے رحم و کرم کی لہریں تمام عرب کو سیراب کر رہی ہیں حسین تو نے اس دودھ سے پرورش پائی ہے جو عفو کا مخزن تھا۔ آج میدان کربلا میں نانا کی شان، باپ کا کرم اور ما کا رحم ایک دفعہ اور دکھادے خدا کا واسطہ دیتا ہوں، نانا کے طفیل میں باپ کے صدقہ میں اور ماں کی بدولت مردے کو جلا، نار کو باغ اور جہنم کو فردوس کردے۔ زمین میرے قدموں سے تھرا رہی ہے۔ آسمان مجھ پر تھوک رہا ہے اور پہاڑوں کے سنگریزے مجھ پہ میری صورت پر اور میرے خاندان پر لعنت برسا رہے ہیں۔ میرے ہاتھ نہ کٹے۔ میری زبان نہ گلی اور میرا دماغ نہ پھٹا

ماں نے مجھے اس لئے جنا تھا۔ باپ نے مجھے اسلئے پرورش کیا تھا کہ میں جوان ہو کر خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کروں اور فاطمہ کے کلیجے کے ٹکڑے میری وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار ہوں۔ بچا بچا حسین مجھکو بچا۔ دوزخ کے شعلے میری آنکھوں کے سامنے بھڑک رہے ہیں اور آگ کی چنگاریاں میرے جسم سے نکل رہی ہیں۔ بجھا بجھا ابن علی اس آگ کو بجھا اور اجازت دے کہ سب سے پہلا شخص جو اس صورت پر قربان ہو وہ حر ہو۔ پھر واسطہ دیتا ہوں نانا کا، باپ کا، ماں کا، بھائی کا، ان مقدس روحوں کے تصدق میں میرا قصور معاف کر۔ یہ سر تیرے قدموں میں ہے۔ دھتکار دے، ٹھکرا دے، جو چاہے کر، مگر اب یہ سر سر کٹنے والا نہیں۔

امام عالی مقام نے حر کو سینہ سے لگایا اور فرمایا میں ان سب ہمراہیوں سے کہہ چکا ہوں کہ میری وجہ سے شہید نہ ہوں اور چلے جائیں۔ یزید کا غصہ، ابن زیاد کی آگ اور عمرو سعد کا جوش صرف حسین کے قتل سے ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔ یہ سر موجود ہے مگر تم اپنے بچوں کو میری وجہ سے یتیم نہ کرو۔ حر خاموش کھڑا تھا۔ ان الفاظ نے اس پر کچھ ایسا اثر کیا کہ ایک چیخ ماری اور کہا۔ اے ابن رسول اللہ حر کے زخموں پر نمک نہ چھڑکئے۔ حسین کے بچے یتیم ہوں اور حر زندہ رہے۔ اس کی بیوی اور اس کے بچے آپ کے بچوں پر قربان للہ ابن علی اجازت مرحمت ہو۔ ہر سانس قیامت ہے۔ گڑا جاتا ہوں مرا جاتا ہوں کرم رحم ابن رسول اللہ رحم اور اجازت۔

امام حسین کی آنکھ میں حر کی گفتگو سے آنسو آگئے اور کہا "اچھا"

اس پروانہ کی طرح جو شمع پر اس بلبل کی طرح جو پھول پر اس چکور کی طرح جو چاند پر نثار ہوتی ہے۔ حر چاروں طرف نشہ شہادت میں جھومتا ہوا یہ کہہ کہہ کر بیتاب ہو تا رہا۔ یا ابن رسول اللہ اب ایک التجا اور ہے۔ عفو خطا کا مژدہ اس مبارک منہ سے سنا دیجئے۔ اور پھر دیکھ لیجئے کہ خون کے ہر قطرہ کو سر آنکھوں پر رکھونگا۔ گوشت کا ہر ٹکڑا تن سے

جدا ہو کر حسین کے نعرے لگائیگا۔ اور جس طرح زندہ حر اسی نام کو جپتا ہوا قربان ہوا اسی طرح مردہ حُر کے رونگٹے رونگٹے سے ابن علی کی صدا بلند ہوگی کاش ابن زیاد میدان میں ہوتا۔ یزید اسوقت سامنے آجاتا تو دنیا کو دکھا دیتا کہ حسین کے شیدائی اپنے آقا کی بیعت ہاتھ سے نہیں جان سے کرتے ہیں۔

عمر وسعد سمجھ رہا تھا کہ شاید حر امام حسین سے بیعت کے متعلق گفتگو کر رہا ہے کہ دفعتاً حر گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچا اور کہا۔

وہ حر جو تیرے لشکر کا افسر تھا اور امام حسین کو اس میدان میں گھیر لایا ختم ہو چکا اس وقت میں وہ حر ہوں جو سب سے پہلے تجھکو قتل کرونگا۔ اور تجھکو تیرے اعمال کا مزہ چکھاؤنگا۔ مگر اس لئے کہ مجھ پر بھی یہی کیفیت گذر چکی ہے سمجھاتا ہوں کہ دونوں طرف نظر ڈال تیرے لشکر میں دوزخ بپا ہے اسے دیکھ اور اس طرف جو جنت موجود ہے۔ اسپر بھی نظر ڈال اور سوچ کہ زندگی کی چند گھڑیوں کے واسطے خدا اور اس کے رسول سے دغا کر رہا ہے۔ ارے بدبخت دنیا اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے۔ یاد رکھو ابن زیاد سے فلاح نہ ہوگی، یزید سے انعام کی توقع نہ رکھ۔ اور جھوٹی امیدوں پر خدا کے سایہ سے نہ بھاگ۔

یزیدی لشکر میں حر کی تقریر سے ہل چل مچ گئی اور عمر وسعد ششدر و متحیر ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ حر کو جب کوئی جواب نہ ملا تو امام حسین کے پاس آکر قدمبوس ہوا اور درخواست کی کہ اب حکم دیجئے کہ عمر وسعد کو تہ تیغ کردوں۔ امام حسین ایک مرتبہ اور میدان جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا تم لوگوں سے ڈرتا نہیں ہوں مگر صرف اس لئے کہ جسوقت مجھ بیگناہ کے خون میں تمپر عذاب نازل ہوگا۔ اسوقت حضور اکرم کے یہ الفاظ نہ سنوں کہ حسین کے خون میں میری امت پر عذاب ہو رہا ہے، میں تم لوگوں سے پھر کہتا ہوں کہ کھرے کھوٹے کو پرکھ لو تم دیکھ رہے ہو کہ میں جو کچھ کہہ چکا وہ پتھر کی لکیر ہے۔ ایک

فاسق و فاجر کی بیعت کے مقابلہ میں ہزار ذیت گوارا ہے۔

یہاں تک پہنچکر امام حسین کچھ اور فرماتے کہ عمر و سعد نے کہا لشکر یوں۔ یزید اور ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ حسین پر سب سے پہلے میں نے حملہ کیا" یہ کہہ کر عمر و سعد نے تیر مارا مگر وہ خالی گیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

فوراً ہی ابن زیاد کا غلام اور ابن زیاد کے باپ کا غلام دو شخص آئے اور آواز دی کہ یزید کے لشکر کی جرأت جسکو دیکھنی ہے وہ مقابلہ میں آئے۔ انکے متواتر نعروں سے امام حسین کے ہمراہیوں میں طاقت ضبط نہ رہی۔ حبیب ابن المظاہر آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ امام حسین نے روکا اور کہا تمہاری حیثیت غلاموں کے مقابلہ کے لائق نہیں۔ چنانچہ عبداللہ وہب کلبی میدان میں پہونچے اور کہا بدبختوں کیا زباں درازی کرتے ہو۔ یہ کہہ کر ایک ہی وار میں دونوں کے سر اڑا دئے۔ عمر و سعد نے سالم کو اشارہ کیا وہ باہر نکلا اور تلوار ماری جس سے وہب کا الٹا ہاتھ زخمی ہوا مگر فدا کے اس جری نے سیدھے ہاتھ سے اس کا خاتمہ کر دیا اسوقت امام حسین کے لشکر سے تکبیر کی صدائیں ایسی بلند ہوئیں کہ عمر و سعد بھی پریشان ہوگیا۔ ادھر سے یزید ابن الحصین اور جعفر بن ثعلبہ چلے اور عمر و سعد نے یزید بن معقل کو بھیجا۔ مگر یزید بن الحصین کی ایک ہی تلوار میں یزید بن معقل دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد طرفین میں ڈیڑھ دو گھنٹے تک جنگ ہوتی رہی۔ شیدائیان حسین نے باوجود بھوک پیاس کے ایسی جرأت و ہمت دکھائی کہ دشمن دنگ رہ گیا۔

اب حر نے اجازت لی اور میدان میں پہنچے انکو دیکھتے ہی عمر و سعد غصہ سے سرخ ہوگیا۔ اور باآواز بلند کہا اس باغی کا سر اتارنیوالا یزید کے خاص انعام و اکرام کا مستحق ہے امیر حصین بن نمیر اتنا سنتے ہی باہر نکل آیا لیکن حر کی ایک ہی تلوار سے جہنم میں پہونچا اس کے بعد حر نے دوسرے مقابل کی راہ نہ دیکھی۔ اور تلوار لیکر لشکر میں گھس گئے کہ کسی طرح عمر و سعد کو قتل کریں۔ ہر طرف قتل عام کرتے تھے چونکہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا

اس لئے دل کا حوصلہ پورا کیا اور شہید ہوئے۔

عربستان کی مخلوق اور پہاڑوں کی چوٹیاں وہ سماں دیکھ چکی ہیں کہ حر بن ریاحی پوری جمعیت کے ساتھ ابن رسول اللہ کی گرفتاری کو آپہونچا اور خاندان رسالت کی محترم خواتین اور معصوم بچوں کو نظر بند کر لیا۔ سر بفلک پہاڑ اور سرسبز درخت امام حسین کی بے بسی پر روئے اور آسمان وزمین نے نالے بلند کئے۔ صحرائی درندوں کی دہاڑوں اور طائران خوش الحان کی فریادوں نے زمین کے کلیجے چھلنی کر دیئے جس وقت وہ ساعت آئی کہ حسین بن علی کا مظلوم قافلہ کربلا کے میدان میں اترا تو تقدیر نے اس کامیابی کا سہرا اسی حر کے سر باندھ دیا۔ سراب زندگی نے اسکو مبارکباد دی اور فانی دنیا نے اس کے انقلاب پر آفرین کہی۔ آج عربستان اور اس کے زمین وآسمان کی آنکھیں یہ سماں دیکھتی ہیں کہ وہی حر بن ریاحی جو امام حسین کی گرفتاری پر مامور ہوا تھا اپنے آقا پر قربان ہو گیا۔ گرم لو کے تھپیڑے ماں کی لوری بنکر اسکو ابدی نیند سلا رہے ہیں۔ ایمان پانی کے بدلے کوثر کے جام شہید کی لاش پر نچھاور کر رہا ہے جس وقت عمر وسعد نے حر کی لاش لشکر امام میں پھینکی اور ابن علی نے اسکے سر کو بوسہ دیا تو زمین وآسمان کا ہر ذرہ اسکی صداقت کو سجدے کر رہا تھا۔ شہادت اس کا منہ چوم رہی تھی اور حقیقت اسکے سر پر کھڑی لپیسے پھول لٹا رہی تھی جو آجتک دنیا کو معطر کر رہے ہیں۔ حوریں شہید حر کی صورت حسرت سے تک رہی تھیں اور ملائکہ تعجب کی نظریں ڈال رہے تھے کہ چشم زدن میں کس طرح جہنم کا کندہ جنت کا پھول بن گیا۔ جس پر چہار طرف سے لعنت وملامت کی بوچھاڑ پڑ رہی تھی آناً فاناً کچھ کا کچھ ہو گیا، زمین مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی اور آسمان آفرین کی آوازیں دینے لگا۔ زندگی اسکی موت پر قربان ہوئی اور دنیا اس کے دین پر نثار۔ عقیدت، اس کی شہادت کے رد برو جھکی اور اسلام نے اسکی بغاوت سر آنکھوں پر رکھی لشکر امام نے مرحبا کا شور مچایا۔ ملائکہ عرش بریں پر ہم آہنگ ہوئے اور اس طرح حر کو وہ شہادت نصیب ہوئی جس پر دنیا ہمیشہ فخر کریگی۔

حر کی شہادت نے کوفیوں اور شامیوں کے ہوش اڑا دئے۔ عمر وسعد نے باآواز بلند کہدیا کہ حسین کا قتل آسان نہیں۔ اگر حر کی طرح ایک سر کے بدلے اتنے سر قربان کرنے پڑینگے تو نتیجہ شکست ہے بہتر ہوگا کہ ہماری متفقہ فوج حملہ کرے اور سب کا خاتمہ کردے یہ کہہ کر ایک ساتھ تیروں کی بوچھاڑ شروع کی یہاں تک کہ لشکر امام کے تمام گھوڑے چھلنی ہوگئے اور ایک میں سکت نہ رہا۔ اب یہ تمام فوج ایک ساتھ ٹوٹ پڑی اور شمر خیمہ کی طرف چلا وہ اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ حسین نے ایسا تیر مارا کہ گھوڑا اوندھے منہ گرا اور شمر دم دبا کر بھاگا اور کہا لڑائی ایک ہی ایک کی ٹھیک ہوگی۔

اسوقت سب سے پہلے حصین میدان میں آئے اور جوہر شجاعت دکھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے بعد اور ہمراہی اپنے آقا پر قربان ہوئے۔ آفتاب ڈھل رہا تھا۔ اور دوپہر ختم کے قریب تھی کہ امام کے تمام ہمراہی کام آگئے۔ اور سات آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

بی بی زینب کے بچوں کی شہادت

شہر بانو خاموش کھڑی کپڑے سے پنکھا جھل رہی تھیں کہ سیدہ کے لال نے بہن سے فرمایا۔ زینب اٹھو بابا کی شمشیر، بھائی حسن کی کمان، ناناجان کا عمامہ لاؤ۔ اور بھائی کی صورت دل بھر کر دیکھ لو۔ اب یہ نظر نہ آئے گی اور دشمن میدان سے واپس آنے دینگے، بی بی زینب بھائی کے قدموں میں گریں اور کہا۔

"اس نازک وقت میں کہ عرش بریں ہل اور آسمان کانپ رہا ہے، بہن اپنے بھائی کے حضور میں ایک التجا پیش کرتی ہے امید ہے کہ علی کا لال اور سخی ما کا بچہ بہن کا سوال رد نہ کریگا"

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا" زینب کیا کہتی ہو" بی بی زینب کی نظریں نیچی تھیں۔ آنکھ اٹھائی اور رو کر کہا!"

حسین بھیّا تکلیف کے وقت صدقہ دیا جاتا ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ صدقہ بلا کو رد کرتا ہے میری آرزو ہے کہ عون و محمد کو اسوقت ماجائے بھائی پر قربان کروں، شاید یہ بلا ٹل جائے۔ بھائی یہ بحث کا وقت نہیں ہے بھائی تو بہنوں کے بڑے بڑے مان رکھتے ہیں اسوقت زینب کے بچوں کو میدان کی اجازت دیکر اس کا دل رکھ لے۔ بھیّا اسوقت میرا سفارشی کوئی نہیں ہے ما اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا بھائی حسن بھی اللہ کو پیارے ہوگئے آج ہماری کشتی کے ناخدا تم ہو، قیامت کے روز زینب کس منہ سے ماں باپ کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ بھائی حسین خدا کا واسطہ دے رہی ہوں اماں کی روح کا صدقہ۔ میرے بچوں کو رن کی اجازت مرحمت ہو۔ وہ جب سے اصغر کی شہادت دیکھ چکے میرے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں کہ ماموں جان سے میدان کی اجازت دلوائیے میں خاموشی سے ان کا منہ تک کر چپکی ہو جاتی ہوں بھیا یہ مجھ سے زیادہ تیری صورت کے عاشق ہیں۔ رو رہے ہیں۔ پیٹ رہے ہیں۔ اور جدھر جاتی ہوں سایہ کی طرح میرے ساتھ رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کو میدان کی اجازت ملجائے۔ یہ دیکھئے میرے پیچھے کھڑے رو رہے ہیں" اتنا کہہ کر ہٹیں تو عون و محمد ماموں کے قدموں میں گرے اور کہا ہم ماں کے پیٹ سے اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ ہم زندہ رہیں۔ آپ پر یہ وقت آجائے اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں۔ دشمن قہقہے لگائیں اور ہم سنیں ماموں جان ہماری آبرو نہ بگڑنے دیجئے۔ اور ہمکو میدان کی اجازت دیجئے۔ ہمکو بھانجا نہیں غلام سمجھئے اور ہمکو قربان ہونے کا حکم دیکر ہمارے دل کے مرجھائے ہوئے پھول کھلا دیجئے۔ دیکھئے ہمارے ہتھیار سب تیار ہیں۔ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے تیروں اور نیمچوں سے دشمن کو مزہ چکھا دینگے اور جب تک ان تمام تکالیف کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ ہماری زندہ صورت آپکو نظر آئے گی۔ خدا کا واسطہ رحم

فرمائیے اور ہماری درخواست منظور کیجئے۔

اب بی بی زینب آگے بڑھیں اور دونوں بچوں سے کہا کہ "ماموں کے کلیجے سے لگو اور آخری سلام کرو" اس کے بعد بھائی سے عرض کیا۔ بھیا میرے کلیجے کے ٹکڑے تمہاری شجاعت پر حرف نہ لائیں گے، یقین کرو ان کی وجہ سے علی کے نام پر بٹہ نہ لگیگا، میں کسی قابل نہیں ہوں۔ اسوقت میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ قربان کرتی، بہن کی یہ ناچیز قربانی قبول ہو۔

امام حسین کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں۔ انہوں نے بچوں کو سینہ سے چمٹایا۔ بہن کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"زینب جو جو کچھ نہ دیکھا تھا ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ ما اور باپ کے بعد بھائی حسن کا جنازہ دیکھ چکا۔ بیا جائے کو ان ہاتھوں نے قبر میں اتارا۔ ابھی وہ آنسو بہہ رہے ہیں۔ زینب تجھکو بھائی پر رحم نہیں آتا کس دل سے اجازت دوں۔ کیا ماموں دنیا میں اس لئے پیدا ہوا تھا کہ گلشن زہرا کے پھول چن چن کر آگ میں جھونکے دل ہے پتھر نہیں ہے صبح سے جو کچھ گذر رہی ہے اس کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں۔ زینب مجھ پر رحم کر۔ ان کو بلوں نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا۔ ان کے دن پھولنے پھلنے کے ہیں، ان کو دنیا میں رہنے دے۔ ماموں کے گھر میں اسوقت موت کے سوا کچھ نہیں، ان کو حکم دے کہ خاموشی کے ساتھ گھر چلے جائیں اور دنیا کی بہار دیکھیں

امام حسین کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینب کا دل بھر آیا اور بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ حسین میرے زخموں پر نمک نہ چھڑک کس کے بچے اور کیسے بچے۔ عون و محمد تیرے غلام ہیں ان کا خون جو تجھپر گریگا سر پہ رکھونگی اور آنکھوں سے لگاؤنگی ان کی موت جو تجھ پر قربان ہوکر آئے گی میری زندگی ہوگی۔ اگر یہ خود میدان کے واسطے بیقرار نہوتے تو عمر بھر ان کی صورت نہ دیکھتی۔ آج میری کمائی ٹھکانے لگتی ہے اور باپ کے

آخر وقت جو وصیت کی تھی اس کی تعمیل کرتی ہوں ۔ مجھے ان کی شادی کا ارمان تھا ۔ مگر اس سے بڑھکر اور کیا شادی ہوگی وہ ارمان پورا ہوتا ہے ۔ اجازت دے کہ اپنے بچوں کو دولہا بناؤں اور رن میں بھیجوں!

امام حسین بہن کی اس گفتگو پر خاموش ہوئے تو بی بی زینب نے دونوں بچوں کو بھائی کے قدموں پر ڈالدیا ۔ اور کہا کہ ماموں کا شکریہ ادا کرو کہ ہماری قربانی قبول کی ، اٹھو اور میرے ساتھ آؤ ۔

اسوقت خیمہ میں سنا تھا کہ عمرو سعد نے باآواز بلند کہا ۔ علی کی شجاعت کدہر غارت ہوئی کہ کوئی میدان میں نہیں آتا ۔ کیا ہم خود ہی خیمہ میں گھس آئیں ۔ بی بی زینب نے طیش میں آکر علی اکبر سے کہا "تم جواب دیدو ۔ کہ ناموس رسول کو بچانے والے ابھی زندہ اور جوہر شجاعت دکھانے والے موجود ہیں ۔

بچوں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے بدلے چھوٹے چھوٹے ہتیار ان کے جسم پر لگائے اور کہا "عون و محمد خوش نصیب ہوں میں ماں کہ تم جیسے نیک بچے میرے پیٹ سے پیدا ہوئے ۔ مگر دیکھو بھوک پیاس میں کوئی ہلکی بات زبان سے نہ نکل جائے ۔ اعدا میں کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم کون ہو خبردار! خبردار! زینب کا نام زبان پہ نہ آنے پائے ۔ صرف اتنا کہنا کہ ہم حسین کے غلام ہیں اور ہماری ماں بی بی فاطمہ اور شیر خدا کی لونڈی ہے ۔ انکی شفقتوں کا بدلہ ہماری ماں کے پاس یہ ہی تھا کہ ہم کو امام پر نثار کردیا ۔

بچو! میں نادم ہوں کہ اپنے جہانوں کو میدان جنگ میں بھوکا پیاسا شہید ہونے بھیج رہی ہوں "جس وقت دونوں بچے خیمہ کے دروازہ پر پہنچکر ماں کے آخری سلام کو جھکے تو دل کا خدا ہی حافظ تھا ۔ مگر ضبط سے کام لیکر ان کے سر پہ ہاتھ رکھا گلے سے لگا کر پیار کیا اور کہا "دنیا کی مائیں بچوں کو پردیس سدہارتے وقت دعا دیتی ہیں کہ جس طرح پیٹھ دکھائی اسی طرح منہ دکھاؤ ۔ مگر عون و محمد کی ماں یہ کہتی ہے کہ جاؤ زندہ جاؤ

اور شہید ہوکر آؤ۔ سرلیکر جاؤ اور سر کٹا کر آؤ۔ دیکھو میرے الفاظ یاد رکھنا۔ عمر وسعد کو یہ نہ پتہ چلے کہ تم زینب کے بچے ہو۔ اچھا کلیجہ کے ٹکڑوں جاؤ۔ سدھارو رخصت ہو

فلک پیر نے دنیا کے سخت سے سخت مصائب پر قہقہے لگائے ہیں۔ مگر آسمان وزمین دونوں خاموش تھے جس وقت زینب کے بچوں کی صدائے تکبیر سے میدان کربلا گونج اٹھا۔ عمر وسعد نے سامنے آکر کہا میں تو سمجھ گیا کہ تم زینب کے بچے ہو مگر تمہاری اٹھتی جوانیوں پر نہ معلوم مجھے کیوں رحم آرہا ہے۔ اور وہ دل جو صبح سے اب تک باغ باغ ہوا تمہارے لڑکپن پر ترس کھا رہا ہے۔ اگر تم حسین کا ساتھ چھوڑ کر ادھر آجاؤ تو تمہارے واسطے دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں اور اگر یہ پسند نہ کرو تو جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں اجازت دیتا ہوں۔ جاؤ اپنی ماں سے کہدو کہ عمر وسعد نے ہمکو آزاد کردیا۔

دونوں کے دونوں اتنا سنتے ہی آگ بگولا ہوگئے اور کہا کہ ظالم عمر وسعد ہمکو امام کا بھانجا بنا کر امامت کو رسوا مت کر۔ ہم امام حسین کے غلام ہیں اور ہماری ماں بی بی فاطمہ اور شیر خدا کی لونڈی ہیں۔ جب ہمارے آقازادہ پر ہی رحم نہ آیا۔ اور پانی پر پہرہ لگا کر اپنی سنگدلی دکھائی تو ہم پر کیا رحم آئیگا۔ گو ہم تین روز سے بھوکے پیاسے ہیں اور ہماری عمریں دس سال سے زیادہ نہیں لیکن تجھ جیسے بیسیوں کو جہنم میں پہونچا کر اپنے آقا پر نثار ہوں گے۔

یہ کہہ کر سیدھی طرف سے عون اور الٹی طرف سے محمد نے حملہ کیا ننھی ننھی تلواریں بجلی کی طرح جس سر پر چمکیں خاکستر کرتی ہوئی ہوا کی طرح نکل گئیں عمر وسعد نے اپنی فوج سے خطاب کیا کہ تین دن کے بھوکے پیاسے بچوں کو اب تک نہ تیغ نہ کرسکے تو مل کر حملہ کرو اور دونوں کا خاتمہ کردو۔ ابھی عمر وسعد کی تجویز ختم نہ ہوئی تھی کہ دونوں خود ہی لشکر میں گھس کر عمر وسعد کے سر پر پہونچے اور عون نے کہا کہ ہم

نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ مگر تیرے ظلموں کا مزہ چکھنا ابھی باقی ہے۔ یہ کہہ کر چاہتے تھے کہ وار کریں مگر دونوں طرف سے تلواروں کی باڑ سر پر گری۔ اور زینب کے لال خون میں لال ہو گئے۔

عمر و سعد نے چلا کر کہا، بچوں کا طریقۂ جنگ، طرز گفتگو اور ادائے صبر بتا رہی ہے کہ علی کے نواسے ہیں۔ بھوکے ہیں پیاسے ہیں۔ خون میں تر بتر ہیں لیکن چہرہ پر شکن یا زبان پر شکوہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کا باپ کٹا حسین آؤ، اپنے بہادر بچوں کی لاشیں لیجاؤ اور ان کی ماں سے کہدو۔ عمر و سعد نے ان کو دولہا بنا دیا۔

زینب اور شہر بانو دروازہ پر اور امام حسین خیمہ سے باہر کھڑے تھے۔ عمر و سعد کی آواز جس وقت بی بی زینب کے کان میں پہنچی تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ امام حسین بہن کو دیکھنے آئے تو تیمم کر رہی تھیں چاہتے تھے کہ بہن سے لپٹ جائیں۔ آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بہن کو دیکھ کر آگے بڑھے اور کہا

"زینب تیرے بچے رخصت ہوئے"

بی بی زینب کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے

حسین میرے واسطے رونیکا نہیں شکر کا مقام ہے پانی میسر نہیں تیمم کر رہی ہوں کہ دو نفل شکریہ اس خدا کا ادا کروں جس نے آج مجھے سرخرو کیا۔ اور مجھے ایسے بچے دیئے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے۔

امام حسینؑ نے حضرت عباسؓ سے کہا بھائی آؤ بچوں کی لاشیں اٹھا لائیں کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسین بچوں کی لاشیں لینے گئے۔ اور بی بی زینب نے استقلال سے دوگانہ ادا کیا۔ سجدہ میں گریں اور کہا۔

تو نکتہ نواز ہے، مجھ دکھیا کے دو لو نچے تیرے نام پر تیرے رسول کی امت کے ہاتھوں بیدردی سے قتل کئے گئے میں نے انکو بھوکا پیاسا تیری راہ میں

گھر سے نکالا۔ ان کی لاشیں آرہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے اور دل پر ایسا پتھر رکھدے کہ جو کچھ گزر رہی ہے اسکو شکر سے برداشت کر دوں، دعا کر رہی تھیں کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں اٹھیں تو بھائی نے کہا۔

زینب تیرا ارمان پورا ہوا۔ تیرے بچے جن کی شادی کا تجھکو ارمان تھا دولہا بنکر تیرے سامنے آگئے۔ کیوں زینب مجھ ماموں کے دل پر اسوقت کیا گزر رہی ہوگی جن بچوں کو ان ہاتھوں سے پال پوس کر اتنا کیا تھا ان ہی سے انکی لاشیں اٹھالیں تیرے بچے نہیں بڈھے تھے کہ عمر وسعد اور اس کا لشکر عش عش کر رہا ہے۔ قربان اس منہ کے جس نے کہا ہم حسین کے بھانجے نہیں غلام ہیں، میرے بچوں تمکو سر پر رکھوں تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں حسین کے غلام نہیں کلیجہ کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حق مہماں نوازی نہ ادا کر سکا۔ مگر تم نے زینب کے دودھ کا ایسا حق ادا کر دیا کہ نانا جان کی امت تمہارے نام پر فدا ہوگی، اے زینب اپنے بچوں کو عروسی جوڑا پہنا۔ اور ان کی برات تیار کر کہ ماموں ان کی دلہن بیاہ لائے۔

بی بی زینب خاموش کھڑی بھائی کی تقریر سن رہی تھیں جب امام عالی مقام خاموش ہوئے تو کہا" بھیا اب تم باہر چلے جاؤ۔ کہیں ان مہمانوں سے باتیں کر لوں ان کے دودھ بخشدوں اور ان سے کہدوں کہ ماں کا کہا سنا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا نانی سے نہ کرنا۔

امام حسین باہر چلے گئے تو بی بی زینب بچوں کے سرہانے بیٹھ گئیں جسم سے خون جاری تھا۔ اور کپڑے شور بہ شور تھے۔ دو چار لمحہ غور سے دیکھنے کے بعد ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی لاش پر گریں۔

"عون و محمد تمہارا قاتل عمر وسعد نہیں زینب ہے۔ جس نے اپنی آنکھ کے سامنے تمہاری گردن پر چھری پھیر دی۔ علی اکبر میاں جاؤ عمر وسعد کو مبارکباد

دیدہ کہ جن بچوں کو کبھی پھول کی چھڑی نہ لگائی تھی آج تو نے انکو خون میں ڈبویا تیری مراد پوری ہوئی اور جن دونوں کو دائیں بائیں پہلو میں لٹا کر لوریاں دی تھیں جو ہمک ہمک کر ماں کی گود سے چمٹتے تھے، جو ٹھنک ٹھنک کر ماں کے ہاتھوں سے نوالے کھاتے تھے۔ ان کی لاشیں اسوقت ماں کے سامنے پڑی ہیں۔ عمرو سعد میں نے یہ لال بڑی مصیبت سے پالے تھے۔ راتوں کی میٹھی نیندیں انپر قربان کی تھیں اور دن کے لطف و آرام انپر نچھاور کر کے اتنا بڑا کیا تھا۔ عمرو سعد ادھر آ۔ اور جس کلیجہ میں ناسور ڈالے ہیں اس میں تلوار بھونک دے کہ آج ایک دفعہ اپنے دونوں معصوموں کے برابر پھر لیٹ کر آخری لوریاں دیدوں۔ عون و محمد میں تمہاری ماں تھی۔ دودھ پلانے والی انا اور پرورش کرنے والی کھلائی تھی۔ میں نے تمکو اپنے بھائی کے گھر سے اسوقت نکالا جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنا دی تھی، بچوں خطاوار زینب کا سنگدل انا کا اور ظالم کھلائی کا قصور معاف کر دو۔ سلام کو جھکتے تھے۔ پاؤں دباتے تھے تو درازی عمر کی دعائیں دیتی تھیں آج ماں کے حکم پر جانیں نثار کر گئے۔ اب کیا دعا دوں۔"

یہ کہہ کر بی بی زینب بچوں کے بیچ میں لیٹیں اور کہا جس سینہ سے دودھ پیا تھا آؤ ایک دفعہ اور اس سے لپٹ جاؤ۔ پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے منہ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑ کر کہا "میرا بچہ محمد کربلا کے میدان میں تیرے سپرد ہے۔ جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا تو چمٹا لیتی تھی۔ اب اگر یہ چونکے تو ماں کے بدلے گلے سے لگا لیجو ظلم و ستم سے شہید ہوا بچہ جنگل بیابان میں تیرے حوالہ کرتی ہوں۔ اب ہچکی بندھ گئی تو اٹھ کر چاروں طرف پھریں۔ اور چھوٹے کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا "ان ننھے ننھے ہاتھوں کے نثار گئی۔ عمرو سعد کو دکھا دیا کہ میدان جنگ میں بہادر کس طرح جان دیتے ہیں دفعتہً کچھ خیال آیا اور بھائی کو

بلا کر کہا کیوں بھائی بچوں سے کوئی خطا تو نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلاف مزاج زبان سے نکل گیا ہو تو معاف فرما دیجئے، میں نے منع کر دیا تھا کہ ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا کہ ہم امام کے بھانجے ہیں۔ امام حسین بہن کو لپٹ کر رونے لگے اور کہا زینب تیرے بچے تیرے حکم کی پوری تعمیل کر گئے، دشمنوں نے ہر چند پوچھا مگر وہ یہی کہتے کہتے دنیا سے سدھارے کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینب تیرے بچے کلیجے پر ایسا داغ دے گئے کہ اب زندگی کا ہر لمحہ وبال ہے
یہ سنکر بی بی زینب مسکرائیں بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا لیجئے لیجائیے اور میرے چاند سے ٹکڑوں کو دفن کر دیجئے۔ مگر عمر و سعد سے اتنا کہدیجئے کہ زینب کے بچے تجھکو علی کے خون کا رنگ دکھا گئے۔ تو نے جن بچوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے رخصت کیا۔ یہ میری عمر بھر کی کمائی تھے۔ اب زینب کی گود خالی ہے وہ ہاتھ جھاڑ کر ہو بیٹھی اور منتظر ہے اس وقت کی جب تیری تلوار یا تیر اس کا خاتمہ کر دے، اور ان بچوں سے ملا دے جنکو تو نے کربلا کے میدان میں ماں کے سینہ سے چھڑوا دیا۔

حضرت عباس کی شہادت

بچوں کی لاشیں دفن کے واسطے چلیں، بی بی زینب جا نماز پر لیٹیں اور بھائی کی سلامتی کی دعائیں مصروف ہوئیں امام حسین واپس خیمہ میں آئے تو خود میدان میں جانیکا قصد کیا اتنے میں مسلم بن عقیل کی بچی حضرت عباس کے قدموں میں آکر گری اور کہا چچا جان خدا کے لئے ذرا سا پانی لا دیجئے۔ شہزادی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسکو گلے سے لگا کر حضرت عباس نے کہا اچھا بی بی ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مشک کندھے پر رکھی امام حسین نے روکا اور کہا۔ فرات پر عمر و سعد نے پہرے بٹھا دئے ہیں۔ پانی کا ملنا آسان نہیں ہے۔ حضرت عباس نے جواب دیا۔ جانتا ہوں مگر شہادت لازمی ہے۔ بہتر ہوگا کہ بھائی مسلم کی شہزادی کی حکم کی تعمیل میں شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے پہرہ داروں نے تیر برسائے۔ مگر کربلا کا ببر در غضنفر ہے کی ایک ہی جست میں سر پر ہو چکا

اور چاروں طرف قتل عام کرتا ہوا فرات کے کنارے پر جا کھڑا ہوا پیاس کے مارے برا حال تھا۔ ایک چلو پانی بھرا چاہا کہ پی لوں۔ فوراً خیال آیا کہ عہد شکنی ہوگی جب تک مسلم کی بچی کے خشک ہونٹ پانی سے سیراب نہ کرلوں یہ پانی مجھ پر حرام ہے۔ پردہ نشین عورتیں پانی کو ترسیں۔ شہربانو اور زینب پھڑکیں اور میں پانی پیوں" چلو پھینک دیا مشک بھری اور یہ کہہ کر چلے اب تم میں سے جس کی ہمت ہو سامنے آجائے۔"

حضرت عباس کے فرات کی طرف جاتے ہی عمر وسعد نے لشکر کو للکار کر کہا ہوشیار ہوجاؤ عباس کی جرأت وہمت تمہاری تمام شجاعت وتدبیر کو خاک میں ملا دیگی، فرات کا کوئی جری ایسا نہیں کہ عباس کو روک سکے بہتر ہوگا کہ تم اپنا رخ اسی طرف پھیر دو دیکھو عباس پانی لے گیا تو لڑائی ختم ہوگی اور تعجب نہیں کہ یہ مٹھی بھر بنو فاطمہ سب کو تاراج کردیں تم میں سے کون ایسا جری ہے جو عباس کے مقابلہ کو جائے اور زر و دولت سے مالا مال ہو۔

عمر وسعد کی تقریر سے حرلسیہ بن زید کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے کہا میں ابھی عباس کا سر آپ کے قدموں میں لا کر ڈالتا ہوں یہ کہہ کر وہ فرات کی طرف چلا اور صورت دیکھتے ہی حضرت عباس سے کہا تمکو معلوم ہے کہ میں کون ہوں آج عرب کے بہادر میرے نام سے کانپ رہے ہیں حسین کو بھائی سے محروم کرنیوالی تلوار میری ہوگی ہوشیار ہوجاؤ" حضرت عباس نے مشک بھرلی تھی اور خیمہ کی طرف رخ تھا کہ حرلسیہ سر پر آپہونچا۔ اور تلوار تولی ۔ تلوار چمکی اور گری مگر حضرت عباس کی سپر پر دو ٹکڑے ہوئے اور حرلسیہ کا ہاتھ جری کے ہاتھ میں تھا انہوں نے باآواز بلند پکارا" بھائی حسین اس ملعون کو کتے کی موت مارتا ہوں، یہ کہہ کر ایک جھٹکا دیا تو حرلسیہ گھوڑے سے گرنیوالا تھا کہ ایک دوسرا شخص پیچھے سے تلوار تول کر آیا اور وار کیا۔ حرلسیہ بھاگا اور حضرت عباس نے پلٹ کر اس نو وارد کے ایسا ہاتھ دیا کہ دو ٹکڑے ہوگئے۔ اب ایک پورا گروہ

ٹوٹا اور ایک ظالم کی تلوار ایسی پڑی کہ سیدھا ہاتھ کٹ گیا۔ عباس جری نے دوسرے ہاتھ سے مشک تھامی اور دانتوں کو چیرتے ہوئے اُڑے کہ عمر و سعد نے چیخکر کہا کہ مشک چھلنی کر دو۔ عباس جانے نہ پائے۔ اسوقت عمرو بن الحجاج کے پیہم تیر مشک پر پڑے اور ایک بوند پانی نہ رہا۔ عمر و سعد خود اس طرف آگیا اور کہا دیکھو عباسؓ زندہ نہ جائے" اس حکم کی تعمیل میں ایک دستہ نے بیچ میں گھیر لیا اور نبی کا بہشتی شہید ہوا۔

حضرت عباس کی شہادت سے حضرت امام کی کمر توڑ دی، عمر و سعد نے کہا حسین آؤ جس پر گھمنڈ تھا وہ بھی فنا ہوا۔ عباس کی لاش لیجاؤ اور کوئی باقی ہو تو اسکو بھی بھیجدو۔ اس کا جواب امام حسین نے کچھ نہ دیا۔ خاموشی کے ساتھ لاش اٹھا کر لائے اور مسلم کی شہزادی سے کہا۔ لو بی بی تمہارے حکم کی تعمیل ہو گئی۔

حضرت قاسم کی شہادت

عباس جری کی شہادت نے امام حسین کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور انکو یقین ہو گیا کہ اب میں بھی اس دنیا میں ایک دو گھڑی کا مہمان ہوں دفن کے بعد خیمہ میں واپس تشریف لائے اور میدان جنگ میں جانے کی تیاریاں کیں تو حسن کا لال قاسم سامنے آکر دست بستہ کھڑا ہوا اور کہا۔

چچا جان! میرا حمایتی اور سفارش کرنیوالا خدا کے سوا کوئی نہیں میں اتنی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ شاید اب مجھکو بھی علی کی اولاد سمجھکر شہادت کی عزت عطا فرمائیں۔ ابا زندہ ہوتے تو اجازت دلواتے۔ پھوپی جان سے کہا تو وہ خاموش ہو گئیں چچی جان سے عرض کرتا ہوں تو وہ منہ پھیر لیتی ہیں۔ بھائی اکبر سے کہا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید میں آپکے بھائی کی اولاد نہیں۔ عون و محمد جیسی کونپلیں امامت پر تصدق ہو گئیں اور میدان کربلا میں میرے باپ کے سوا سب نے شہادت کے بہتے دریا میں ہاتھ دھوئے آج فیصلہ کر دیجئے کہ میں آپ کا بھتیجا نہیں ہوں۔ یا اب مجھکو اجازت ہو کہ ان سنگدلوں

کو گستاخی کا مزہ چکھا دوں۔ امام حسینؑ نے قاسم کو سینہ سے لگایا اور کہا بیٹا! تمہارے باپ کی شہادت ابھی آنکھ کے سامنے ہے تمہاری صورت دیکھکر دل کو تسکین دے لیتا ہوں۔ زینب کے بچے دل میں زخم ڈال چکے اب اس زخم کو ناسور نہ بناؤ۔ چچا اسوقت تمہاری عنایت کا محتاج ہے اسپر تم رحم کرو۔ آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکیں، اب اور کیا تماشا دکھانا چاہتے ہو۔ عون و محمد کے جنازے ڈہوئے۔ عباس کو دفن کیا۔ اب اور کیا خدمت لینی ہے۔ بھانجے چھوٹے بھائی بچھڑے اب مرنیوالے بھائی کی یادگار حسنؑ کی نشانی تم باقی ہو قاسم لمد انصاف کرو کیا اپنی زندگی میں بھائی حسنؑ کا نام بھی ختم کرجاؤں اور پھر یہ منہ بھائی کو جا کر دکھاؤں۔ زینب مدد کرو اور حسنؑ کے لال کو سمجھاؤ کہ چچا کے پہلو میں دل ہے پتھر نہیں ہے۔

قاسم نے اپنا سر چچا کے قدموں میں رکھا پاؤں چومے اور کہا۔

چچا جان ارشاد عالی سر آنکھوں پر لیکن میں اسوقت اگر بچگیا تو کل میدان حشر میں یہ منہ باپ کو دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا دادی اماں کے اس سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں کہ قاسم جسوقت کربلا کے میدان میں حسینؑ دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا عون و محمد جیسے بچے اسپر نثار ہوئے اسوقت تم نے چچا کو کیا مدد دی، چچا جان جب فرشتے مجھکو گھسیٹ کر سرور عالمؐ کے حضور میں یہ کہکر پیش کرینگے کہ حسنؑ کا بچہ قاسم کربلا میں جان بچا گیا تو فرمائیے کس منہ سے سامنے جاؤنگا۔ کیا کہونگا۔

بی بی زینب خاموش کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھیں جب امام حسینؑ نے بلایا تو وہ آگے سرکیں اور روتی رہیں قاسم کی درخواست جب منظور نہ ہوئی تو وہ ادہر آئے اور پھوپی کے قدموں کو بوسہ دیکر کہا " پھوپی جان! اسلئے کہ میرا باپ دنیا سے اٹھ گیا آج کوئی اتنا نہیں کہ مجھکو رن کی اجازت دلوائے۔ عون و محمد آپکے اپنے بچے تھے میں غیر کا بچہ ہوں کہ آپ میری سفارش نہیں کرتیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ امام حسنؑ کے بعد

اس کے یتیم قاسم کی حمایت کو اٹھے اور میدان جنگ میں بھجوا دے۔

اب بی بی زینب سے ضبط نہ ہو سکا انہوں نے قاسم کو گلے سے لگایا بھائی کے پاس لیکر آئیں۔ اور کہا عون و محمد نانا کے قدموں میں کھیل رہے ہیں قاسم نے کیا قصور کیا کہ یہ جنت کی سیر سے محروم ہے۔ پھوپی اس کی سفارش کو آئی ہے رن کے واسطے مچل رہا ہے اور کہتا ہے میرا باپ زندہ ہوتا تو مجھے بھی اجازت ملتی حسینؑ میرا کلیجہ اس کے اس کہنے پر کٹ گیا اسے بھی اجازت دو۔ امام حسینؑ نے ایک دفعہ اور قاسم کو سمجھایا مگر بیکار تھا۔ آخر بہن کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے۔

اگر تمہاری خوشی یہی ہے تو بسم اللہ قاسم کو بھی بھیجدو لیکن یہ یاد رکھو کہ حسنؑ کی نسل آج دنیا میں منقطع ہوتی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ عمر و سعد ایک بچہ کو بھی زندہ چھوڑیگا۔ تم میدان کربلا میں قاسم کو بھیجکر سادات کا خاتمہ کرتی ہو اب تم جانو اور تمہارے نانا باپ جانیں میدان حشر میں اس کا جواب تم ہی دے لینا۔"

بی بی زینب نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا اگر سادات کو دنیا میں زندہ رہنا ہے تو خدا بہتر حفاظت کرنیوالا ہے اور ختم ہی ہونا ہے تو ہم کیا اور ہماری کوشش کیا" یہ کہہ کر انہوں نے بھتیجے سے کہا" چچا کا شکریہ ادا کرو اور بسم اللہ کہہ کر رن کو سدھارو۔ قاسم نے باغ باغ ہو کر ہتھیار لگائے اور میدان جنگ میں پہونچکر کہا۔

عمر و سعد! عون و محمد میرے دونوں بھائیوں نے آخر وقت تک تجھے یہ نہ بتایا کہ وہ کون ہیں۔ وہ بالآخر شہید ہوئے انکی لاشیں انکی ماں بنت علیؑ کے پاس پہنچ گئیں مگر وہ یہی کہتے کہتے دنیا سے رخصت ہوئے کہ امام کے غلام ہیں۔ میں تجھکو بتا دیتا ہوں کہ وہ میری پھوپی زینب بنت علیؑ کے پھول تھے جنکا بچپن قبروں میں تیرا مرثیہ پڑھ رہا ہے، میں بھی امام کا غلام ہوں اور اب صرف یہ آرزو ہے کہ اپنے آقا اور مولا پر قربان ہو جاؤں بس اور سمجھ میں حسینؑ کا غلام اور حسنؑ کا لخت جگر،

ہوں ،، اس قربان گاہ میں بساط اسلام کے اس چاند پر جو میرے عم محترم کی صورت میں میدان کربلا کو جگمگا رہا ہے ۔ جس قدر چکوریں نثار ہوئیں. ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خصوصیت تھی، میرا فرض ہے کہ میں تجھکو بتا دوں کہ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کی زندگی میں بھی اور جس کے بعد بھی اس دنیا کی ایک چیونٹی تک اسکی شاکی نہ ہوئی آج تمہارے بیس بائیس ہزار لشکر میں ایک متنفس بھی ایسا نہ نکلیگا جس کی زبان اگر ایمان سے آشنا ہے تو حسنؑ کی شکایت بیان کر سکے، تجھکو اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب تیرے آقا امیر معاویہ نے میرے آقا امام حسنؑ سے بیعت کی خواہش کی تو ان کی زبان سے صرف یہ الفاظ نکلے " کہ میرے باپ علیؑ کو تو اور تیرے خوشامدی برا نہ کہیں اور شکایت کا جو ڈھونگ مسجد میں رچایا جاتا ہے وہ بند ہو جائے. میں جانتا ہوں کہ ایمان کی روشنی تیرے دل سے دور ہو چکی مگر چاہتا ہوں کہ موت کے وقت جب فرشتے تیرے اعمال پر لعنت برسائیں تو قاسم کے یہ الفاظ تیرے زخم پر کچوکے ہوں کہ ہماری اس جائز التجا کا جواب تیرے مولا نے یہ دیا کہ علیؑ کے خلاف جو صدا بلند ہوگی کوشش کرونگا کہ وہ آپ کے کانوں تک نہ پہونچے اب تو ہی بتا کہ حسنؑ جیسے فرشتہ انسان کی خواہش کا یہ جواب کہاں تک صحیح ہے. میرا باپ اور معاویہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے لیکن میں اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے حق رکھتے ہیں کہ اس خواہش اور جواب کو ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں اور دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے جس حسن کے ہاتھ سے کسی زندہ روح کو کبھی اذیت نہ پہونچی میں اسکا نام لیوا ہوں اور نہیں چاہتا کہ تجھ پر یا تیرے لشکر پر قبل از تلقین ہاتھ اٹھاؤں تجھکو وہ وقت اچھی طرح یاد ہونا چاہیئے اور یاد ہوگا اور میں نے صرف سنا ہے کہ تیری ماں فاطمہ بنت سعید میری دادی فاطمہ بنت محمدؐ کے قدموں میں گھنٹوں سر رکھ کر روتی تھیں یقین کر اگر تیری ماں فاطمہ زندہ ہوتی تو اپنی ان چھاتیوں کو جن کا دودھ پی کر تو جوان ہوا کاٹ کر پھینک دیتی. تو ہم بیگناہوں کے قتل پر کمر بستہ ہے تو نے ہمارے بچے اور جوان ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے مگر تیرا دل اب بھی ٹھنڈا

نہ ہوا۔ عمر وسعد۔ نمرود جیسے جفا کار نے بھی اپنے ظلم کی آگ صرف دادا ابراہیمؑ تک محدود
کی تھی تو نے ہمارے بچوں اور پردہ نشین عورتوں کو پانی تک کے واسطے پھڑکا دیا۔
میں تجھکو سمجھاتا ہوں کہ شیطان کے پھندے سے اب بھی نکلجا عمر وسعد یہ جلوے فانی
ہیں اور امیدیں جھوٹی ہیں سنبھل اب بھی سنبھل اور سوچ کچھ کیا اس پر توبہ کر۔

ابن حسنؑ کی اس تقریر کا جواب ایک تیر تھا جو عمر وسعد نے پھینکا اب اسکے سوا
چارہ نہ تھا کہ حسنؑ کا لال تلوار کھینچکر دشمن پر گرا اور شجاعت کے جوہر دکھا کر شہید ہوا۔

شہادت حضرت علی اکبر

قاسم کی شہادت پر عمر وسعد نے قہقہہ لگا کر امام حسینؑ کو آواز دی کہ بہن کے بچے
دفن ہو چکے۔ اب بھائی کا بچہ دم توڑ رہا ہے امام حسینؑ آگے بڑھے بھتیجے کی لاش بھائی
کے برابر دفن کرنے کے بعد خیمہ میں پہونچے تو قیامت مچی ہوئی تھی اور علی اکبر میدان
کے واسطے ہتھیار لگا چکے تھے۔

سب سے پہلے شہر بانو نے امام کی صورت دیکھ کر اپنے آنسو پونچھے اور کہا۔
میرے بچہ نے روتے روتے آنکھیں سجا لیں۔ ان کے دل میں رہ رہ کر ہوک
سی اٹھتی ہے کہ برابر کے بھائی اور چھوٹے چھوٹے بچے بازی لے گئے اور یہ اب تک
چوڑیاں پہنے گھر میں بیٹھا ہے۔ امام حسینؑ نے شہر بانو کی درخواست سن کر ٹھنڈا سانس
بھرا اور کہا۔ اکبر کو اجازت دینے کا اختیار مجھکو نہیں ہے مجھ سے زیادہ حق زینب کا ہے
جس نے ننھی سی جان کو پال پوس کر جوان کیا۔ شہر بانو اپنے اوپر اور میرے اوپر زینب
پر رحم کرو۔ وہ کلیجہ کے دو ٹکڑے ابھی ابھی خون میں نہلا چکی ہے۔ اگر اکبر زندہ رہے
تو اس کے زخم پر مرہم ہو گا۔ ورنہ میں نہ ہونگا لیکن تم دیکھو گی اور دیکھنا پڑے گا کہ
بنت علی میدان کربلا میں بھتیجے کی لاش سے چمٹ چمٹ کر مر جائیگی۔ اس نے اپنی
راتوں کی نیند اور دنوں کا آرام اسکی معصومیت پر نثار کئے ہیں۔ اب اس جوان شیر کو

موت کے منہ میں ڈالنا ناشاد زینب پر ایسا ظلم ہوگا۔ جس کے خیال سے اولاد والے
تڑپ اٹھیں گے۔

ابھی یہ تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینب ہاتھ میں ایک بقچی سی لیکر آئیں اور
بھائی سے کہا۔ میاں بیوی نے اکبر کو میدان کی اجازت دی۔ بھائی اچھا کیا۔
مجھ بدبخت کی خدمت کا کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ مگر میں کون تھی جو تیار ہونے سے پہلے
مجھ سے اجازت لیتے میں تو فقط پالنے والی تھی، مگر خدا گواہ ہے کہ دم بھر کو بھی
آنکھ سے اوجھل ہو جاتا ہے تو دیوانی ہو جاتی ہوں۔ اور دل میں ہزار دل طرح
کے وہم پیدا ہوتے ہیں بھیا! تم نے بد نصیب بہن کی خدمت کی میدان کربلا میں
اچھی قدر کی! مجھے خبر نہ تھی کہ جس اکبر پر جان نثار کر رہی ہوں۔ یہ زینب کا نہیں
حسین کا بچہ ہے اور اس کی مختار میں نہیں شہربانو ہیں۔ لو بیگم یہ مجھ سے اپنے بچے
کے کپڑے سنبھال لو۔ اس میں اسوقت کے کپڑے ور شلوکے بھی ہیں جب یہ نادان
میری گود میں تھے اور بات بھی کرنی نہ آتی تھی۔ شہربانو اس پوٹلی میں اکبر کے بچپن کے
جھنجھنے بندھے ہوئے ہیں جو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں اور جب اس کے بچپن کا
خیال آتا ہے تو انکو دیکھ کر وہ وقت یاد کرلیتی ہوں جب گھٹنیوں چلتا تھا میں نے
اس کے قدم قدم پر جان لٹا کر اس دن کو جوان نہ کیا تھا کہ تم دونوں ماں باپ رن
کی اجازت دو اور ناشاد زینب سے جو ماں اور پھوپی نہیں کہلاتی ہے دریافت بھی
نہ کرو۔ بھائی کربلا کے میدان نے مجھے بتا دیا کہ اپنے اور دوسرے کے پیٹ میں کیا
فرق ہوتا ہے۔ پالنے والی میں تھی اور میدان میں بھیجنے والی تم ہیں۔ اچھا میاں
جاؤ۔ خدا حافظ و ناصر — یہ کہہ کر بی بی زینب نے ایک تعویذ سا گلے سے اتار کر
دیا اور کہا لو بیوی یہ اپنے بچے کے بتیس کے بتیس دودھ کے دانت گن لو۔
ان موتیوں کو چن چن کر روز آنکھوں سے لگاتی تھی، جب سے اللہ رکھے پیا نا ہوا

پیار کرتے شرم آتی تھی کئی دفعہ ارادہ کرتی تھی۔ جب ایک آدہ دفعہ وہ بھی سوتے میں یہ منہ چوم لیتی تھی۔ ہاں تنہائی میں ان دانتوں کو آنکھوں سے لگا لیتی تھی لو بچہ بھی تمہارا اور دانت بھی تمہارے،

اب بی بی زینب نے علی اکبر کی طرف دیکھا اور کہا" اکبر ماں باپ گلے لگا کر رخصت کرینگے۔ اور زینب بلائیں لیکر اس کے بعد بنت علی کی آواز نہ نکل سکی۔ بلائیں لینے کو ہاتھ آگے بڑھا رہی تھیں کہ ایک چیخ ماری - یہ کہہ کر گریں اور بے ہوش ہوگئیں۔

"حسین کس دل سے میرے لال کو میدان کی اجازت دی اسے ابھی تو بدبخت پھوپی زندہ ہے"

بی بی زینب کو ہوش میں لانیکی ہرچند کوشش کی مگر جب ہوش نہ آیا تو شہر بانو نے علی اکبر سے کہا" پانی اور ٹھنڈی ہوا میسر نہیں پھوپی کے منہ پر منہ رکھدو تمہاری خوشبو سے ہوشیار ہوجائینگی۔ علی اکبر نے بہت ضبط سے کام لیا۔ مگر پھوپی کے پاس پہونچتے ہی دل بگڑ گیا اور رو کر کہا" اماں جان اکبر کا منہ اس قابل نہیں ہے کہ پھوپی اماں کے منہ پر رکھدوں۔ یہ کہا اور گلے میں ہاتھ ڈالکر سینہ پر سر رکھدیا۔ بی بی زینب نے آنکھ کھولی۔ سر کو خاموشی سے بوسہ دیکر کہا۔

جاؤ بیٹا میدان میں جاؤ۔ مگر حسین کو آج ناموس محمدؐ کے معنے معلوم ہوجائینگے ماں نے ہتھیار سجائے۔ باپ نے اجازت دی۔ پھوپی گود میں لیکر جائے گی اور عمر و سعد سے کہیگی کہ وہ تلوار جو اکبر کو شہید کرتی ہے پہلے زینب کا خاتمہ کردے

علی اکبر پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ پھوپی کی زبان سے یہ سنتے ہی

وہ لپٹ گئے زبان سے کچھ نہ کہا مگر ہچکی بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ جڑے ہوئے بچہ کے لپٹتے ہی ممتا کی آگ بھڑک اٹھی۔ امام اور شہر بانو دونوں زار و قطار روئے جب بی بی زینب نے اکبر کو اپنی گود میں چھپایا اور کہا۔ عون و محمد کی موت آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اسوقت بھی خوش تھی اور اسوقت بھی خوش ہوں کہ قیامت کے روز عزت سے اٹھوں گی خوشی سے بڑھ ہوں گی اور عاجزی سے لپٹ لپٹ کر اماں اور ابا سے کہونگی کہ حسین کی مصیبت پر عمر بھر کی کمائی یہ ہی دونوں لال تھے جو نثار کر دئے گئے مگر بیا کو تیری جان سے دور تیرا بال بھی بیکا ہوا تو قیامت بپا کر دوں گی،

اسوقت امام حسین نے آگے بڑھ کر بی بی زینب کے سر پہ ہاتھ رکھا اور فرمایا دنیا میں ماں ہو تو تم اور بہن ہو تو تم، تم نے ملکے بعد وہ کیا جو کوئی بہن نہ کرے گی مگر اب اس آخری لمحہ میں تمہاری گفتگو نے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دئے جس روز سے اکبر کو تمہاری گود میں دیا اس روز سے کبھی اس کے معاملہ میں بھائی یا بھاوج نے دخل نہ دیا۔ یہ بھی تمہارا ہم بھی تمہارے، ہم نے اجازت نہیں دی، تمہارے صاحبزادے اتنی دیر سے آگے پیچھے پھر رہے ہیں۔ جب انہوں نے قدموں میں سر رکھا تو میں نے کہدیا مجھ پر نہیں بد نصیب پھوپی پر رحم کرو۔ دونوں آنکھوں کے تارے گنوا چکی اب تم کو دیکھ کر زندہ رہے گی ورنہ تمہاری شہادت زینب کی موت ہے جب یہ نہ مانے تو میں نے صاف کہدیا کہ تمہاری اجازت کا مجھ سے واسطہ نہیں تم جانو اور پھوپی جانے۔ زینب خدا شاہد ہے میں نے تیرے اکبر کو اجازت نہیں دی۔ میا جانی حسین سے بدگمان نہ ہو۔

زبانیں اب بند ہو گئیں اور علی اکبر نے پھوپی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا چند لمحہ یہ حالت طاری رہی، خدا معلوم اکبر کی نگاہ میں کیا تھا کہ ممتا کا دریا ابل پڑا اور زینب نے پیشانی کو بوسہ دیکر کہا " اچھا جاؤ

اتنا سنتے ہی کربلا کا پردیسی مہمان پھوپی کے قدموں میں گرا ہوا تھا، جب بی بی زینب نے سر اٹھا کر کہا، بسم اللہ کرو۔ اور اکبر نے جھک کر قدموں کو بوسہ دیا تو بی بی زینب سے پھر ضبط نہ ہو سکا اور کہا۔

اکبر ابھی تو چند گھنٹے بھی نہیں گذرے کہ بھری گود دیکھتے ہی دیکھتے خالی ہو چکی اب کیا دکھاؤ گے ؟

یہ کہہ کر بی بی زینب نے بھاوج کو گلے سے لگا لیا اور کہا، بس اب ان کی آرزو پوری ہونے دو کہ سادات کا نام پردۂ دنیا سے مٹ جائے۔ اسکے بعد اکبر کا ہاتھ پکڑا اور کہا جن ہاتھوں سے عون و محمد کو خیمہ سے نکال کر خون میں نہلانے کو بھیجا تھا ان ہی ہاتھوں سے اکبر کو باہر نکالتی ہوں۔ مگر ان دونوں کو بھیجکر خاموش لیٹ گئی تھی تمکو بھیجکر در خیمہ پر کھڑی قدرت خدا کا تماشا دیکھوں گی۔

علی اکبر روانہ ہوئے عمرو سعد آگے بڑھا اور ہنس کر کہا۔ اکبر مجھے تیری جوانی پر رحم آتا ہے۔ ابھی ابھی حسن کی یادگار کو خاک میں ملا چکا ہوں۔ اب تم کیوں زندگی سے بیزار ہو۔ پانی تمکو میسر نہیں۔ غذا تم کو نصیب نہیں، آؤ میری فوج میں آؤ جہاں ہر راحت میسر ہے آؤ۔ اور ان نعمتوں کا لطف اٹھاؤ۔ الحمد للہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ میدان جنگ میں جو تدابیر میں نے اختیار کیں اور تمہارے بچوں پر پانی بند کر دیا وہ بارگاہ یزیدی میں مقبول ہوئیں۔ یہ دیکھو ابھی ابھی عبید ابن زیاد کا پروانہ خوشنودی آیا ہے۔ کہ تم سب کا قلع قمع کرتے ہی عراق عرب کی تمام حکومت پر قابض ہو جاؤ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جیسا سمجھدار آدمی ایک ایسے شخص کی حمایت میں جو خلیفہ وقت کا باغی ہو اجس پر خدا کی طرف سے ہر نعمت حرام ہو چکی کیا لیگا۔ میرا عدل دیکھو میری سخاوت پر نظر ڈالو اور میرے کرم کے گیت گاؤ۔ کہ باوجود اس شخص کی اولاد ہونے کے جو بادشاہ وقت سے بھرا ہوا ہے،

محض اپنے اختیار سے معاف کرتا ہوں کہ اگر عفو قصور کے طلبگار ہو گے تو تم کو رہا کردونگا۔

ممکن ہے کہ عمر و سعد کچھ اور کہتا مگر علی اکبر کو اب تاب نہ رہی اور انہوں نے کہا" تو نے پروانہ خوشنودی کے نشہ میں اپنا راگ جھوم جھوم کر الاپا۔ تیری بکواس ایک مخبوط الحواس انسان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہم تیرے رحم و کرم کے محتاج نہیں تو سمجھتا تھا کہ وہ سر جو تلوار کے آگے بھی خدا کے سوا دوسرے کے سامنے نہ جھکے اور وہ تلوار جس نے عرب و عجم میں اپنا ڈنکا بجا دیا پانی کے دو گھونٹوں پر جھک جائیگی اور سناٹوں کی تکلیف ان زبانوں پر جو کلمۂ توحید میں مستغرق ہیں یزید کا نام لے آئیگی لاحول ولا قوۃ عمر و سعد! برداشت مصائب ہمارا موروثی شیوہ ہے۔ تو نے سب کچھ سمجھا لیکن یہ نہ سمجھا کہ فقر و فاقہ ہمارا خاندانی جوہر ہے۔ اور خاندان رسالت کا بچہ بچہ اس بساط کا بادشاہ ہے۔ عمر و سعد! ہم نے تجھکو نہیں تاریخ کو ایک ایسا تماشہ دکھا دیا جو ہمارے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے اور امید نہیں کہ اب نانا جان کی امت دنیا کو یہ جوہر دوبارہ دکھلائے۔ ہری بھری کونپلیں تیرے تیروں سے تاراج ہوئیں لیکن زبان پر اُف تو درکنار آنکھ میں میل بھی نہ آیا۔ عمر و سعد! اگر تو عون و محمد کے جسم دیکھتا تو تجھے معلوم ہو جاتا کہ ان کے چہروں پر صبر و شکر کی بارش ہو رہی ہے۔ تیری آنکھیں بلند ہوتیں تو دیکھتا کہ فضاً آسمانی میں قدرت کی بہترین مخلوق ان معصوم روحوں کے استقبال کو ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ تو نے اپنے خالی قہقہوں کی آوازوں میں وہ آسمانی صدائیں نہ سنیں جو مرحبا کے نعروں میں فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہی تھیں تو دنیا کو دیکھ چکا اور اس کاغذ کے پرزہ کو پڑھ پڑھ کر باغ باغ ہے۔ اب ذرا دین کو بھی دیکھ اور کلام الٰہی پر غور کر۔ عراق کی حکومت کا مقابلہ قہر الٰہی سے کر۔ ہمارے صبر کے

ساتھ اپنے مظالم کو تول اور زمین پر ہشاش بشاش پھرنے والے ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا۔ اگر کرشمہ ارضی تیرے واسطے کافی نہیں تو کائنات فلکی تیرے سامنے فنا و بقا کے مسئلہ کو حل کر رہی ہے۔ آفتاب کی یہ شدت تھوڑی دیر بعد ختم ہوگی اور بساط فلک کی آغوش میں چاند کلکاریاں ماریگا۔ ہم اس وقت شہید ہوںگے مگر تو اپنے فتح و نصرت کے غلغلوں میں کان لگاکر سنیو۔ زمین کے ذرّے ذرّے سے فنا کی صدائیں بلند ہوںگی جس وقت چادر ماہتاب دم توڑے گی اسوقت کا سماں تجھکو بتادے گا کہ عراق کی حکومت کب تک باقی رہے گی۔

حصول مسرت کی کوشش انسان کا جائز حق ہے مگر تو بدبخت تھا کہ اس سعی میں ایسی بےایمانی کی جس پر آنے والی دنیا مدۃ العمر ردئے گی۔ ہمارا صبر اور تیرا ستم، حسین کا تحمل اور یزید کا ظلم، اہل بیت کا استقلال اور ابن زیاد کی خونریزی۔ دنیا سے اسلام کی مستقل یادگار ہوگی۔ تو مجھکو ان چیزوں پر مائل کر رہا ہے جن پر ہم لات مار چکے۔ عمر سعد قسم ہے خدا کی رسول اللہ کی عترت کی بھوک اور پیاس دور ہو چکی۔ تیری ناپاک زبان سے میں نے اپنے باپ کے متعلق جو کچھ سنا اس کا بہترین فیصلہ یہ ہے کہ تو میدان جنگ میں میرے سامنے آجا۔ میں تجھکو حق و باطل کا مزہ چکھا دوں اور تیری

زبان درازی کی پوری سزا دوں

تو مجھکو موت سے ڈراتا ہے۔ ارے بدبخت یہ عین زندگی ہے۔ اگر تو فرات کو میرے قدموں میں بہا دے جب بھی میرا رونگٹا رونگٹا تجھ پر اور تیرے دریا پر لعنت برسائے۔ عمرو سعد ایک بھوک اور پیاس کیا یہ جسد خاکی جس وقت خون میں نہا ئیگا۔ اسوقت بھی لہو کے ہر قطرہ سے حسین کی صدا بلند ہوگی۔ ناہنجار زبان روک اور ہمت ہے تو سامنے آ، میں تجھکو بتا دوں کہ حسین و یزید میں کیا فرق ہے

اس تقریر کا جواب وہی ایک تیر تھا جو عمرو سعد نے یہ کہہ کر پھینکا" یہ خدائی فیصلہ ہے۔ اب تیغ حیدری چمکی اور متواتر پانچ آدمی ایک ایک کر کے فنا ہوئے۔ تو شمر نے عمرو سعد سے کہا فتح ہو یا شکست مگر حق یہ ہے کہ کسی میں ہمت نہیں کہ علی کے پوتے کا مقابلہ کر سکے۔ اتنے عرصہ میں دو شقی اور ختم ہو چکے تھے علی اکبر کی تلوار نے یزیدیوں کو جیتے جی آگ کے معنے بتا دئے جس طرف رخ ہوتا تھا بستہراؤ تھا۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں حتیٰ کہ عرف بن سلیمان مقابلہ کو نکلا اور کہا میں اس عرف کا بیٹا ہوں جسکو تیرے دادا نے قتل کیا۔ عمر اس آرزو میں ختم ہوئی کہ علی کے بعد حسن یا حسین سے اس خون کا بدلہ لوں، آج خدا خدا کر کے یہ موقع میسر ہوا ہے کہ میری آنکھیں تجھ کو

خون میں تر بتر دیکھیں اور یہ ہاتھ جن کی طاقت کا جواب دنیا میں نہیں تیری گردن مروڑ دیں۔ ہتھیار پر فخر ہے تو وار کر اور کشتی پر ناز ہے تو نیچے اتر۔ ابن حسین جواب دینا چاہتے تھے کہ مکر کے پتلے نے تلوار کا وار اس زور سے کیا کہ بایاں کندھا زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ عمر سعد کے لشکر سے یہ آواز بلند ہوئی کہ علی اکبر آج عرف و علی کی لڑائی کا فیصلہ تھا عرف نے علی کو زخمی کیا۔ اب حسین کو بلاؤ کہ آ کر باپ کی مدد کریں علی اکبر نے عمر سعد سے کہا "ناہنجار زبان روک اور ایسے الفاظ زبان سے نہ نکال" یہ کہہ کر سیدھے ہاتھ سے عرف کے سینہ میں برچھا مارا۔ ہر چند عرف نے سپر پر روکا اور بچنے کی کوشش کی مگر چشم زدن میں برچھا آر پار تھا۔ اس کے بعد زخمی ہاتھ سے ابن حسین نے ایسی تلوار ماری کہ عرف کا سر زمین پر تھا جس کو برچھی پر اٹھا کر علی اکبر نے کہا عمر سعد! اب بتا فیصلہ کس کے حق میں ہوا۔ جو تماشہ شیر خدا نے دکھایا تھا اس کا ایک شمہ تو نے غلام علی کے ہاتھ سے دیکھ لیا۔ یاد رکھ کہ پرے کے پرے ختم کر دونگا۔ تو پانی کو کہتا ہے ارے ستم شعار ہماری پیاسیں ختم ہو گئیں۔ ورنہ یہ زخمی ہاتھ تیری تمام جمعیت کے مقابلہ میں فرات سے پانی لاتے۔ تو ہماری طاقت دیکھ چکا، مگر میرا دل اس وقت خوش ہوتا جب تو سامنے آتا۔ اب اگر

کوئی اور حربی ہے تو بھیجدے۔

عمر وسعد نے سب کی طرف دیکھا مگر غرت کا حشر دیکھ کر سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ایک بھی آگے نہ بڑھا۔ عمر وسعد نے اوپری دل سے کہا بس تو میں خود ہی جاتا ہوں مگر جب اس کا جواب فوج نے کچھ نہ دیا تو اس نے کہا اچھا سب ملکر حملہ کرو، چنانچہ ایک پورے دستہ نے علی اکبر کو گھیر لیا اسپر بھی ابن حسین کی تلوار جدہر جاتی تھی آگ اور خون کے دریا بہا دیتی تھی۔ عمر وسعد نے یہ رنگ دیکھکر چار دستے منتخب کئے۔ اور کہا تمہارے واسطے اس سے زیادہ کیا شرم کی بات ہوگی کہ ایک شخص نے اتنوں کو قتل کردیا اور تم ہزاروں اس کو مار نہیں سکتے۔ اب ایک متفقہ حملہ حسین کے چاند پر ہوا۔ اور چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ عمر وسعد نے بآواز بلند کہا۔

"حسین آؤ! علی اکبر کی لاش مبارک ہو"

امام حسین اسکی لاش خیمہ میں لائے تو پیشانی سے جیتا جیتا خون نکل رہا تھا بی بی زینب دروازہ میں کھڑی تھیں چہرہ پر خون کی تللیاں بہتی دیکھکر کہا" بھائی لاؤ میرے دولہا کو میری گود میں دو۔ جوان ہوگئے تھے تو پیار کرتے شرم آتی تھی، سوقت جی بھر کر لپٹوں گی۔ عمر وسعد سے کہدیجے کہ قیامت کے روز اسی طرح علی اکبر کو ساتھ لیکر نانا جان کو دکھاؤنگی کہ یزید اور ابن زیاد کے حکم سے عمر وسعد نے میرے بچے کے خون کا سہرا باندھا ہے۔ یہ لہو کی دھاریں اکبر میاں کے سہرے کی لڑیاں ہیں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اس چاند کو میدان کربلا کے لئے جوان کر رہی تھی

خدا کے لئے کوئی عمرو سعد سے پوچھو کہ کس دل سے اس پھول سے حلق پر تلوار چلائی اے سنگدل عرب کے قصائی بھیڑوں کو بھی پانی پلا کر ذبح کرتے ہیں تو نے علی کے پوتے کو بھیڑ بکری کے برابر بھی نہ سمجھا۔

اب بی بی زینب کی حالت ردی ہو گئی۔ بچہ کا خون ہاتھ میں لیکر اپنے منہ پر ملا اور بھائی سے کہا "بسم اللہ کیجئے اور لیجائیے بس اب زندگی کے ارمان پورے ہو گئے۔ اکبر کے بیاہ کا سہرا بھی دیکھ لیا۔ اب کیا باقی رہا" امام حسین نے بہن کے سر پہ ہاتھ رکھا اور گلے سے لگایا اور فرمایا" زینب! صبر کا وقت ہے۔ صبر و شکر کے سوا دوسرا لفظ زبان پر نہ آئے۔ عمرو سعد نے مجھ سے کہا تھا کہ علی اکبر نے میدان جنگ میں یہ الفاظ کہے تھے کہ رونگٹا رونگٹا حسین پکاریگا۔ زینب! علی اکبر سچا تھا۔ آخر وقت جب تلوار گردن پر پڑی تو باپ باپ پکارتا زمین پر گرا۔ آنکھیں تمہارے انتظار میں کھلی ہوئی ہیں۔ میں نے اس کے سامنے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر صرف اتنا کہا کہ توفیق صبر عطا فرما" اسوقت تک اکبر کی کھلی ہوئی آنکھوں کو پیار نہیں کیا اب تمہارے سامنے پیار کرتا ہوں کہ آخری لمحہ بھی باپ کی یاد دل سے نہ گئی۔ زینب میں نے پہلی آواز سنی اور نہ پہونچ جاتا اور زمین میں نہ گرنے دیتا۔

شہربانو کی حالت ناقابل بیان تھی، بی بی زینب کو چکر آ گئے۔ وہ یہ کہہ کر لاش پر گریں" پھوپی۔ ان کھلی ہوئی آنکھوں پر قربان گئی"۔

آفتاب نصف النہار پر تھا جب اس وقت کے بھوکے اور تین دن کے پیاسے حسین ابن علی نے جوان شیر کی لاش کے چہرہ پر منہ رکھ کر یہ کہا اور دفن کر دیا کہ علی اکبر بیٹا پھوپی کے پچھاڑ اسے لال تمہارے باپ پر نثار رہو کہ تمہارے پہلو میں سو رہے ہیں حسین کے ساتھی ایک ایک کر کے رخصت ہوئے وہ بھی ہر تھا بیٹا ذرا تھوڑی دیر کا مہمان ہے خدا معلوم اسکو قبر کہاں نصیب ہو اور ہو یا نہ ہو۔ میدان کربلا کے شہیدو تمہارے سپرد ہے بیٹا طبل جنگ بج رہا ہے لشکر کی صورت خیمے میں پہنچا الٹے میدان کی اجازت تھوڑی میں نے دی۔ اب تم مجھکو دو۔

بی بی شہر بانو کی درخواست

امام حسین علی اکبر کو دفن کرکے خیمہ میں واپس آئے تو شہر بانو نے ہاتھ جوڑ کر کہا حاضری کے وقت سے اسوقت تک کوئی درخواست زبان پر نہ لائی، مگر آج ممتا کلیجہ کے ٹکڑے اڑا رہی ہے۔ پیارا اصغر پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر بے دم ہوگیا۔ ایمان میرے کان میں کہہ رہا ہے کہ اصغر میری گود خالی کرنے آیا تھا اور میرا پھول میرے ہاتھوں میں چند لمحہ کا مہمان ہے۔ مجھے خبر نہ تھی کہ کربلا کی خاک میرے معصوم کو اپنے پہلو میں بلا رہی ہے۔ میری التجا قبول کیجے اور میرا بچہ دشمنوں کو دکھائیے کہ اس کے حلق میں آج دو روز سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پہونچا۔ عمر و شمر سے فرمایئے کہ جھگڑا ہم سے ہے تو ہمارے ساتھ جو چاہے سلوک کر مگر میرا معصوم اصغر بے گناہ ہے اسکو چند قطرے پانی کے پلا دے کہ اس کی جان پر آبنی۔ امام عالی مقام یہ تمام عمر میں پہلی درخواست ہے اور اس کی قبولیت کا انحصار آپ کے کرم پر ہے۔
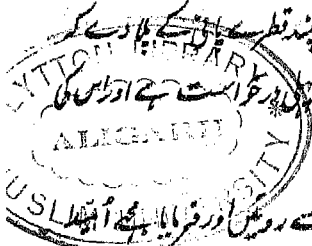
امام حسین کی خاموش آنکھیں بچہ کی بے گناہی سے روشن اور فرمایا مجھے امید نہیں کہ دشمن تیرے لال پر رحم کریں۔ شہر بانو جن لوگوں سے توقع رکھتی ہو انہوں نے سیدہ کے لال کے ساتھ کیا کیا جو تیرے لال پر رحم کرینگے مگر تم کہتی ہو اس لئے جاتا ہوں۔

کربلا کا ننھا شہید

کس قدر قیامت خیز تھی وہ ساعت جب فاطمہؑ کے لخت جگر نے ہاتھ بڑھائے اور شہر بانو نے اپنے کلیجہ کا ٹکڑا جسکا منکا ڈھل چکا تھا، جس کی آنکھیں بند ہوچکی تھیں جس کے ہاتھ پاؤں صرف سانسوں کی گود میں تھے، یہ کہہ کر شوہر کو دیا۔ ابن علیؓ اپنا معصوم خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ ہوا گرم ہے۔ لو کے تھپیڑے میرے بچے کو جھلسا

LYTTON LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

نہ دیں۔ عبا اوڑھا لیجئے اور کلیجہ سے لگا لیجئے ڈرتی ہوں کہ کہیں پانی سے پہلے ہی میرا چاند گہنا نہ جائے۔ ہوا کے گرم جھونکے اس پھول کو کھلا نہ دیں۔ ابن رسول اللہ دُعا کیجئے کہ عمر سعد کا پتھر دل پگھل جائے اور وہ میرے میاں کو چند قطرے پانی کے دیدے۔ آپ بسم اللہ کیجئے ایک عمر سعد نہیں تو نہ سہی اُس کے لشکر میں بہت سے صاحب اولاد ہوں گے جن کی گودیں بھری پُری ہوں گی جو بچوں کے باپ ہوں گے۔ میرا بچہ اُن کو اپنے بچے یاد دلائے گا۔ اُن کے دل تڑپ اُٹھیں گے اور وہ رو رو کر میرے اصغر کو پانی پلائیں گے۔ جلدی کیجئے میں نے غلطی کی کہ اسقدر دیر میں خیال آیا۔ ہاں ابن رسُول اللہ میں بھول گئی عمر وسعد بھی تو بچوں والا ہے۔ اسکو عداوت آپ سے ہے میرے اصغر نے اس کا کیا بگاڑا۔ اُس سے کہئے کہ میرا بچہ بیعت کو نہیں سمجھتا۔ اس نے اس کا ننھا سا کلیجہ بھون دیا۔ اس کو دکھا دیجئے کہ دو دن میں اس کا چہرہ اُتر گیا۔ زبان خشک ہو گئی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ گئیں۔ اس سے کہئے کہ اُس کے دادا علیؓ اور اس کی دادی فاطمہؓ کی مقدس روحیں پوتے کی پیاس پر بلبلا رہی ہیں۔ پانی ہم کو نہ دے ہمارے خیمہ میں نہ آنے دے۔ اپنے ہاتھ سے زیادہ نہیں ایک گھونٹ چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکا دے اس کی کیفیت سُنا کر میری امانت عمر سعد تک پہونچا دیجئے اور میرا بچہ یہ کہہ کر اُس کی گود میں دیدیجئے کہ شہر بانو کی امانت تجھ کو دیتا ہوں تو مسلمان ہے اور یہ امانت اس باپ کا بچہ ہے جس کے باپ پر تیرے باپ دادا ایمان لائے۔ اور جس کا تو کلمہ پڑھ رہا ہے۔

دُنیا اس واقعہ پر، آسمان اس منظر پر اور زمین اس کیفیت پر جب بھی اور اب بھی رو رہی۔ اور روئیگی۔ امام حسین علیہ السلام نے بچہ کو لیکر چلنے کا قصد کیا تو دوسرا قدم ایک سر پر پڑا جو راہ میں لپٹا ہوا امام کے پاؤں پر رکھا تھا۔ سر اُٹھایا تو دیکھا کہ

ماں جائی بہن زینبؑ بنت علی پاؤں پر پڑی ہے بیتاب ہو کر فرمایا۔ زینبؑ جانتا ہوں کہ تیرے بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ مگر خدا شاہد ہے مجھے اسکا علم نہ تھا کہ میری وجہ سے تجھ پر اور تیرے پیاروں پر مصیبت آئے گی۔ اور تیری ماں حسینؑ کو اس لئے پال رہی ہے کہ اسکی وجہ سے زینب اور اُس کے بچوں پر یہ وقت گذرے۔ قیامت کے روز تیری ماں اور باپ دونوں میری بے گناہی کی گواہی دینگے۔ عون و محمدؑ جس وقت حسرت سے میرا منہ تکتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ناز و نعم میں پلنے والے بچے اماں کے ہاں تین دن سے پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں تو کلیجہ کٹ جاتا ہے اُن کے پھول سے چہرے کمہلا گئے۔ اور چاند سی صورتیں سنولا گئیں مگر کیا کروں مجبور و لاچار ہوں۔ عمر و سعد نے اگر اصغر پر رحم کیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ مجھپر اور علی اکبرؑ پر پانی حرام ہے جب تک زینبؑ اور اس کے بچوں کو پانی نہ پلا دوں۔

بی بی زینبؑ کی چیخ سے خیمہ گونج اُٹھا۔ وہ پھر قدموں پر گریں اور کہا۔

"قربان جاؤں اس صورت کے جو ماں اور باپ دونوں کی صورتیں یاد دلا رہی ہے۔ بھیا! کیا کہہ رہے ہو؟ زینبؑ کا دل خود ہی زخمی ہے اس کے زخم پر نمک نہ چھڑکو۔ عون و محمدؑ اصغر پر قربان کئے، زینبؑ اور اسکا تمام گھر اس صورت پر نثار۔ خوش نصیب ہوں کہ زندگی کی آخری گھڑیاں ان قدموں میں گزریں اور موقعہ ملا کہ ماں کے دودھ کا اثر عمر سعد کو دکھا دوں اور ان جفا کاروں کو بتا دوں کہ خاندان رسالت کی عورتیں کس بے جگری سے میدان میں آتی ہیں اور ماں باپ کی امانت پر اپنے بچے قربان کرتی ہیں حسینؑ میدان کربلا میں زینبؑ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہ ہوگی جس کو ماں سے سرخرو ہونے کا موقعہ ملا۔ بھیا میں کچھ اور عرض کرتی ہوں ٹھہر جاؤ تو اچھا ہو کا سب اور اسکو عرب کا حال معلوم نہیں تھا یہ

اور سیدہ فاطمہؑ کے تعلقات کی اسکو کیا خبر سیدھی سادی بیگم ان گھڑیوں کا حال کیا جانے۔ یہ کیا سمجھے کہ عمر سعد آلِ رسول کے بچہ بچہ کا دشمن اور خون کا پیاسا ہے۔ بھیا میرا دل دھڑک رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنیاں آ رہی ہیں۔ اللہ حسینؑ میرے بچہ کو دشمنوں میں نہ لے جا۔ بلائیں لوں اس چاند سے مکھڑے کی مجھے ڈر ہے کہیں ظالم اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔ دل کو اتنی دیر سے سنبھال رہی ہوں، اور کہتی ہوں کہ لاکھ سنگدل ہوں مگر اولاد والے ہیں معصوم پر ہاتھ نہ اُٹھیگا۔ لیکن دل نہیں مانتا اور یہی ڈر لگتا ہے کہ اس کی جان سے دُور بے ایمان کوئی گل نہ کھلا دیں۔ میری پیاری بھاوج خدا تیری مامتا ٹھنڈی رکھے اور اصغر کی ہزاری عمر ہو مگر ہائے کیا کروں دل نہیں مانتا۔"

اتنا کہہ کر بی بی زینبؑ بچہ کے چاروں طرف پھریں اور کہا "جانتی ہوں موت سر پہ آگئی مگر اسکی آئی مجکو آ ئے ہائے میں زندہ رہوں اور اصغر ظالموں کے پھندے میں پھنسے۔ میرے بچے موجود ہوں اور شہربانو کی گود خالی ہو۔ بی بی تمہاری ضد ہے، بہیجدو، بھیا میرا بچہ میری گود میں دو۔ میں اسکو رخصت کر دوں۔"
بی بی زینبؑ نے پڑھ پڑھ کر بچہ پر پھونکا۔ اور اُسکے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں سر آنکھوں سے لگائے اور رو رو کر کہا۔ عون و محمد اُٹھو، عباس بھیا آؤ، قاسم دیکھو، اکبر کھڑے ہو، اور حسینؑ کے بیمان کو پھوپی کی گود سے رخصت کرو۔

دنیا کے پردہ پر اور حیاتِ انسانی کی تاریخ میں اس سے پہلے ہی نہیں اس کے بعد بھی وہ قیامت خیز گھڑی نہ آئی کہ وہ شخص یا گروہ جو کھانے اور پانی سے پوری طرح سیراب ہو رہا ہو۔ اس شخص کے خلاف جس کے نانا کا کلمہ پڑھ ہو اتنا کٹر اور ایسا پتھر ہو جائے کہ عورتوں اور بچوں پر ظلم توڑے اور تیوری پر بل نہ آئے بچہ کو گود میں دیکھ کر عمر سعد نے قہقہہ لگایا اور لوگوں سے کہا حسینؑ کوئی

مشکیزہ لا رہے ہیں پانی بھر دو مگر ذرا جب ہے کہ پانی کے ساتھ ہی مشک اور حسینؑ دونوں چھلنی ہو جائیں اور حسینؑ پانی کو ترستا ہوا دُنیا سے اُٹھے، دیکھو پُورا انتظام کرو۔ ایک قطرہ پانی کا حلق میں نہ پہونچے۔

جس وقت ہوا آگ کے شعلوں میں نہا رہی تھی، جب کربلا کا میدان زمین و آسمان سے انگارے اُگل رہا تھا۔ اسوقت صبر و رضا کا ایک مجسم نمونہ عمرو سعد کے سامنے اِس گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ جس کی زبان پیاس کے مارے باہر نکل آئی تھی اور حسرت و یاس سے مڑ مڑ کر اپنے سوار کے قدموں میں آنکھیں مل رہا تھا۔ رسُول عربی کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان آئیں، قدرت کا تماشا دیکھیں روئیں اور چلائیں چیخیں اور پیٹیں اس گھوڑے کا سوار وہ سوار ہے جو اُن کے مولا و آقا کے کندھوں پر سوار ہوا۔ یہ دھوپ میں جلنے اور بھلنے والا انسان بنت رسُول کا دودھ پی کر اور علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھوں میں کھیل کر جوان ہوا ہے یہ زبان جو آج خشک ہے اور جس میں کانٹے پڑ چکے ہیں اسکو خاتم النبیینؐ نے بوسے دیے ہیں۔ انسانیت رو رہی ہے، عقیدت سر ٹپک رہی ہے اور مروت منہ پیٹتی ہے۔ جب دیکھتی ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے عبا کا دامن اُٹھایا اور معصوم اصغر کا پسینہ پونچھ کر فرمایا۔

حاشا و کلا عمرو سعد تین روز کیا اگر تین مہینے اسی طرح گذر جاتے پانی اور دانہ اُڑ کر منہ میں نہ جاتا، آگ اس جسم کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی۔ اور گرمی کے شرارے جسد خاکی کو پھونک دیتے مگر تیری طرف رُخ نہ کرتا اور تجھ سے بات نہ کرتا لیکن جس نام کا کفش بردار ہوں جس کی لگن دل کو لگی ہوئی ہے جو جان اور ایمان ہے اس کی بشریت بھی قرآن شاہد ہے اسلئے عمر سعد ماتا کے درد سے مجبور ہوکر تجھکو انسان نہیں صاحب اولاد سمجھ کر ٹھہرا ہوں نے اس معصوم کو تیرے پاس

بھیجا ہے، دیکھ اس کی زبان ہونٹوں سے باہر آگئی، اس کی آنکھیں بند ہیں اور اسکا حلق خشک ہے، دنیا کا عیش اور زندگی کی بہار تجھ کو اور تیرے ساتھ یزید اور ابن زیاد کو مبارک ہو، مگر میرے کلیجہ کا ٹکڑا اس دنیا میں تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ دیکھ عمر سعد دیکھ اس کے سانس کی کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ مجھ کو نہیں۔ اصغرؑ کو اس کی معصومیت دیکھ کر، زیادہ نہیں پانی کے چند قطرے پلا دے۔ تاریخ تیرے اس عمل پر فخر کرے گی اور میرے نانا کی اُمت تیرے اس فعل کو نیکی سے یاد کرے گی اس کا پھول سا چہرہ، اور یہ نازک جسم لو کے ان تھپیڑوں کی برداشت نہیں کر سکتا، جلدی کر اور اپنے ہاتھ سے میرے معصوم کے حلق میں پانی کے چند قطرے ٹپکا دے۔ دیکھ ان ہونٹوں کو خشک ہیں۔ اس زبان کو سوکھ گئی، اور اس صورت کو" مرجھا رہی ہے۔ آگے بڑھ، انسان بن، اور انسانیت کو بٹہ نہ لگا۔

شہر بانو اور بنت علیؑ خیمہ کے دروازہ پر کھڑی جھانک رہی ہیں کہ تو اس پیغام کا کیا جواب دیتا ہے۔ دونوں کی دونوں نے کلیجہ کا ٹکڑا اس حالت میں کہ اُن سے ہمیشہ کو جدا ہوتا ہے تیرے پاس بھیج دیا۔

یزیدی لشکر کی بیس ہزار آنکھوں میں ایک آنکھ بھی سُرمہ انسانیت سے مزین نہ نکلی، ان کے قلب کی سیاہی چہروں تک پہونچ چکی تھی۔ اور ظلم و ستم کی گھٹائیں اُن کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں، انسان نہیں جانور اور جانور نہیں پتھر تھے کہ دودھ کو ترستے اور پانی کو پھڑکتے معصوم کی اس کیفیت کا، ماتا کی ماری ماں کے پیام کا اور باپ کی التجا کا استقبال قہقہوں سے کیا، کیسا نازک وقت ہے کہ اس ہولناک میدان میں آفتاب آتش بار کے سایہ میں کھڑا ہونے والا انسان اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد عمر و سعد کی طرف اس توقع پر دیکھتا ہے کہ انسانیت

کے قدم آگے بڑھا کر۔ محبت کے ہاتھوں سے میرے معصوم کو گود میں لے گا، مگر میدان کربلا عمر سعد کے اس حکم سے گونجتا ہے کہ۔

"حسینؑ کا بچہ زندہ نہ جانے پائے"

ہوا لرز رہی تھی اور پہاڑ تھرا رہے تھے جب امام حسینؑ نے یہ الفاظ سن کر اپنے چاند کو دامن سے چھپانے کی کوشش کی۔ ہیا ہاتھ میں تھی اور کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا کہ بن کاہل حرملہ کا تیر معصوم گلے کو چھیدتا ہوا امامؑ کے بازو میں گھسا۔

قیامت کی مصیبت اس سے زیادہ نہ ہوگی کہ اس معصوم نے جس کے حلق کے آر پار تیر گھسا ہوا ہے جو باپ کی گود کو اپنے خون سے شرابور کر رہا ہے آنکھ کھولی اور باپ کو سوکھی زبان دکھا کر ہمیشہ کے واسطے بند کر لی۔

چکر آیا ہاتھ پاؤں کانپ گئے، جس وقت علی اصغر نے باپ کی گود میں آخری ہچکی لی اور حسینؑ بن علیؑ کا مہمان دم توڑ چکا۔ بچہ کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے تیر نکالا اور بچہ کو سینہ سے لگا کر خیمہ کا رخ کیا۔ دونوں نند بھاوجیں دروازہ میں کھڑی تھیں۔ امام حسینؑ کو لہو لہان دیکھ کر دل ہوا ہو گیا۔ زینبؑ چکرا کر گریں اور شہربانو یہ کہہ کر آگے بڑھیں "ہائے کیا ہوا؟"

امام حسینؑ نے بچہ کی لاش بیوی کی گود میں دی اور زینبؑ کو اٹھا کر کہا۔

"اے بہن تیرا لال حوض کوثر کے قطروں سے سیراب ہو گیا"

خیمہ میں کہرام مچ گیا۔ بی بی زینبؑ نے حضرت شہربانو سے کہا، بھاوج ڈیڑھ سال کی کمائی کربلا کے میدان میں لٹا دی۔ میرے بچہ کو میرے بھائی کو تم نے بھوکا پیاسا گھر سے نکالا۔ شہربانو اس کی خدمت تم کو وبال ہو گئی۔ ہائے کس پیار سے ہمک کر میری گود میں آیا۔ اور کیسی حسرت سے آخری نظر مجھ پر ڈالی۔ ارے نہیں شہربانو نہیں۔ اس کے نکالنے والی اس کو مارنے والی پھوپھی میں ہوں۔ بھائی کی گود میں

ہیں نے دیا پانی کو ہیں نے بھیجا۔ ارے خدا کے لئے بتاؤ میرے قصور کی کیا سزا ہے۔ اماں۔ اور نانا کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی۔ جب وہ کہیں گے کہ اصغر کو شہادت کے واسطے تو نے بھیجا۔ لاؤ میرے بچہ کو میری گود میں دو۔ شہربانو! لاؤ۔ اپنے بچہ کی قمیص بدلوں۔ یہ خون لتھڑی ہوئی قمیص مجھے دو۔ اس پر قربان ہوں۔ اس کو سر پر رکھوں۔ اس کو آنکھوں سے لگاؤں۔ علی اکبر! لو بھائی کے سہرے کا ارمان تھا، اصغر دولھا بنا اس کی برات چڑھ رہی ہے۔ اس دولھا کو گود میں لے کر دولھن بیاہنے جاؤ۔ بھائی کے ہاتھ کانپیں گے۔ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے کس دل سے اصغر کو قبر میں رکھیں گے۔ اے کربلا تیری گود میں آج میری گود کا کھیلنے والا آتا ہے جو میرے سینہ پر لوٹتا تھا جو ہمیشہ شہربانو کے ہاتھوں میں سوتا تھا۔ وہ آج تیری گود میں سوئیگا۔ ارے خدا کا واسطہ کوئی بتاؤ کس دل سے اپنے چاند کو اپنے پھول کو اس لق ودق میدان میں سلا دوں۔ عون و محمد آؤ اور بھائی کو لے جا کر کربلا میں سلاؤ۔ بھائی میرے مہمان کی صورت ایک دفعہ اور دیکھ لو۔ یہ صورت آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے اور اصغر ہمیشہ ہمیشہ کو جاتے ہیں۔ بیٹا پھوپی کا قصور معاف کر دینا۔ دادا اور دادی سے میری شکایت نہ کرنا کہ پیاسا گھر سے نکالا۔ تم چلو میں بھی آتی ہوں رات کو اگر دشمن نے فرصت دی تو قبر پر آ کر لپٹوں گی، چمٹوں گی۔ لپٹاؤں گی آج تک میری اور شہربانو کی گود تھی اب دادا اور دادی کے پاس جاؤ۔ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔

کس دل سے امام عالی مقام نے علی اصغر کو دفن کیا اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ قصد کیا کہ سیدھے میدان جنگ میں پہنچ کر اصغر کے خون کا بدلہ لیں مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ ناموس رسول خدا کے سپرد کر دوں۔ اور یہ جو دم باقی ہے ہیں آخری مرتبہ ان کو اور دیکھ لوں۔ خیمہ میں داخل ہوئے تو خون اب تک بازو

سے بہہ رہا تھا کپڑے خون میں تر تھے۔ بیوی اور بہن کو معصوم اصغرؑ کے صدمہ سے ابھی تک یہ خبر بھی نہ تھی کہ بچہ کے ساتھ باپ کے بازو سے بھی فوارہ چھوٹ رہا ہے۔ سب سے پہلے بی بی زینبؑ کی نظر امام حسینؑ کے خون پر پڑی "ہائے بھائی" کہہ کر لپٹ گئیں اور بدحواسی میں چیخ کر کہا ارے جلد پانی لاؤ۔ زخم دھو دوں" پھر خیال آیا تو کہا "ارے بھول گئی پانی کہاں؟ پانی تو آل رسولؐ پر یزید کے حکم سے بند ہوئے تین دن گذر گئے" سر سے ردا اتاری اور بھائی کا بازو کھول کر کہا "قیامت کے روز اسی طرح نانا جان کے حضور میں عرض کروں گی کہ آپ کی امت نے میرا سر ننگا کیا۔"

بیمار صغرا کا قاصد

امام حسینؑ علی اکبر کو سپرد زمین کر کے خیمہ کی طرف آرہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قریب پہونچا تو اونٹ بٹھا کر نیچے اترا۔ ہاتھ چوم کر قدموں میں گرا اور کہا چہرہ اقدس کی کیا کیفیت ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مدینہ کا مسافر ہوں اور چونکہ ایک وعدہ کر چکا ہوں اس کے ایفا کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ للہ فرمایئے یہ سامنے کس کا لشکر ہے اور خیمہ کس کا ہے۔ آپ کا قیام کس جگہ ہے اور بیعت یزید کا کیا حشر ہوا۔ سنا تھا کوفہ آپ کے ساتھ ہے۔ معلوم ہوا آپ کربلا میں مقیم ہیں۔

امام حسینؑ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تم نے میرے واسطے کیوں تکلیف اٹھائی وعدہ کس کا ہے اور کس سے ہے۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔

مسافر نے جواب دیا میں مکہ معظمہ کا رہنے والا بنو فاطمہ کا غلام ہوں ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی میں ایک گلی سے جا رہا تھا کہ "بیٹا یا حسینؑ یا حسینؑ" کی جگر خراش آواز سنی اور یہ آواز اسقدر دردناک تھی کہ کلیجہ

کے پار ہوئی جاتی تھی میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی دروازہ میں زمین پر بیٹھی یا حسین یا حسین کے نعرے لگا رہی تھی میں نے پاس جاکر پوچھا تو کون ہے اور حسین کو کیوں پکار رہی ہے۔ میرے سوال پر اس لئے کہ اس میں تسکین تھی اسکا دل بھر آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا "آج مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا کہ نماز فجر کے بعد دروازہ میں آ بیٹھتی ہوں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میرے دل کی لگی بجھا دے کوئی اولاد والا بھیر پر رحم کہا کر میرے باپ تک میرا پیام پہنچا دے۔ آنکھیں رستے کو لگی ہوئی ہیں کہ اپنے باپ حسین ابن علیؑ کی صورت کی زیارت کروں مائیں اپنے بچوں کو گود میں لئے، باپ اپنی بچیوں کی انگلی پکڑے میری آنکھوں کے سامنے سے نکلتے ہیں میں ان سے سوال کرتی ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ کی خیریت بتا دو۔ وہ میری طرف دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔ کوئی مسلمان میری طرف رخ نہیں کرتا میں بیمار ہوں اور اس دنیا میں چند روز کی مہمان۔ ایک بدنصیب لڑکی جو دنیا سے ناشاد و نامراد اُٹھ رہی ہے اپنے نانا کی امت سے رو رو کر التجا کرتی ہے کہ واسطہ خدا کا باپ سے بچھڑی ہوئی بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغرا کا خط اس کے باپ تک پہنچا دو اے بھائی سانڈنی سوار اگر تو کوفہ کی طرف جاتا ہے تو اپنے بچوں کا صدقہ مجھکو ساتھ لے لے۔ مجھے بیمار نہ سمجھ۔ میں تیرے اونٹ کے ساتھ بھاگوں گی۔ میں تجھے کھانے اور پانی کی تکلیف نہ دونگی۔ میری بھوک اُڑ گئی، میری پیاس ختم ہو گئی تو جہاں تک جائے مجھے ساتھ لے۔ جب کہیں اور جائے تو مجھے رستہ بتا دے۔ میں پوچھتے پوچھتے کوفے چلی جاؤنگی۔ یقین کر میرے پاؤں باپ کی زیارت کو تیرے اونٹ سے تیز اُٹھیں گے۔ ملاقات کا شوق میری تکان دور کر دیگا۔ اور میں ہانپتی کانپتی نہیں اُچھلتی کودتی اپنے کنبہ میں پہونچ جاؤنگی۔ میرے پاس کچھ نہیں جو تجھکو دوں۔ یہ میرے کپڑوں کے دو جوڑے ہیں۔ تیرے بچوں کے کام آجائینگے۔ یہ ایک چھلی ہے اگر تو قبول

کرے۔ میرا زخمی دل تجھکو دُعائیں دیگا۔ خدا تیرے بچوں کی عمر دراز کرے۔ میری آنکھیں اپنے بابا کی صورت کو ترس رہی ہیں میرا دل بھائیوں کے دیکھنے کو تڑپ رہا ہے۔ اے سانڈنی سوار ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے تارے گن گن کر صبح کرتی ہوں جس وقت اذان کی صدا بلند ہوتی ہے تو دل کہتا ہے آج باپ کی زیارت نصیب ہوگی مگر جب وہی مؤذن مغرب کا پیام پہونچاتا ہے تو آکر لیٹ جاتی ہوں لیکن دروازہ کھلا رکھتی ہوں کہ میرے باپ کو آواز دینے کی تکلیف نہ ہو۔ اے خوش نصیب مسلمان حسین سے بچھڑی ہوں دُکھیاری صغرا کی دعائیں لے یہ دُکھے ہوئے دل کی صدا خدا کے حضور میں قبول ہوگی۔

اتنا کہہ کر بیمار بچی بابا بابا کہتی ہوئی بیہوش ہوگئی۔ میںنے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچی بخار میں پھُلس رہی ہے۔ میرا دل کٹ گیا۔ میرے آنسو نکل پڑے جب دیکھا بیمار کی ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں۔ گوشت کا پتہ نہیں اور سانس ہڈیوں میں چل رہا ہے۔ میں چیخ اُٹھا جب مجھے معلوم ہوا کہ مظلوم بچی کی زبان سے بیہوشی میں بھی باپ کی صدائیں بلند ہورہی ہیں، جس وقت بیمار بچی ہوش میں آئی تو میںنے اس کے سر پر ہاتھ رکھکر کہا کچھ اسلئے نہیں کہ میں مسلمان ہوں بلکہ اسلئے اور صرف اسلئے کہ یہ کیفیت دیکھکر میرا دل تڑپ اٹھا میں تیرے سامنے قسم کہاتا ہوں کہ جب تک تیرا خط تیرے باپ تک نہ پہونچا دونگا مجھکو زندگی کی ہر راحت حرام ہے۔ میری بیمار بچی یہ کپڑوں کے جوڑے خدا تجھکو نصیب کرے۔ میں اپنی خدمت کی اُجرت قیامت کے روز تیرے نانا سے لونگا۔ زمین شق ہو اور میں سما جاؤں اس سے پہلے کہ تجھ سے اپنا معاوضہ طلب کروں۔ میرا بچہ بیمار ہے اور میں اسکے واسطے دوا لینے آیا ہوں مگر کٹ جائیں یہ قدم اگر اب گھر واپس ہوں۔ اور پھوٹ جائیں یہ آنکھیں اگر اپنے بچہ کی صورت تیرا پیام پہونچانے سے پہلے دیکھ لیں

میں تجھکو ضرور ساتھ لے جاتا۔ لیکن تو دیکھ لے میرے اونٹ پر کجاوہ نہیں ہے اسکو باندھنے جا رہا تھا مگر خدا کے بھروسہ پر تیری خدمت کو روانہ ہوتا ہوں۔

میں اب الفاظ میں وہ کیفیت ادا نہیں کر سکتا جو بیمار پر طاری ہوئی۔ وہ میری گفتگو سے ساکت ہو گئی۔ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگی اور صرف اتنا کہا بھائی خدا کے واسطے مجھے گنہگار نہ کر اور اپنے ننھے کو پہلے دودھ دے آ ایسا نہ ہو وہ روئے اور اسکا صبر مجھ پر پڑ جائے۔ اے بھائی میرا بھی ایک معصوم بھائی بابا کے ہمراہ ہے اسکی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی للٰہ پہلے اپنے بچے کو دودھ دے آ خدا تیری ماں ٹھنڈی رکھے۔ تیرے بچہ کی ہزاری عمر ہو۔ اور سب بچوں کے طفیل میں میرا بھائی بھی جیئے۔ میں نے ہر چند کہا مگر وہ نہ مانی اور میں بچہ کا دودھ دیتے ہی کوفہ روانہ ہوا۔ پرسوں صبح کو جب میں کوفہ پہنچا ہوں تو معلوم ہوا آپ کربلا میں تشریف فرما ہیں۔ خدا را بتایئے کیا حالت ہے اور یہ کیا کیفیت گذر رہی ہے۔

امام حسین نے قاصد کی طرف دیکھ کر ہاتھ بڑھایا، خط لیا اور کہا:۔

پیارے بھائی تو میری بچی کا خط لے کر آیا ہے۔ تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ جس بچی کا تو پیامبر ہے وہ میری بیمار بیٹی صغرا ہے اور میں اسوقت جس حال میں ہوں خدا میرے جانی دشمن یزید ابن زیاد اور عمر و سعد کو بھی اس سے محفوظ رکھے۔ تجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اس باپ کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس ماں کے دودھ سے پلا ہوں جنہوں نے مہمانوں کے واسطے خود فاقے کئے مگر اسوقت میں اس قابل بھی نہیں کہ مسافر اسکے مہمان کو پانی کے دو گھونٹ پلا دوں۔ بھائی آج تیسرا دن ہے کہ آل رسول پر یزید اور ابن زیاد کے ظلم سے عمر و سعد نے دانہ پانی بند کر رکھا ہے میرا تمام خاندان بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر میدان جنگ میں ختم ہو چکا۔ صبح سے اسوقت تک سب کا صفایا ہو گیا۔ صرف اصغر کا تو ذکر کر رہا ہے اور جسکی یاد میں بیمار صغرا نے تجھکو دودھ

کے واسطے بھیجا وہ دودھ تو درکنار پانی کے چند قطروں کو تڑپتے ہوئے زمین کے نیچے پہونچ گئے۔ میری بہن کے دونوں بچے عون و محمد قبروں میں اس معصوم کو لوریاں دے رہے ہیں۔ جن ہاتھوں میں یہ خط لیا ہے یہ اکبر جیسے شیر اور قاسم جیسے پیارے خاک میں لٹا چکے۔ میرے بھائی میری بچی کے اور میرے بچے محسن قیامت کے روز تیری دعوت کرونگا۔ اور جس طرح تو نے عہد کیا ہے میں بھی میدان کربلا میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حوض کوثر سے تجھکو سیراب نہ کرلونگا مجھکو اسکا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔

قاصد قدموں پر گر پڑا اور کہا اجازت دیجئے کہ عمر سعد ملعون کے مقابلہ میں جاکر نثار ہوں۔ امام حسین نے اسکا شکریہ ادا کیا مگر جب اسکا اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا تیری خدمت یہی ہے جو تو نے انجام دی اب اسکا جواب بھی بیمار بچی کو پہونچا دے ذرا میں اسکو پڑھ لوں اور عورتوں کو سنا دوں یہ کہکر امام حسین خیمہ میں تشریف لائے اور خط پڑھنا شروع کیا۔

بابا! ایک مہینہ ایک سال ہوگیا راتیں آنکھوں میں کٹتی ہیں اور دن در وازہ تکنا ختم ہوتا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ تم اچھی ہوجاؤگی تو بلوالونگا۔ بابا اب میں بالکل اچھی ہوں۔ بخار کو بھی آرام ہے اور کھانسی کو بھی۔ آپکے پاس اللہ رکھے سب بچے موجود ہیں۔ انکو دیکھ دیکھ کر دل بہلاتے ہونگے۔ مجھ بیمار کو کیوں یاد کرنے لگے ایسے بھولے کہ خیر صلاح تک نہ بھیجی۔ اچھے میرے ابا جان میرا قصور معاف کر دیجئے میں آپکے چلتے وقت روئی تھیں تھی جو آپ خفا ہوگئے۔ میں تو ابھی سے یوں ہی منہ پونچھ رہی تھی میرے ابا مجھے جلدی سے اپنے پاس بلوا لیجئے۔ دیکھئے تو سہی مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ اصغر بھیا کی یاد میں گھنٹوں مچھلی کی طرح تڑپتی ہوں اب انشاءاللہ اور بھی زیادہ گھنٹوں۔ چلتے ہونگے ہائے کس طرح کہوں کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ بھیا کو جیتے

کتنے دن ہو گئے نام لے لے کر کس طرح ہکتے تھے ارے میرا بھائی آلہی ہزاری عمر ہو۔
اکبر بھیا بھی مجھ کو بھول گئے ہیں تو سب کی کیا خبر ہوں۔ پھوپی جان سے یہ اُمید نہ تھی
کہ اپنی لونڈی کو اس طرح بھول جائینگی۔ اور پلٹ کر خبر تک نہ لینگی میں یہ تو نہیں کہتی
وہ مجھے بھائی کی اولاد سمجھیں اور بھتیجی کہیں۔ مجھے اپنے بھائی کی اماں سمجھ لیں میں
وعدہ کرتی ہوں خدمت کرونگی لونڈی باندی کو عذر ہو گا مگر مجھے عذر نہ ہو گا۔
رات بھر آپکے پاؤں دباؤنگی۔ اماں بیوی کا سر دھلاؤنگی۔ پھوپی جان کا انکے بچوں کا کھانا
پکاؤنگی۔ اکبر بھائی کے کپڑے سیونگی۔ اصغر بھیا کو ساتھ سُلاؤنگی لوری دونگی منہ ہاتھ
دُھلاؤنگی ننھا سا دولھا بناؤنگی۔ بابا جان آپکو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ میں نے سُنا ہے دادی جان
ایسی رحم دل تھیں کہ چکی پیس پیس کر اللہ کے نام دیتی تھیں۔ بابا جان آپ اللہ کے نام
مجھے اپنے پاس بلا لیجیے۔ ہائے ہے مجھے سب ہی بھول گئے۔ اماں بیوی، پھوپی جان،
اکبر بھیا کسی کو بھی میرا دھیان نہ رہا۔ بابا! رہ رہ کر کلیجہ میں ہوک اٹھتی ہے آنکھیں
سب کی صورتوں کو بھیجر رہی ہیں۔
میں نے اپنے اصغر کے واسطے ایک شلوکا تیار کیا ہے۔ انشاءاللہ اپنے ہاتھ سے
پہنائونگی۔ پھوپی جان اپنے بچوں میں ایسی لگیں کہ اتنا خیال بھی تو نہ رہا کہ جلدی بلانیکا
وعدہ کر آئی ہوں جلدی ہی جلدی میں اتنے دن تو ہو گئے اب خبر نہیں وہ جلدی
کب پوری ہو گی!!"
رو رو کر، ہچکیاں اور سسکیاں لے لے کر امام حسین نے بیمار صغرا کا خط ختم کیا اور باہر
نکل کر قاصد سے فرمایا۔
احسان ہو گا اگر میرا یہ پیام میری بچی تک پہونچا دو گے کہ جب موت سر پر کھیل رہی
تھی، جب زندگی کا حقیقی مقصد مکمل ہو رہا تھا۔ جب دلی خواہش کے پورا ہونے کا وقت
آچکا تھا، جب حسین میدان کربلا میں نانا کی امت کو صبر و استقلال کے معنی بتا رہا تھا۔

جب حسینؑ کی آنکھیں زینب کے بچوں کا دکھ دیکھ چکی تھیں، جب حسنؑ کی نشانی حسینؑ کی بدولت اس کے سامنے دنیا سے مٹ چکی تھی، جب حسینؑ کے ہاتھ اصغر و اکبر کو قبر میں دبا چکے تھے، جب عباس حسینؑ کی کمر توڑ چکا تھا، جب ماں اور باپ کی صدائے تحسین اور بھائی کے مرحبا کے نعرے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے جب نانا کی مقدس آواز اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اور جس وقت اسکے اپنے بھائی اور بہن کے بچے کلمۂ توحید پر قربان ہو چکے تھے اور جب ایک بیمار بچی کے سوا جو اس سے کوسوں دور اسکی یاد میں تڑپ رہی تھی اس کے مردہ بچے اس کی آنکھ کے سامنے تھے اسوقت اسکا صرف ایک ارمان تھا اور وہ یہ کہ زندگی کے ان آخری لمحوں میں، وہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنی اس بچی کی صورت دیکھ لے جس کی یاد میں نیند اچٹی تھی، اور جس کے خیال سے دل روتا تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اس ساعت آخر میں وہ خواہش بھی پوری ہوئی اور صغرا کا خط پہونچ گیا۔ میرے پیارے بھائی میں موجود نہ ہونگا مگر صغرا کے سامنے شہادت دیجیو کہ شہادت سے قبل حسینؑ نے تیرے خط کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ بھائی جو دیکھ رہا ہے وہ کہدیجو جو سنا ہے وہ سنا دیجو اور کہیو تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔ رہی تیرا حافظ و نگہبان ہے۔ جن کو یاد کر رہی ہے وہ سب خدا کے پاس پہونچ گئے۔ ماں اور پھوپی اگر زندہ رہیں تو خدا معلوم کیسی کیسی تحقیر و تذلیل کے بعد تجھ تک پہونچیں گی۔ باپ کی یاد اگر زیادہ ستائے صبر سے کام لیجیو بھائی اب تو میرے سامنے رخصت ہو۔ جا ایسا نہ ہو دشمن تیرا بھی خاتمہ کر دیں اور میرا پیام میری بچی تک نہ پہونچے۔

عابد بیمار کا اصرار

قاصد قدموں سے آنکھیں مل کر روانہ ہوا اور امام حسینؑ خیمہ میں تشریف لائے تو ایک عجیب منظر تھا۔ عابد بیمار مسلح ہتھیار لگائے سامنے کھڑے تھے۔ نقاہت و ناتوانی اسقدر تھی کہ بات نہ کر سکتے تھے۔ بخار چڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے

تھے۔ باپ کی صورت دیکھ کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ چکر آیا اگر سے اور پھر اُٹھ کر کھڑے ہوئے جب بات نہ کی گئی تو بی بی زینب نے کہا۔

میں اور شہر بانو دونوں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔ دو قدم چلا نہیں جاتا۔ کیسطرح میدان میں جا سکتے ہیں۔ اب آپ خود انکے سوال کا جواب دیجئے۔" امام حسینؑ نے عابد بیمار کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سادات کی نسل دنیا سے منقطع ہو جائے۔ اگر تم کو یہ منظور ہے تو بسم اللہ کرو۔ مگر یاد رکھو قیامت کے روز دادا دادی کے اس سوال کا جواب دینا ہوگا۔ تمہاری شہادت بنو فاطمہ کا خاتمہ ہے۔ ایسا غضب نہ کرو۔ زندہ رہو اور مسلمانوں کو بتاؤ کہ باپ نے کربلا میں کس طرح اپنے کلیجہ کے ٹکڑے خدا کی مرضی پر قربان کئے۔

عابد بیمار کو باپ کی وصیت

باپ کی اس تقریر سے عابد بیمار خاموش ہوئے تو پھوپی نے انکو لٹایا اور امام حسینؑ میدان کے واسطے تیار ہوئے اب بیمار کی آنکھ سے آنسو گرنے لگے۔ آپ نے انکو گلے لگا کر فرمایا "جس طرح ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر زندگی کی انتہا موت ہے۔ دور اندیش ہنس کھیل کر اسکا استقبال کرتا ہے اور بے وقوف رو پیٹ کر اس کے منہ میں جاتا ہے۔ مگر کسقدر اچھی ہے وہ موت جو دوسری زندگیوں کو زندہ کر دے میرے نانا دنیا کے بہترین انسان کی زندگی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر گئی۔ میرے باپ شیر خدا کے کارنامے اس دنیا کو ان مٹ تماشے دکھا گئے۔ ضرورت تھی کہ ایسے باپ کے بعد جن کی زندگی بے مثل رہ گئی ہیں نہ صرف پرستاران توحید کو بلکہ اس دنیا کے بسنے والوں کو بتا دوں کہ یہی انسان اپنے اعمال سے زندگی اور موت دونوں کو جنت اور دوزخ بنا دیتا ہے۔ اور باغیچہ حیات میں ایسے پھول بھی کھلا سکتا ہے جو ذات باری کی طرح فنا ہونے سے محفوظ رہیں۔ میری زندگی نے جواب دو ایک ساعت

کی جان ہے آج دوپہر کے اندر اندر میدان کربلا میں ایسے پھول کھلا دیے ہیں جن کی خوشبو جب تک دنیا آباد ہے اسکو معطر کرے گی۔ حسین کی موت ان لوگوں کی زبان سے بھی داد شہادت لیگی جو اس کے نانا کے مقدس نام کے دشمن ہیں۔ یہ رونے کا نہیں خوش ہونے کا وقت ہے۔ تم اگر زندہ رہے تو دیکھ لینا کہ یزید۔ ابن زیاد اور عمر و سعد جو قتل حسین کے متمنی ہیں کتے کی موت مرینگے۔ اور اگر میرا قیاس غلط نہیں، تو سن لینا کہ محرم کی دس تاریخ ہر سال دنیائے اسلام میں ایک قیامت بپا کریگی۔ میں تمکو ایک پیام دیتا ہوں جو مسلمانوں تک پہونچا دینا۔ حیات انسانی مخزن آفات و الام ہے۔ وہ مسلمان جو افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہو کر زندگی سے بیزار ہو جائے اس سے کہنا کہ وہ تھوڑی دیر کے واسطے حسین کی بھوک پیاس کو بھی یاد کرے اور غور کرے کہ بیوی بچوں کو بھوکا پیاسا دیکھ کر حسین کے دل پر کیا گذری ہوگی۔ مائیں اگر اپنے معصوم بچوں کا جنازہ دیکھیں تو غور کریں کہ کن آنکھوں سے حسین نے اصغر کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھا ہوگا۔ باپ جس وقت اپنے جوان شیر کو قبر میں دبائے تو یاد رکھے کہ حسین نے بھی اکبر کو قبر میں دبایا تھا اور جس وقت اسکا تمام گھر ختم ہو چکا اسوقت بھی اس کی زبان پر اللہ ہی اللہ تھا۔

میری شہادت کے بعد اگر عمر و سعد اور اس کے ساتھی شرارت کریں تو صبر کرنا اور برداشت کرنا تم حسین کی اولاد ہو اور اس باپ کے بیٹے جسکا صبر دنیا میں مشہور ہوگا! ایسا نہ ہو کہ زبان سے کوئی لفظ شکایت نکل جائے سخت سے سخت مصیبت میں بھی صبر و شکر ہاتھ سے نہ جائے!"

سیدہ کے لال کی شہادت

اس کے بعد امام حسین نے بی بی زینب کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور کہا ماں جائی!

اماں کے دودھ کا حق اماں کے بعد ادا کیا دنیا اسکا جواب نہ دے سکیگی حسین کی عاشق زار بہن بھائی سے گلے مل اور رخصت ہو کہ طبل جنگ بج رہا ہے اور ایک سر کے واسطے ہزار ہا مسلمان تلواریں لئے کھڑے ہیں جس طرح سوتے ہوئے بھائی کی بلائیں لیکر قربان ہوتی تھی اور دیکھ دیکھ کر شکریہ کے نفل پڑھتی تھی اسیطرح اس کے سر کو گلے سے لگا کر خدا کا شکر ادا کیجو۔ زینب کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں تونے اپنی عمر بھر کی کمائی نثار کر دی اور اسوقت کوئی اتنا نہیں کہ تیرا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دوں۔ پیاری زینب خدا تیرا بہترین وارث ہوگا۔ میری ماں کی صابر رضا کی بچی۔ تیرے خشک ہونٹوں پر حسین قربان ہو۔ ہائے زینب زندگی کی آخری لمحوں میں پپھڑیاں بندھی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ میدان کربلا سے عمر سعد نہال نہال جائیگا مگر بنت علی خالی ہاتھ روتی پیٹتی روانہ ہوگی۔ جن بچوں کو بھائی کی حمایت کے واسطے ساتھ لائی تھی وہ اس لق ودق میدان میں سو رہے ہیں۔ اپس میری جان صبر کر اور جس طرح حسین نے علی کی شان دکھا دی اسی طرح تو بھی فاطمہ کی جھلک دکھا دے۔ آ میری پیاری زینب بھائی سے مل اور رخصت ہو۔ طبل جنگ بج رہا ہے۔

اس کے بعد امام حسین نے شہر بانو کی طرف دیکھ کر کہا اسے فاطمہ اور علی کی بہو تو اسکی بھاوج ہے جسکا کلیجہ کٹ کٹ کر ناجیں نکلا مگر قاتل کا نام نہ بتایا۔ تو اس شیر خوار بچہ کی ماں ہے جسنے حرملہ کے تیر پر مسکرا کر جان دی۔ شہر بانو سخت سے سخت ظلم میرا ہی نہاں طعن سے آشنا نہ ہو۔ عمر و سعد کے کڑوے گھونٹ شہد بنکر حلق سے اُتریں اسکی شادمانی حقیقتاً فانی ہے تو تال سے دیکھیگی تو نصرت کے شادیانے ابن زیاد اور یزید کے واسطے عبرت کے تازیانے ہونگے۔ حسین کی بے کفن لاش تیرے سامنے پڑی ہو اور خون آلودہ سر آنکھوں کے سامنے تڑپ رہا ہو لیکن زبان سے اُف نہ نکلے اور دل اس صداقت کا لطف اٹھائے جس پر حسین سب کچھ قربان کر چلا۔

خاناں برباد قافلہ جب حدودِ یثرب میں داخل ہو تو درود پڑھکر مسجد نبوی میں جانا اور حریم مبارک کے پردے پکڑ کر بصد عجز و نیاز التجا کرنا کہ فاطمہ کا لٹا ہوا خاندان در اقدس پر حاضر ہے دُعا فرمایئے کہ میدان کربلا مسلمانوں کو سبق دے اور انکی کشتی کا ناخدا بنے۔ شہر بانو تیرے کرم کا شکریہ آسان نہیں۔ اب خدا تیرا نگہبان ہے۔"

اس کے بعد امام حسین نے سب سے پہلے سرورِ عالم کا عمامہ سر سے باندھا۔ تیغ حیدری کمر میں لگائی۔ اور سیدۃ الزہرا کے ہاتھ کی سی ہوئی ردا کمر سے باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے۔ عمر وسعد نے آگے بڑھ کر کہا "خدا کا شکر ہے حسین کا خاندان ختم ہوا اور اب کوئی باقی نہیں۔ بہتر ہوتا کہ حسین کو زندہ گرفتار کرتے اور قیدی بنا کر لے جاتے مگر ابن زیاد کا حکم ہے کہ آج شام کو حسین کا سر کربلا سے روانہ ہو جائے اسلئے مناسب ہے گا کہ دائیں طرف سے حملہ کر دو" یہ کہہ کر اسنے قہقہہ لگایا اور امام حسین سے یوں مخاطب ہوا "اگرچہ خلیفہ یزید اور ابن زیاد کا حکم یہی ہے کہ میں آپ کو زندہ نہ چھوڑوں مگر آپ اب بھی اگر خلیفہ کی بیعت پر آمادہ ہو جائیں تو میں اپنے حکم سے آپ کو زندہ چھوڑ دونگا"

امام حسین مسکرائے اور جواب دیا۔

"عمر وسعد! ابن زیاد اور یزید کے احکام تو نے پڑھ لئے اور انکی تعمیل میں حسین بن علی کے بچہ بچہ کا جنازہ تیری آنکھوں سے گذر گیا۔ فاطمۃ الزہرا کا ہرا بھرا چمن تیرے ہاتھوں دو پہر میں اُجڑا مگر ان پھولوں کی ہر پنکھڑی تیرے واسطے درس عبرت ہے! بے وقوف عمر وسعد فرات کا ہر قطرہ تجھکو اپنی داستان سنا رہا ہے اور اس ریت کا ہر ذرہ اگر تو سنے تو کچھ اور دیکھے تو بہت کچھ سنا اور بتا رہا ہے۔ تو نے دیکھ لیا کہ عزت و زندگی کا معاملہ خدا کے بہتر و برتر کے ہاتھ میں ہے لیکن بنتِ فاطمہ کے وہ چاند سے ٹکڑے جو دنیا کو جگمگا رہے تھے اپنے ہاتھ سے خاک میں ملا دئے۔

بیعت یزید کی صدا تیرے اور شیطان کے منہ سے قدم قدم پر نکل رہی تھی اگر میں ڈگمگا جاتا، خاندان کا تعلق اور بچوں کی محبت اگر مجھکو پھسلا لیتی تو زندگی اور زندگی کے عیش مجھ سے دور نہ تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے جس نے مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ عمر سعد ہم پر تین شبانہ روز سے دانہ پانی حرام ہے تو چند لمحہ پانی نہ پی تو تجھے قدر ہو اور معلوم ہو جائے کہ شہدائے کربلا کس طرح صداقت پر قربان ہوئے ہیں میں اگر چاہتا اور بیعت یزید منظور کر لیتا تو تجھ جیسے نہ معلوم کتنے آدمی میرے قدموں میں گرتے اور خود یزید میرے پاؤں چومتا۔ مگر ضرورت تھی کہ میں مسلمانوں کے واسطے صبر و شکر کی استقامت اور ایثار کی استقلال اور خودداری کی ایسی بنیاد رکھ دوں، جس پر آنے والے مسلمان باسانی عمارتیں تیار کر سکیں اور میدان کربلا کو پیش نظر رکھ کر سخت سے سخت مصائب میں استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں میں پیغمبر زادہ ہوں۔ پیغمبر نہیں ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہے مگر تجھے بتائے دیتا ہوں کہ تیری توقعات پوری نہ ہوں گی اور دنیا بہت جلد تجھکو اپنا کرشمہ دکھا دیگی۔ میں نے قبل از جنگ تجھ سے کہا تھا کہ بیعت یزید نا ممکن ہے اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھکو اسوقت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ میں چند روزہ زندگی کے واسطے ایک فاسق و فاجر کی بیعت کا دھبہ بنو فاطمہ کے دامن پر لگا جاؤں۔ اب تو حسین ابن علی کے الفاظ کا جو محض صداقت پر ختم ہیں یقین کر مجھکو تیری حالت پر رحم آتا ہے۔ تو اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا۔ تو نے میرے بچے چن چن کر بیکدی بے قتل کئے اور تیرے اعمال سے شیطان بھی اسوقت پناہ مانگ رہا ہے۔ عمر سعد خدا سے ڈر ... کو برحق سمجھ اور اپنی توقعات کو جو سراب کی طرح چمک رہی ہیں حقیقت کی کسوٹی پر پرکھ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری بدبختی کا باعث میں قرار دیا جاؤں عمر سعد یہ ہماری آبائی شان ہے یہ ہمارا موروثی جوہر ہے کہ سخت سے سخت دشمن

کو بھی تباہی سے بچا کر اپنا کرم دکھا دیتے ہیں۔ تو جن اسباب کو اذیت سمجھ رہا ہے وہ وقت آخر میں میرے واسطے مسرت سے بدل گئے۔ میرے جد امجد حضرت ابراہیم کی طرح پیاس کی آگ کامیابی کے پھولوں سے بدل چکی، بچوں کا خون دودھ اور شہد کی نہریں بنکر میرے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ عمر سعد تیرا ایمان کہاں غارت ہو گیا۔ تیرے ضمیر کو کیا آگ لگ گئی تو اسلئے خوش نہ ہو کہ ہزار ہا سلح ادمیوں نے مٹھی بھر نہتے انسانوں کو ذبح کر دیا بلکہ اسلئے خوش ہو کہ اس ہادئ برحق کی امت میں جسکو تو پیغمبر آخر الزماں سمجھتا ہے ایسے ایسے کفش بردار موجود ہیں جو حق و باطل کے امتیاز میں موت کو زندگی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ظاہری آنکھیں جسکو بربادی خیال کرتی ہیں وہ اسکو کامیابی کی بنیاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے اسوقت تک جو کچھ کیا تاریخ اسکو دوہرائے گی اور انکے اعمال مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہونگے۔ میدان کربلا انکے اعمال پر مہر تصدیق ثبت کریگا۔ اور حسین بن علی کی شہادت بساط بنو فاطمہ پر ایسا چاند ہوگا جو مدۃ العمر چمکے اور دمکے گا۔ بنی بنو فاطمہ کو کامیابی کی قیمت زیادہ نہیں دی اور حصول مقصد میں آج جو کچھ مجھکو مل گیا وہ بہت کچھ ہے۔ یہ میری محترم ما سیدۃ النساء کے دودھ اور میرے بزرگ باپ شیر خدا کی پرورش اور میرے مقدس نانا سرور عالم کی تربیت کا طفیل ہے کہ کلیجہ کے ٹکڑوں کا خون عطر سمجھ کر آنکھوں سے لگایا اور ہزار شکر ہے اس قادر ذوالجلال کا جسنے مجھے ایسا ضمیر عطا فرمایا کہ میں یزید جیسے گمراہ کی بیعت سے محفوظ ہوں۔ اب جبکہ وقت آخر ہے میں تجھکو بتا دیتا ہوں کہ اس تمام دوران میں مجھکو اگر کھٹکا تھا تو صرف یہ کہ میرا ضمیر دغا نہ دے جائے۔ اور بچوں کی محبت غالب آ کر مجھکو یزید کی طرف مائل نہ کر دے۔ عمر سعد دیکھ یہ صرف ماں کے دودھ کا اثر تھا کہ جھوٹی توقعات اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہو گئیں اور میں سرخرو خدا کے حضور میں جا رہا ہوں۔

تجھکو معلوم ہے اسوقت تو اور تیری جمعیت کس کے مقابلے میں ہے۔ تجھ کو معلوم ہے میرے سر پر یہ عمامہ کسکا ہے۔ یہ تلوار کس کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور کس کے نعرے لگا رہی ہے تیرے سامنے حسین نہیں علی فاطمہ حسن اور وہ کامل انسان ہے جس کے نام کو دنیا بوسہ دے رہی ہے۔

عمرو سعد نے اس تقریر کا جواب اس طرح دیا۔

حسین! تمنے جو کچھ کہا وہ شاید صحیح ہو مگر یہ وقت وعظ و درس کا نہیں ہے تمکو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو سر پنے اپنک تن سے جدا کئے وہ شجر فاطمہ کی کونپلیں تھیں اصل شے آپکا سر ہے جس کے واسطے صبح سے کوشش کر رہا ہوں۔ حسین میرا دل بیچین ہے اور اسوقت کے واسطے تڑپ رہا ہوں جب تمہارا سر ابن زیاد کے پاس بھیجدوں اور مملکت عراق کا عامل مقرر ہو کر اپنی خدمات کا صلہ پاؤں۔ حسین! مجھے اس تلقین سے وحشت ہوتی ہے۔ ورنہ کرو ایسا نہ ہو کہ اسی حیث بحث میں شام ہو جائے اور ہماری محنت برباد ہو۔ مجھے صرف تمہارے سر کی ضرورت ہے۔ ابن زیاد مضطر ہوگا۔ خلیفہ یزید راہ دیکھ رہے ہونگے۔ میں اور میری جمعیت تمہاری اس فضول گفتگو کو اب سُننے کے واسطے تیار نہیں۔ میری فوج کا ہر بہادر حملہ کی اجازت کا طلبگار ہے اور یہ میرا احسان ہے کہ میں خاموش ہوں۔

عمرو سعد نے یہ کہکر ایک شخص کو حکم دیا کہ سب سے پہلے تو ہی حملہ کر اور ایک ہی وار میں حسین بن علی کا سر اُتار لے۔ یہ انس بن سنان تھا جو امام حسین کے سامنے آیا مگر ابھی قریب نہ آیا تھا کہ بھوکے پیاسے امام نے دور ہی سے ایک برچھی ایسی ماری کہ گھوڑے سے گرا اور زمین پر تڑپنے لگا اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اسکا حقیقی بھائی آگے بڑھا اور قریب پہنچا مگر ایک ہی وار نے اسکا سر تن سے جدا کر دیا اسطرح آٹھ آدمی ایک ایک کرکے میدان میں آئے اور امام کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اب

حسب عادت عمر و سعد نے اپنے لشکر کو للکارا اور کہا خاموش کیوں ہو سب ملکر حملہ کردو۔ اتنا سنتے ہی جفا کار چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے۔ عمر و سعد نے باآواز بلند کہا۔ ایک ہزار دینار اس شخص کے واسطے ہیں جو حسین کا سر تن سے جدا کردے۔ اب کیا تھا ہر طرف سے نیزے اور تلواریں تھیں۔ عمر و سعد سمجھتا تھا کہ علی کا شیر بھوک کا شکار ہو چکا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ شیر کے پنجہ میں خدا کے شیر کی طاقت ہے تلواریں پھوٹیں برچھے ٹوٹے اور حالت یہ ہوگئی کہ جو آگے بڑھا وہی گر کر ختم ہوا۔ میدان کربلا کے شعلے حسین بن علی کی تیغ کے شعلوں کو سجدہ کرنے لگے۔ کربلا کی آگ نے نار نمرود کو زندہ کیا اور سیدہ کا لال اس آگ میں اپنے نانا ابراہیم خلیل اللہ کی طرح پھول کی مانند تیر رہا تھا۔ ہاتھ میں تلوار چہرہ پر تبسم اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لشکر عمر و سعد میں ہنگامہ بپا ہوگیا۔ گردنیں کٹ کٹ کر اور لاشیں تڑپ تڑپ کر ڈھیر ہونے لگیں۔ جہاں قہقہوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں وہاں کہرام مچ گیا۔ کوئی بھائی کو رو رہا تھا اور کوئی بہنوئی کو۔ عمر و سعد نے جب حالت دگرگوں دیکھی اور حسین کی تیغ آبدار قہر خدا بن کر ہر سمت گری تو سب سے پچھلی صف میں جا کھڑا ہوا۔ انعام دوگنا تگنا کیا اور وعدے سینکڑوں ہزاروں۔ جبلہ نامی ایک شخص بگڑا اور کہا اس انعام کو تو خود کیوں حاصل نہیں کرتا۔ تیری شجاعت کہاں غارت ہوئی ہم کو کٹوا کر خود حکومت کرنی چاہتا ہے۔ آخر ہم کیوں موت کے منہ میں جائیں۔ حسین کا ہاتھ علی کا اور علی کا ہاتھ قدرت کا ہاتھ ہے۔ یہ میدان جنگ نہیں میدانِ قیامت ہے۔ جہاں ہر شخص کو جان کی پڑی ہوئی ہے حسین کی تلوار نے خون کے دریا بہا دیئے اور دو چار نہیں سینکڑوں جانیں اس کی تلوار کی نذر ہوگئیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس تلوار کی آگ کتنے گھر اور خاندان سیاہ کردیگی۔ عمر سعد غنیمت سمجھ کہ فوج اپنی جگہ پر قایم ہے اور قدم نہیں ہٹے۔ تو حسین کی طاقت سے واقف تھا ہمکو جان بوجھ کر

موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ آنکھیں کھول اور دیکھ تلوار نہیں چھلاوہ ہے بجلی ہے پر کالا ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں کدھر سے آتی ہے اور کدھر جاتی ہے عمر سعد یہ دیکھ کر گردنیں روتی ہوئی اور جسم پھڑکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں تلوار خون آلود نظر آ رہی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کب اٹھی کدھر گری اور کہاں نکلی۔ دل کانپ رہے ہیں، جسم تھرا رہے ہیں اور گردنیں سکڑ رہی ہیں۔ تلوار کی آواز رعد کی چمک ہے کہ گرج کی خبر ہے اور گرنے کا پتہ نہیں۔ اٹھتی دکھائی دیتی ہے گرتی معلوم ہوتی ہے لیکن جاتی دکھائی نہیں دیتی۔ ارے بدبخت شجاعت کا ایک سمندر ہے جو حسین کی تلوار سے اُبل رہا ہے صداقت کے بادل ہیں کہ اس کی تلوار سے جھوم جھوم کر برس رہے ہیں ہماری گردنیں اُڑ اُڑ کر اسکی تلوار کا اور ہمارے دل بلک بلک کر اسکا منہ چوم رہے ہیں۔ عمر سعد ضبط نہ کر سکا اور قہر آلود نگاہوں سے جبلہ کو دیکھ کر ایک ایسی تلوار ماری کہ سر الگ جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھا اور کہا "حسین کو میدان میں روک کر ایک دستہ خیموں میں جائے اور آگ لگا دے کہ حسین کی عورتیں باہر نکل آئیں اور میں حسین کے بدلے زینب کے خون سے اپنی تلوار رنگ لوں۔

امام حسین نے یہ سُنکر عمر سعد سے کہا کیا شجاعت اسی کا نام ہے اور اسی برتے پر یزید کی بیعت لینے آیا تھا۔ ابھی حسین بن علی زندہ ہے اور تیرے ایک دستہ کی کیا ان ہزاروں آدمیوں کی بھی مجال نہیں کہ ناموس رسالت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیں۔

یہ کہہ کر امام حسین آگے بڑھے ہر طرف سے وار ہو رہے تھے۔ اور تیروں پر تیر پڑ رہے تھے مگر امام کی تلوار ہر طرف قتل عام کر رہی تھی اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سامنے آسکے۔

عمر سعد نے ہر چند کوشش کی مگر ہر تدبیر بے سود رہی۔ دفعتاً برق رفتار گھوڑے نے فرات کا رخ کیا۔ اور چشم زدن میں مع سوار کے دریا کے اندر تھا۔ چاہتا تھا کہ پانی میں منہ ڈالے مگر آقا کی صورت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ حسین علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ پانی پئیں۔ چلو بھرا مگر بچوں کی پیاس نے ہاتھ منہ تک نہ جانے دیا اودہر عمر سعد نے شمر سے کہا مردہ نے زندوں کو مردہ کر دیا اب اگر مردہ زندہ ہو گیا تو مردے اور زندے پیچھے چلاتے میدان سے بھاگیں گے ایسا نہ ہو حسین کے حلق میں پانی کا قطرہ پہونچ جائے۔ امان نامی ایک شخص نے اسوقت ایک تیر مارا جو امام کے حلق میں گھسا اور تمام منہ لہولہان ہو گیا۔

درود اس نانا پر جو ہادی برحق تھا اس ماں پر جو سید النسا تھی اس باپ پر جو شیر خدا تھا اس بچہ پر جو اس تیر سے زخمی ہوا۔

خون کی کلیاں تھوکتے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ عمر سعد یہ سمجھ کر کہ زخم کاری ہے سامنے آیا اسکی صورت دیکھتے ہی امام نے فرمایا "سامنے سے غارت ہو جا" یہ سنتے ہی عمر سعد کے ہوش جاتے رہے پیچھے ہٹا اور شمر ذی الجوشن سے کہا اپنا تمام دستہ لیکر ٹوٹ پڑ چنانچہ سو پیادہ آدمی ساتھ لے کر شمر نے حلقہ ڈال لیا مگر اصل مقصد حاصل نہ ہوا اور امام نے ان پیادوں کا بھی صفایا شروع کر دیا اسوقت اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کوئی مکر کیا جائے، شمر نے بآواز بلند کہا۔

"بھائی کی آگ میں زینب باہر آگئی"

امام کا ادھر دیکھنا تھا کہ ذرعا بن شارق نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور یہ ایسا وار تھا کہ ہاتھ کٹ گیا۔

درود نانا پر اس کی بیٹی اور اس کے نواسے پر

امام نے قصد کیا کہ زرعا کو اس کے حملہ کا جواب دیں مگر خون کے فوارے نے اسقدر کمزور کر دیا کہ گر پڑے اور سنان بن انس نے گرے ہوئے زخمی سیدار کربلا کے دولھا کو ایسا نیزہ مارا کہ سینہ سے پار ہو گیا۔

آج جمعہ کا روز ہے اور دُنیائے اسلام کے ہر حصہ میں عیدالمومنین منائی گئی ہے۔ خطبے ختم ہوئے۔ نمازیں پڑھی جا چکیں۔ نعرۂ توحید اور صدائے تکبیر بلند ہو چکی۔ اسوقت سے چند لمحے پہلے عربستان کی مسجدوں میں جس پیغمبر آخرالزماں کا نام گونج رہا تھا اسکے نواسے اسکے بیٹے اسکے پیارے اسکے جگر گوشے حسین کے سینہ میں سنان ابن انس کا نیزہ وارپار ہے اور دوش رسول کا سوار کربلا کی جلتی بھلستی ریت میں چت گرا ہوا ہے۔ عمرو سعد اور اسکی فوج خوشی کے مارے اچھل رہی ہے اور حسین بن علی کے تڑپنے پر ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں۔ آخر سنان نے نیزہ باہر کھینچا اور اس کے ساتھ ہی جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے شمر اسوقت خنجر لیکر آگے بڑھا تو دیکھا چہرہ پر مسکراہٹ ہے، حیرت زدہ ہو کر خاموش ہو گیا تو خولی قریب پہنچا اور کہا دم دا بیں ہے اگر زندہ حسین کا سر کاٹوں گا تو یزید مالا مال کر دیگا۔ یہ کہہ کر اس سینہ پر سوار ہوا جسکو فاطمہ اور علی بوسے دیتے تھے جسکو رسول عربی نے آنکھوں سے لگایا تھا۔ امام عالی مقام نے خولی سے کچھ فرمانا چاہا مگر خولی نے مہلت نہ دی اور سیدہ کے لال کا سر تن سے جدا کر نیزہ پر بلند کر دیا۔

زینب اور شہربانو کی آنکھیں صبح سے روتے روتے اب تھک کر خاموش ہو گئی تھیں۔ آنسو خشک ہو چکے تھے اور دم کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ امام کا سر نیزہ پر دیکھ کر نند بھاوجیں چیخیں مار کر لپٹیں اور بیہوش ہو کر گریں۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو پھر جھانکنے آئیں کہ سر کو دیکھیں مگر اب عمر و سعد کے حکم سے اس جسم پر جس کی روح ثبات و استقلال کے رنگ دنیا کو دکھا گئی گھوڑے کود رہے تھے کہ ہڈی

پسلی چکنا چور ہو جائے۔ شہر بانو یہ کیفیت دیکھ کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں مگر بی بی زینب سے ضبط نہ ہو سکا اور با آواز بلند للکار کر کہا۔

عمر سعد اگر قتل کر لینے اور خانماں برباد کر دینے کے بعد بھی اعداوت کی آگ نہیں بجھی تو صرف اتنا کر کہ مردوں کو سامنے سے ہٹا دے کہ حسین کی لاش کو گود میں لیلوں اور تیرے گھوڑے مردہ بھائی کے ساتھ زندہ بہن کو بھی کچل دیں۔

عصر کی نماز ہو چکی تھی دھوپ کی شدت میں فرق آگیا تھا اور آفتاب نے اپنا چہرہ کرنوں کے ہاتھ سے پٹ پٹ کر سرخ کر لیا تھا کہ شمر اور عمر سعد اکڑتے دندناتے ہنستے قہقہے لگاتے خیمہ میں داخل ہوئے۔ وہ آواز جسنے زمین و آسمان کو تھرا دیا۔ وہ آواز جسنے خیمۂ امام میں آگ لگا دی، وہ آواز جسنے کربلا کو خاک سیاہ کر دیا دفعتاً فضاء شہادت میں گونجی اور ریگستان کربلا کے کانوں میں یہ صدا پہونچی

شمر! تیری آنکھیں پھوٹ جاتیں اس سے پہلے کہ تو زینب بنت علی پر نظر ڈالتا۔ زمین شق ہوتی اور میں سما جاتی اس سے پہلے کہ بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہوتی۔ آج میرے معصوم چہرہ کو تیری خونخوار نظروں سے بچانے والے شہید ہو چکے۔ جفاکار اپنی آنکھیں پھوڑ ڈال اور مجھکو نہ دیکھ! او سنگدل میں زینب بنت علی ہوں۔ اسوقت میرا باپ علی اور میرے بھائی حسن اور حسین زندہ نہیں ہیں او ملعون میرے دونوں بچے تیری فوج نے ذبح کر دئے۔ ملعون میرے سامنے سے ہٹ جا میں رسول زادی ہوں اور اس رسول کی نواسی جس نے حاتم طائی کی قیدی لڑکی کو اپنے ہاتھ سے ردا اوڑھائی تھی۔

پھوپی کی آواز سنکر خیمہ کا بیمار اٹھا اور چاہتا تھا کہ شمر کو تلوار مارے مگر غش چلا گیا اور گر پڑا۔ شمر نے فیصلہ کیا کہ فوراً زین العابدین کو قتل کر دو تاکہ حسین کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے اور اس طرح بنو فاطمہ کا کھٹکا مطلق

باقی نہ رہے مگر عمر و سعد نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ عابد بیمار کا قتل یزید کے حکم پر منحصر رکھا اور حکم دیا کہ دونوں عورتوں کے کپڑے اور زیور اتار کر رسیوں سے باندھ دو اور زین العابدین کو اسی رسی میں جکڑ کر تینوں قیدیوں کو ایک اونٹ پر بٹھا دو اور باقی کو دوسرے اونٹوں پر۔

خانماں برباد قافلہ

جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو سب سے آگے کے اونٹ پر علی کی بیٹی بہو اور عابد بیمار مشکیں بندھی ہوئی سوار تھے! یہ وہ دردناک منظر تھا جسکو انسانی آنکھیں آسانی سے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ بیمار کو غش پر غش آ رہا تھا اور پھوپی سنبھالتے تھے مگر اسکی زبان سے حسین کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ کربلا کے ریگستان کا ذرہ ذرہ اپنے مہمان کی مصیبت پر ڈھاڑیں مار رہا تھا۔ چاند روتا پیٹتا طلوع ہوا اور تارے چیختے چلاتے نمودار ہوتے! عمر و سعد شمر اور خولی شب ماہ کا لطف اٹھاتے ایک پڑاؤ پر ٹھیرے۔ پہرہ میں سختی کر دی گئی اور اس لئے کہ قیدی بھاگ نہ جائیں رسیاں کھینچ کر مضبوط کر دی گئیں۔

رات ایک ہی تھی آسمان و زمین بھی وہی تھے۔ چاند اور تاروں میں بھی کوئی فرق نہ تھا مگر عمر و سعد شمر اور خولی کی رات امیدوں سے ہری بھری اور توقعات سے لبریز تھی! زینب، شہر بانو اور عابد بیمار کی رات قیامت کی رات تھی! جو کسی طرح نہ کٹتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے صبح صادق نمودار ہوئی اور جنگل بیابان میں عابد کی صدائے توحید نے شجر و حجر کے کلیجے توڑ دئے! وہ تینوں پڑے ہنستے اور آوازے کستے رہے اور ان اسیروں نے بندھے بندھے نماز فجر ادا کی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی۔ اور قدرت نے دن کی روشنی کی ہلکی سی چادر جنگل میں بچھانی شروع کر دی تھی ہوا کے جھونکے ٹھنڈے تھے اور پرندوں کا نغمہ فضائے آسمانی میں تیر رہا تھا کہ زین

سے زینب بنت علی کی یہ دعا اس جنگل میں گونجی۔

خالق الموجودات! حسین کے بعد زینب کی پہلی رات ختم ہوئی رات کس طرح کٹی اور دل پر کیا گذری؛ اسکا حال تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین سانپ بنکر ڈستی رہی اور آسمان پہاڑ کی طرح ٹوٹتا رہا مگر تقدیر میں اب بھی موت نہ تھی۔ الالعالمین! تجھکو معلوم ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ تیرے حضور میں اس طرح حاضر ہوئی ہوں کہ ایمان ملامت کر رہا ہے لیکن تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔ مجھے پانی میسر نہیں کہ وضو کرتی۔ مٹی نصیب نہیں کہ تیمم کرتی۔ میری گردن اور ہاتھ بندھے ہوئے ہیں رکوع کے لائق ہوں نہ سجدے کے۔ اے عالم الغیب ہم تینوں کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر جس طرح بھی ادا ہو سکی پڑھی۔ اگر قبول فرمائے تو تو نکتہ نواز ہے" زینب کی اس دعا سے عمر سعد قریب آیا اور کہا اگر پھندہ سخت ہے تو مجھ سے کہدیتیں میں ڈھیلا کر دیتا۔ نماز کا یہ عذر غلط ہے۔ بی بی زینب نے آہستہ سے فرمایا جس سے عذر کر رہی ہوں وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم تینوں کے جسم تیری رسیوں سے نیلے پڑ چکے ہیں اسے عمر سعد شرم کا وقت ہے۔ بیٹے اپنے بچہ کا بخار اپنے ہاتھ کو اس کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ایمان و انصاف یزید اور دربار یزید سے رخصت ہو چکے کہ ابن زیاد جیسا روسیاہ اور تجھ جیسا سنگدل مخلوق خدا کے حاکم ہوئے ذرا اس کے جسم کو ہاتھ لگا یہ بخار میں جھلس رہا ہے اور روسیاہ یہودی بیمار بھیڑ کو قربانی تک کے واسطے جائز نہیں سمجھتے تو نے رسول اللہ کے مریض نواسے کو قیدی بنایا ہے۔ بنو فاطمہ دنیا سے رخصت ہو چکے انکی ایک نشانی عابد بیمار زندہ ہے جسکا تماشہ دکھانے تو ابن زیاد اور یزید کی قربانگاہ میں لے جا رہا ہے۔ عمر سعد شمر اور خولی ایمان کی آنکھوں میں اپنے اعمال کو پرکھو اور انتظار کرو اس روز کا جس کی خبر نانا جان کی زبان مبارک نے کلام الٰہی کے حوالے سے

وہی ہے اور جسکا نام یوم الحق ہے۔

امام زین العابدین نے پھوپی کو روکا اور کہا جو ہونا تھا وہ ہوگیا اس پر بحث فضول اور گفتگو بے کار ہے البتہ ہم عمرو سعد سے ایک کرم کے خواستگار ہیں کہ ہمارے باپ کا سر جو رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے پڑا رہا ہمکو دیدے ہم سے زیادہ بدبخت انسان دنیا میں کون ہوگا کہ رسیوں میں اس طرح گرفتار ہیں کہ انگلی بھر سرک نہیں سکتے۔ اگر یہ کہوں کہ رسیاں ڈھیلی کردو تو گنہ گار۔ اگر یہ خواہش کروں کہ مجھکو میرے باپ کے سر تک پہونچا دو تو خاطی۔ ہاں یہ خواہش ہے کہ حسین کا سر میری گود میں ڈال دو۔ میں اسے سینہ سے چمٹائے ابن زیاد اور یزید کے دربار میں ہنسی خوشی چلا جاؤنگا، خولی نے جواب دیا تو بیمار ہے اور شاید دمشق پہنچنے سے پہلے ہی موت آجائے۔ مگر سُن اور سمجھ کہ جس طرح تو اس سر کے واسطے بے چین ہے اس سے بہت زیادہ میں انعام کے واسطے مضطرب ہوں۔ تیرا باپ گمراہ تھا اسنے خلیفہ یزید کی بیعت سے انکار کرنیکے بعد ہمکو کافی اذیت پہنچائی۔ تو بھی غنیمت سمجھ کہ ہمنے تم لوگوں کے سامنے حسین کے سر کو نہ ٹھکرایا۔ اگر تو وعدہ کرے کہ اس سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں ماریگا تو یہ سر تجھکو مل سکتا ہے" بیمار کے پاس اسکا جواب ایک خاموشی تھی جو ان تینوں کے علاوہ تمام اہلبیت پر طاری ہوئی۔ مسلم بن عقیل کا خاندان اسکی تاب نہ لاسکا اور مسلم کی شہزادی نے کہا "چپ، زبان روک، ایسی گستاخی نہ کر کہ زمین تجھکو نگل لے۔ یہ سر جو تیرے سامنے پڑا ہے اب بھی دونوں جہاں کا مالک ہے"

حسینی قافلہ کوفہ میں

کوفہ جس کی مکاری امام حسین کی شہادت کا بڑا سبب ہوئی۔ کربلا کا المناک نتیجہ سُن چکا۔ آج اسکی سرزمین اپنے بسنے والوں پر اور بسنے والوں کے ایمان اپنی

دغابازی پر لعنت ملامت برسا رہے ہیں بچے اور بڈھے مرد اور عورتیں معلوم کر کے خاندان رسالت جو انکی طلبی پر آیا تھا کربلا میں پہونچکر تاراج ہو گیا اور خاندان برباد قافلہ مع سر کے ابن زیاد کے پاس جا رہا ہے۔ سرنگوں بیٹھے ہیں انکے اعمال انکے وصوکے ہر طرف سے انکے سامنے آتے ہیں انکی آنکھیں انکو وہ سماں یاد دلاتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے لمبے چوڑے وعدے کیئے اور بالآخر مسلم اور مسلم کے بچوں کی جان لی۔ انکا ایمان انکو بتاتا ہے کہ ابن زیاد کے خوف اور دنیا کی محبت نے انکی دنیا اور دین دونوں برباد کر دیئے۔ انہیں سے بعض تڑپ اُٹھتے ہیں اور آنکھوں سے خون کے دریا بہہ جاتے ہیں۔

عمر سعد نے کوفہ سے ادھر پڑاؤ کیا اور بہت سے کوفی جنگل میں منگل دیکھنے کی غرض سے موقعہ پر آئے آدھی رات کے سنسان وقت میں زینب بنت علی کے جو رسیوں سے بندھی ہوئی خدائے بہتر و برتر کے حضور میں تھی کان میں دفعتاً یہ آواز پہونچی۔

”بی بی میں حاضر ہو جاؤں ؟“

نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک بڑھیا عورت سر پر رواڈالے اور منہ چھپائے سامنے کھڑی ہے چاند نے بڑھیا کو صورت پہچاننے میں مدد دی۔ اجازت ملتے ہی قدموں میں گری اور ہاتھ جوڑ کر کہا ”غریب اور محتاج ہوں یہ تھوڑا سا ثرید اور پانی اس اُمید پر ساتھ لائی ہوں کہ قبول ہو گیا تو بیڑا پار ہے۔ بی بی میں غیر نہیں ہوں۔ مجھے مدینہ میں بی بی فاطمہ کی کفش برداری کی عزت حاصل ہوئی ہے فرمائے آپ انکی کون ہیں اور بتول کے لخت جگر سے آپکا کیا تعلق ہے۔ میں جس وقت کا ذکر کر رہی ہوں اس وقت میری مالک میری آقا بی بی فاطمہ کی گود میں ایک بچی تھی جسکا نام زینب تھا بتا رسول زادی خدا کے واسطے بتا تیرا نام کیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ صورت جو عرصہ سے اوجھل تھی آج پھر سامنے ہے اور میں اس وقت بنت الرسول کو اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔

بی بی زینب کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں انھوں نے بڑھیا کا سر اُٹھایا اور کہا۔ میں فاطمہ کی بیٹی نہیں لونڈی ہوں بی بی کی خدمت میں عمر گذری ہے اسلئے وہی عادت وخصلت پیدا ہوگئی تو محبت سے جو کچھ لائی ہے سیدانی کی کنیز اسکو سر آنکھوں پر رکھے گی تو نے اس جنگل اور پردیس میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی ہے ہماری دُعائیں تیرے ساتھ ہیں خدا تجھکو خوش رکھے۔

بڑھیا نے ہاتھ گلے میں ڈالدئے لپٹ گئی اور کہا زینب بیٹے تجھکو گود میں کھلایا ہے تو یقیناً بنت الرسول کے کلیجہ کا ٹکڑا زینب ہے۔ للّٰلہ میری آقا زادی مجھ سے پردہ نہ کر۔ یہ شکل وصورت میری بی بی کی ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں دوپہر سے بیٹھی اپنے مولا کے سر کو آنکھوں سے لگا رہی تھی۔ زینب میرے سر پر ہاتھ رکھدے اور آخر وقت خوشخبری سُنادے کہ میں خوش وخرم دُنیا سے رخصت ہوجاؤں اور معلوم ہوجائے کہ جان بنت زہرا کے قدموں میں نکلی۔

بڑھیا یہ کہہ کر الگ ہوئی اور امام حسین کا سر گود میں لیکر چیختی ہوئی بی بی زینب کے قدموں میں گری اور کہا بی بی مجھکو اجازت دے کہ اس سر پر اور ان قدموں پر قربان ہوجاؤں

بڑھیا کی حالت ردی ہوگئی تو بی بی زینب نے اسکا سر گود میں لیا اور کہا ہاں بنت الرسول کی لونڈی زینب میں ہی ہوں۔ اتنا سُنتے ہی بڑھیا پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اس نے ایک چیخ ماری اور ختم ہوگئی۔

خانماں برباد قافلہ جب کوفہ کے بازاروں میں اس طرح پہونچا کہ آگے آگے یزید کے قیدیوں کا اونٹ تھا انکے پیچھے مسلح محافظ انکے بعد باقی اہلبیت فوج کی حراست میں تو لوگ تماشہ دیکھنے باہر نکل آئے۔ شہر بانو اور بنت علی نے جنکے ہاتھ جکڑے ہوئے اور سر ننگے تھے اپنی گردنیں نیچی کرلی تھیں کہ غیر محرم انکو نہ دیکھ سکیں

عبید اللہ ابن زیاد کے دربار میں

عبید اللہ ابن زیاد کا دربار آراستہ ہو رہا ہے کامیابی کے خیال نے اسکا دل باغ باغ کر دیا ہے خوشنودی یزید کی توقعات انواع و اقسام کے لباس میں اس کے روبرو جلوہ گر ہیں۔ ایک مرصع تخت کے ارد گرد کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ قلعہ قسم قسم کے تکلفات سے سجایا گیا ہے مسلح سپاہی ہر چہار طرف کھڑے ہیں خبر گذار دور دور نکل گئے ہیں کہ قافلہ کے آنے کی خبر پہونچائیں ابن زیاد اور اس کے ہوا خواہ آزادی اور بے فکری سے قہقہے لگا رہے ہیں عصر کی نماز ختم ہو چکی تھی قافلہ کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا جسوقت سادات کے اونٹ قلعہ کے قریب پہونچے تو فاطمہ بنت زیاد منہ پر نقاب ڈالے باہر نکلی اور دور سے خاموش کھڑی یہ سماں دیکھتی رہی یہانتک کہ عمر و سعد اور شمر کے حکم سے رسّی سے بندھی ہوئی سیدانیاں اُتاری گئیں۔ عابد بیمار کی حالت گرمی کی شدت اور سفر کی تکان سے بگڑ رہی تھی۔ ظالموں نے عورتوں کے ساتھ بیمار کے ہاتھ بھی کمر کے پیچھے باندھ رکھے تھے اور قدم نہ اُٹھ سکتا تھا۔ اونٹ سے اُترتے وقت بیمار کو ضعف آیا اور بے حال ہو کر گرا۔ زینب اور شہر بانو سکینہ اور مسلم کی شہزادی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ انکے دل رو رہے تھے لیکن اتنی مجال نہ تھی کہ اف کر سکیں یا ایک قدم بڑھا سکیں۔ عابد کے گرنے سے سر زخمی ہوا اور خون نکلنے لگا تو زینب نے بیقرار ہو کر کہا اُرے سنگدلوں ظلم کی انتہا ہو چکی۔ فاطمہ بنت زیاد یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ قریب آئی اور کہا جس بھائی نے یہ ستم توڑے ہیں اسکی بہن ان قدموں کی خاک اکسیر سمجھتی ہے کاش ماں مجھکو نہ جنتی کہ میں خاندان نبوت کا یہ حشر ان پھوٹی آنکھوں سے دیکھتی عبید خدا اس پہ بجلی گراتے اس حکم سے پہلے زمین میں دھنس جاتا" فاطمہ کچھ اور کہتی مگر شمر اور خولی نے حکم دیا کہ قیدیوں کو قلعہ میں داخل کرو۔

اب وہ سماں ہے کہ ابن زیاد تخت پر جلوہ گر ہے اور سید الشہدا کا سر اسکے سامنے۔

خدام دستہ بستہ اور دوست دائیں بائیں کھڑے اور بیٹھے ہیں ظالمان کربلا تمام واقعات اپنے اپنے کارنامہ شجاعت کے گیت سنا رہے ہیں دفعتاً ابن زیاد نے آنکھ اُٹھا کر سامنے دیکھا اور کہا "یہ عورت کون ہے!"

عمر سعد نے جواب دیا "یہ حسینؑ کی بہن زینبؓ ہے!"

ابن زیاد کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی اور کہا۔

"زینبؓ ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے ایک حسینؑ کی نافرمانی سے تمام خاندان طہس نہس ہوگیا۔ یہ نافرمانی کا انجام ہے الحمد للہ حسینؑ کی کوششیں بیکار ہوئیں اور اس نے بغاوت کا انجام دیکھ لیا۔ تم نے دیکھا کس طرح خدا نے تمکو تمہارے اعمال کی سزا دی۔

بی بی زینبؓ نے مسکراتے ہوئے ہونٹوں کا سنجیدہ زبان سے اس طرح جواب دیا۔ حسینؑ نے جو کچھ کیا خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق۔ زندگی اسکے قدموں پر قربان ہو رہی تھی اور تیرا سپہ سالار عمر سعد اور ایک عمر سعد ہی نہیں ہوس ایمان ترغیب دے رہا تھا کہ حسینؑ کا ہاتھ تجھ جیسے جفا شعار کے ہاتھ میں پہنچ جاتے مگر حسینؑ نے اسلئے کہ اسکی بیعت اسلام پر ایک ایسا دھبہ ہوتی جو نہ فاطمہ کے مٹائے نہ مٹتی۔ حق پر نہ صرف اپنی بلکہ اپنے عزیزوں تک کی جانیں نثار کر دیں اور ہر اذیت کو ہنس ہنس کر گوارا کر لیا مگر تو نے اور تیرے ہمنوا روسیاہوں نے بنو امیہ کے دامن پر ایسا داغ لگا دیا جسکو مسلمانوں کے آنسو قیامت تک نہیں دھو سکتے۔ کیا کوئی مسلمان آنکھ یہ تماشہ دیکھ سکے گی کہ تیری حقیقی بہن فاطمہ بنت زیاد جسکا نام فاطمہ محض بی بی فاطمہ کے تقدس پر رکھا گیا پردے اور برقع میں کھڑی ہو اور بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی زینبؓ جس کے سر پر اس لئے کہ طہارت کلام الٰہی میں کھل گیا تھا سرور عالمؐ نے اپنے دست مبارک سے ردا اوڑھائی تیرے سامنے ننگے سر قیدی بنی کھڑی ہو

میرے نانا نے بنت اشعب کو غزدہ تبوک میں چادر اوڑھائی اور تونے اپنے دربار میں رسول زادیوں کو بے نقاب کیا۔ تیری ماں بہنیں حجاب کے احکام کی تعمیل کریں اور جس پر حکم نازل ہوا اسکی بہو بیٹیاں بے نقاب کی جائیں۔ حسین نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا اور تم لوگوں کو بتا دیا کہ سچا مسلمان ایمان کے معاملہ میں جان اور خاندان کی پرواہ نہیں کرتا۔

ابن زیاد نے اسکا جواب صرف اتنا دیا یہ تمہارے بھائی کا سر ہے جو خدا کے حکم سے قتل ہوا اور اپنے کئے کی سزا بھگتی۔ عابد بیمار نے جواب میں کلام الٰہی کی آیت پڑھی جسکا مطلب یہ تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے مفر نہیں۔ میری پھوپی نے جو کچھ کہا اسکا جواب دے اور دیکھ ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کئے اور تم مسلمانوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ ابن زیاد موت تیری زندگی پر ہنس رہی ہے اور اختیار تیری بے اختیاری یاد کرکے رو رہا ہے۔ تو نہ دیکھ مگر ہم دیکھ رہے ہیں تیری حکومت اپنی اس مجبوری اور بے کسی پر جو آنے والی ہے رو رو کر احکم الحاکمین کی ابدی و ازلی طاقت کے گیت گا رہی ہے۔ میرے نانا نے تمکو کیا اسی لئے مسلمان کیا تھا کہ تم ان ہی کے پیاروں کو ذبح کرو اور کیا تم نے اسی لئے کلمہ توحید پڑھا تھا کہ گلشن توحید کے بسے ہوئے لکھڑوں کو اس طرح رسیوں سے کسو کہ جسم نیلا ہو جائے اور قدم نہ اٹھا سکیں۔

اسکا جواب ابن زیاد نے کچھ نہ دیا اور ایک چھڑی سے سید الشہدا کے سر کو چھیڑنے لگا۔ اس پر یزید بن ارقم صحابی رسول اللہ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے فرمایا۔

"دیکھا کرتا ہے چھڑی ہٹا لے اور ادب سے کام لے میں نے ان رخساروں پر رسول اللہ کو بوسے دیتے دیکھا ہے"

ابن زیاد یہ سنکر آپے سے باہر ہو گیا اور کہا "تمہاری اس گستاخی کی سزا قتل ہے"

زید کھڑے ہوئے اور کہا "جو کچھ کر چکا اعمالنامے کی بربادی کو وہی کافی ہے اور کچھ باقی ہے تو وہ بھی کرلے۔ جو آنکھیں حسین کے سر سے خوش ہو سکتی ہیں وہ جو کچھ نہ دیکھیں تھوڑا ہے۔ یہ تماشہ بھی دیکھ لے۔

ابن زیاد مصلحتاً خاموش ہو گیا اور کہا "اگر صحابہ رسول اللہ نہ ہوتے تو یقیناً قتل کر دیتا۔"

زید نے جواب دیا "جس کے صحابہ ہونے کا یہ اعزاز اسی کے جگر گوشہ کی یہ تذلیل!

لاحول لاقوۃ الاباللہ۔ زید کے یہ الفاظ یاد رکھ کہ میدان حشر میں تیری ماں بہنوں اور بہو بیٹیوں کی اس سے زیادہ تذلیل اور تضحیک تیری آنکھوں کو دیکھتی ہیں۔ تیری بہن فاطمہ بنت زیاد اسوقت برقع میں ہے مگر اب اس ساعت کا انتظار کر جب اس خانماں برباد قافلہ سے جو جنت کا مالک ہے قدموں پر فرشتے آنکھیں ملیں گے حوروں کا دامن انکا حجاب ہوگا اور تیری ناموس کی بربادی شروع ہوگی۔ حوادث کربلا ختم ہوئے سیدانیوں کے مصائب ختم ہو رہے ہیں مگر تیری تباہی کا ابھی آغاز ہی نہیں ہوا حسین کی شہادت دیکھ چکا۔ دنیا کی بہار ہو چکی اب اپنی موت کا تماشہ اور غضب الٰہی کا تماشہ دیکھ۔

ابن زیاد نے پھر وہی الفاظ دوہرائے کہ "صحابیت کا احترام ہے" اور حکم دیا کہ قیدیوں کی رسیاں اور کس دی جائیں اسکے بعد قافلہ مع سر کے دمشق روانہ ہوا۔

دربار یزید

دمشق میں فتح کی خبر پہلے ہی پہونچ گئی تھی اور قصر یزیدی میں ہر طرف خوشیاں منائی جا رہی تھیں مگر اس کے ساتھ ہی یزید کو اندیشہ تھا کہ گو میں نے فتنہ ختم کر دیا مگر اس کے بعد جو مصیبت نازل ہوگی اسکا انسداد میرے اختیار سے باہر ہے۔ مسلمان مجھ سے برگشتہ ہو گئے اور اپنے دلوں میں ضرور کہتے ہونگے کہ جب میں نے رسول کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میرے اسلام پر لعنت ہے وہ مجھ پر اعتماد نہ کرینگے اور بہت ممکن ہے کہ اسکا بدلہ مجھ سے لیں چنانچہ اسنے کربلا کا حال سنکر علی الاعلان

بھرے دربار میں یہ الفاظ کہے۔

خدا اس لونڈی بچے عبید کو تباہ کرے جسنے امام حسین کو قتل کیا

عمر و سعد، شمر اور خولی ہشاش بشاش اور باغ باغ دنوں کی منزلیں گھنٹوں میں طے کرتے دمشق چلے جا رہے تھے انکے اختیار میں نہ تھا کہ کس طرح اُڑ کر یزید کے پاس پہونچ جائیں۔ بہادری کی دادیں اور فتح کے مفصل حالات سُنا کر انعام و اکرام سے مالا مال ہوں۔ اور منہ مانگی مرادیں پائیں۔ یزیدیوں کے ہاں جشن ہو رہے تھے دن عید اور رات شبرات تھی۔ رات بھر چراغاں اور دن بھر رنگ رلیاں۔ قافلہ سادات مارا مارا چلا جا رہا تھا۔ عورتیں اور بچے جن کا وارث سوائے ایک بیمار کے کوئی نہ تھا تھک کر چور ہو گئے مگر ظالموں کو اپنی خوشیوں میں انپر رحم نہ آیا جس وقت یہ قافلہ موصل کے قریب پہونچا تو وہاں کے باشندوں نے والی موصل کے اشارہ سے دروازے بند کر لئے عمر و سعد اور شمر متحیر ہو گئے کہ بجائے اسکے کہ ہماری خوشیوں میں شریک ہوتے، خاطر مدارات کرتے استقبال میں مصروف ہوتے ہیں متنفر ہو گئے۔ کیا یہ لوگ بھی یزید کی حکومت سے باغی ہو گئے ہیں۔ انھوں نے حیرت و تعجب سے موصلیوں کے سامنے جو انپر لعن طعن کر رہے تھے۔ یہ باتیں کہیں مگر وہ مطلق نہ ڈرے اور کہا جب یزید نے خاندان رسالت کے ساتھ یہ کیا اور تم جیسے ناہنجار مسلمانوں نے اسکا ساتھ دیا تو ہمکو اس سے اور تمسے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور جو کچھ تمہارے دل میں آئے یزید سے کہدو۔ موصل کی اس ایمانداری کا اثر یہ ہوا کہ آگے بڑھ کر حلب۔ عسلان۔ رہے۔ کسی جگہ بھی عمر و سعد نے قیام نہ کیا۔ جب رات ہو جاتی تو اتر پڑتا اور صبح ہوتے ہی آگے روانہ ہو جاتا۔

آخر وہ وقت بھی آگیا کہ شہدا کے سر اور سادات کا قافلہ دمشق پہونچا صبح

ہی سے یزید کا دربار سجایا جا رہا تھا اور لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے تھے۔ مرصع تخت کے ہر چار طرف ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔ چپہ چپہ پر مسلح سپاہی کھڑے تھے اور فتح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ عمر سعد نے موصل کی کیفیت قاصد کی زبانی یزید سے کہلا دی تھی۔ وہ پہلے ہی خائف تھا اور سمجھتا تھا کہ دربار کے اس مجمع میں گو زبانیں جانوں کے خوف سے اظہار مسرت کر رہی ہیں مگر دل حسین کے قتل اور میرے ظلم پر رو رہے ہیں اس نے اپنے الفاظ پھر دوہرائے اور اسوقت بھی کہا

"میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو ہوا حسین کے سر کو سونے کے طشت میں رکھ کر میرے سامنے لاؤ"

وہ ساعت قیامت سے کم نہ تھی جب شہدا کے سر یزید کے سامنے پیش ہو رہے تھے۔ رسی سے بندھی ہوئی سیدانیاں، معصوم بچے، اور بیمار عابد اسکے سامنے کھڑے تھے۔ شمر نے یہ دیکھ کر یزید مسلمانوں کے خوف سے پریشان ہے بشیر بن مالک سے کہا آپ امام حسین کے سر کو پیش کیجے اور کہئے کہ میں نے قتل کیا ہے۔ "بشیر بن مالک اس دھوکہ میں آگئے۔ لالچ نے انکو اندھا کر دیا اور سر سامنے رکھ کر فخر سے کہا "اسکا جھگڑا مٹانے والا میں ہوں"!

یزید نے عابد بیمار یعنی امام زین العابدین سے کہا "تیرے باپ کی خواہش تھی کہ میری حکومت کا خاتمہ کر دے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ دیکھ لے میں زندہ ہوں اور اسکا سر میرے سامنے ہے"! بیمار نے کوئی جواب نہ دیا مگر بی بی زینب نے کہا۔ تجھکو تو چند روز بعد ہی موت آجائے گی مگر شیطان آج تک زندہ ہے۔ یہ ہماری آزمائش کی گھڑیاں تھیں جو ختم ہو چکیں جب خدا کا تو نام لے رہا ہے اور اسکو با اختیار سمجھتا ہے کیا اس کے رسول کی اولاد کے ساتھ اس ظلم و ستم کے بعد بھی تو اپنا منہ اسکو دکھائے گا!

یزید بولا " میں میدان جنگ میں موجود نہ تھا۔ اس ظلم و ستم کی ذمہ داری ابن زیاد اور عمرو سعد پر ہے۔"

بی بی زینبؑ نے جواب دیا " تو کربلا میں موجود نہ تھا مگر دمشق میں اس رسول کی بچیاں جسکا تو کلمہ پڑھتا ہے رسیوں سے جکڑی بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہیں کیا یہ کچھ کم ظلم ہے ؟ تو نے جسکو اپنا دشمن سمجھا تجھ سے بہت بہتر تھا اور میرا باپ اور بھائی تجھ سے اور تیرے باپ سے بدرجہا افضل تھے۔

یہ سنتے ہی یزید تخت سے کھڑا ہو گیا اور کہا " لاریب تیرا دادا میرے دادا سے اور تیری ماں میری ماں سے افضل ہیں مگر یہ فیصلہ خدا کریگا کہ میرے اور تیرے باپ میں افضل کون ہے "

بی بی زینبؑ نے کہا " خدا کے فیصلہ سے پہلے اسکا فیصلہ مسلمانوں نے کر دیا اور کر دینگے۔ تو نے دیکھ لیا اور دیکھ لیں گے کہ کون افضل ہے۔"

اب یزید خاموش ہو گیا اور حکم دیا کہ رسیاں کھولدو اور سیدانیوں کو گھر میں بھیجدو۔ اسوقت بی بی زینبؑ نے باآواز بلند کہا " تو اپنی حکومت میں رسول زادیوں کا تماشہ مردوں کو دکھا چکا اب اپنی عورتوں کو ہمارا تماشہ نہ دکھا۔ ہمارے گھر چھن چکے، ہمارے زیور لٹ چکے جسم پر جو کپڑے موجود ہیں یہ پھٹ گئے، مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا کہ ہمارے بدن پر پانی نہ پڑا۔ ہم تیمم سے نمازیں پڑھ رہے ہیں ہمارے سر چکٹ گئے اور ہماری صورتیں بگڑ گئیں جن آنکھوں سے تو حسینؑ کا سر دیکھ رہا ہے ان ہی آنکھوں سے عابد کے بازو اور گلا دیکھ کہ تیری رسیوں سے ہمارے جسم نیلے ہیں۔ اگر تیری آگ کے شعلے اب ٹھنڈے ہو گئے تو ہمکو زیادہ رسوا نہ کر اور ہمیں بھی قتل کر دے کہ اب ہمکو زندگی کی ضرورت نہیں۔"

بی بی زینبؑ کے اس ارشاد پر یزید نے انکے قیام کا علیحدہ انتظام کر دیا اور امام حسینؑ

کے سر پر آہستہ آہستہ چھڑی مارنے لگا۔ جس وقت اس نے یہ لفظ کہے۔

"یہ ہے وہ منہ جسے میری بیعت سے انکار تھا"

تو ابو برزہ اسلمی نے کہا "ارے ظالم یہ کیا کرتا ہے۔ جہاں تیری چھڑی ہے وہاں رسول اللہ بوسے دیتے تھے"
یزید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلمی صحابی رسول اللہ ہیں۔ خاموش ہو گیا اور حکم دیا کہ
قاتلان حسینؑ کے انعام کا فیصلہ جلد کرونگا۔ اور

بی بی زینبؑ کی خواہش پر امام حسینؑ کا سر انکے سپرد کر دیا گیا

گو معاملہ ختم ہو چکا تھا مگر یزید دیکھ رہا تھا کہ مسلمان صرف تلوار کے زور سے خاموش ہیں واقعہ کربلا نے گو میری ہیبت طاری کر دی لیکن حسینؑ نے شہید ہو کر انکے دل فتح کر لئے اور شہادت حسین نے بنو فاطمہ کا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے جو اب زائل نہیں ہو سکتا۔ رات کے وقت وہ شراب کے نشہ میں مست ہو کر سونے کی کوشش کرتا مگر اسکے دل پر کچھ ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل جاتی۔ ٹہلتا اور سوچتا کہ کس طرح یہ دھبہ دور کروں۔
ایک رات کا ذکر ہے نصف شب گذر چکی تھی اور مخلوق خدا نیند کی لپیٹ میں بیخبر تھی۔ تارے بساط فلک پر اٹھکیلیاں کر رہے تھے اور ہوا خاموشی کے ساتھ نظام عالم کی تکمیل میں منہمک تھی دفعتا قیام گاہ سادات سے کسی عورت کا نالہ بلند ہوا ایسا سقدر درد انگیز تھا کہ یزید ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ جا کر دیکھا تو زینبؑ بنت علی بھائی کا سر گود میں لئے بلبلا رہی ہے اسکی فریاد نے کہرام مچا رکھا ہے۔ زمین و آسمان اسکے ہمنوا ہیں اور دمشق کا ذرہ ذرہ رات کی تاریکی اور ہوا کے فراٹے میں شہادت حسینؑ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے۔ آگے بڑھا اور کہا۔
"زینبؑ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تیرا نالہ مسلمانوں کا کلیجہ توڑ دیگا اور میری تلوار انکے سر اڑا دیگی مسلمانوں کے اس قتل و خون کی ذمہ وار تو اور تیرے بھائی کا سر ہے گا زینبؑ حسینؑ کا سر دیدے کہ تیرا سوگ کم ہو اور صبر آجائے۔
طیش سے ایک خفیف سی مسکراہٹ بی بی زینبؑ کے منہ پر آئی انہوں نے یزید کے سامنے

بھائی کے سر کو بوسہ دیا اور کہا یہ تو کہتا ہے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا مگر تجھے یہ معلوم نہیں کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا جو کچھ ہونا ہے وہ اب ہوگا اور اسکا وقت اب آرہا ہے۔ جسکو تو ہو چکا سمجھتا ہے وہ ایک تمہید تھی اسکی جو ہونیوالا ہے اور ایک جھلک تھی اسکی جو ہوگا۔ حوادث کربلا مردہ قوم کو زندہ کرینگے۔ سوتوں کو جگائیں گے جب انسانی دنیا میں طاقت کی حکومت ہوگی ظالم مظلوم کو تاراج کریگا اور طاقتور کمزور کو فنا کرنے پر آمادہ ہوگا اور خون کے پرنالے بہینگے اور انسانی زندگی چیونٹی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی ہوگی۔ جب کمزور کی زبان طاقتور کے سامنے التجا کرتے کرتے گھس جائیگی۔ جب شہ زور ہاتھ نحیف خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دینگے اور جسوقت نفسانیت کا دور دورہ اور لاچار کی بربادی ہوگی اسوقت تاریخ کربلا کا ذریں اصول دہرائیگی اور جن لوگوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بھی حسین کے نقش قدم پر سر جھکا دینگے۔ اور اسکے اعمال کو سر آنکھوں پر رکھکر واقعات کربلا کو زندہ کرینگے اسوقت اسلام کا ڈنکا دنیا میں بجیگا اور میرے نانا کی مقدس روح جو طیبہ میں آرام فرما رہی ہے میرے اس بھائی کو جسکا سر گود میں ہے دعا دیگی۔

یزید ابھی کچھ نہیں ہوا تو نے اپنے احکام کی تعمیل دیکھ لی مگر اس تعمیل کا انجام ابھی دیکھنا باقی ہے۔ تو دیکھیگا اور ہم دکھا دینگے کہ خدا کا قہر تجھکو اور تیرے ساتھ رو بہان کربلا کو کس طرح کتے کی موت مارتا ہے یہ سلطنت اور حکومت جسکے واسطے تو نے خاندان رسالت کو تہ تیغ کیا اور ناموس اسلام کی بے حرمتی کی خود تیری اولاد کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگی اور تیری زندگی میں تیرے ہی بچے تیرے منہ پر اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے تیری قبر پر اسوقت تک تھوکیں گے جب تک دنیا آباد ہے۔ یزید اب ہمارے بھائی کا سر ہمارے پاس رہنے دے اور ہم کو رخصت کر کہ اپنے جد امجد کے مزار پر حاضر ہو کر دل کی آگ بجھا سکیں۔

یزید خاموش ہوا اور اسیوقت حکم دیا کہ نعمان بن بشیر امام حسین کے سر اور قافلہ کیساتھ مع تیس سواروں کے روانہ ہوں اور مدینہ پہونچا آئیں

دمشق سے مدینہ

نعمان بن بشیر بظاہر یزید کے ملازم تھے مگر دل سے اہلبیت کے مداح اور انہوں نے اپنے ساتھ وہ

تمام اودیہ اور خوشبوئیں جو اب تک امام حسین کے سر پر لگائی جا رہی تھیں کثرت سے ساتھ لیں۔ نماز فجر کے بعد یہ قافلہ دمشق سے روانہ ہوا۔ یزید بھی اس وقت کھڑا تھا۔ اتفاق سے ایک قصائی نے اپنے بھیڑوں کو پانی پلا کر ذبح کیا۔ امام زین العابدین نے یزید سے کہا "میرا باپ تیری نگاہ میں ان بھیڑوں کے برابر بھی نہ تھا کہ تو حسین اور اسکے بچوں کو پانی پلا کر ذبح کرتا۔ اس قصائی کو دیکھ ذبح سے پہلے بھیڑوں کو پانی سے سیراب کیا" یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور بی بی زینب سے جنکی گود میں بھائی کا سر تھا کہا "اونٹ پر سوار ہو جاؤ" بی بی زینب نے فرمایا۔ ہم جانتے ہیں تقدیر کو یہی منظور تھا کہ ہم برہنہ سر اور رسن بستہ تیرے سامنے کھڑے ہوں۔ مشیت اپنا کام کر چکی اور مقدر کی تکمیل ہو گئی حسین اور اسکے بچے شہید ہو چکے اب تو اپنی موت کا انتظار کر اور یہ دیکھ کر خدا کا فیصلہ کیا ہوتا ہے میں تجھکو چلتے وقت ایک چیز دکھاتی ہوں ادھر آ اور دیکھ یہ سر حسین بن علی کا ہے یہ سر خاتون جنت کے لال کا ہے تو کچھ اور دیکھ رہا ہے یہ دیکھ یہ زبان حلق سے باہر نکلی ہوئی ہے یزید تو نے پیاسے حسین کو اس جگہ ذبح کیا جہاں جانور تک پانی سے پیٹ بھر رہے ہیں تو اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر میں بتاتی ہوں کہ ہمارے پہونچنے پر مدینہ میں قیامت بپا ہو گی تو اس سر کے قریب آ اور دیکھ یہ کھلی ہوئی آنکھیں بیمار صغرا کا انتظار کر رہی ہیں تو ان آنکھوں کو دیکھ جو بعد شہادت بھی اسکے واسطے کھلی ہوئی ہیں یہ تیری حکومت کے تماشے میں آج شہوں کا منتظر رہ جو خدائی طاقت دکھائیگی۔

قافلہ روانہ ہوا اور تھوڑی دور آگے چلکر نعمان نے بہ منت امام زین العابدین سے عرض کیا میں حکم کا غلام ہوں جہاں جی چاہے تشریف لے چلئے میری تکلیف کا خیال نہ کیجے۔ جہاں حکم دیجئے گا پڑاؤ کرونگا۔ اور جب فرمائیگا کوچ۔ امام زین العابدین نے نعمان کا شکریہ ادا کیا اور سیدھے کربلا پہنچے۔ شہدا کی ہڈیاں جو رہ گئی تھیں وہ دفن کیں۔ سید الشہدا کے سر میں اختلاف ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ صغرا بنت حسین کو پہلے سے خبر پہنچ چکی تھی اور بیمار روتی پیٹتی سڑک پر آبیٹھی تھی۔ ظہر کی نماز ہونے والی تھی کہ قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا مسلمانوں نے

زار و قطار آنسوؤں سے اپنے مہمانوں کا استقبال کیا عابد اور صغرا گلے لپٹ کر بیہوش ہو گئے
نماز ظہر کے بعد جب زینب لٹے ہوئے قافلہ کو لیکر روضہ اقدس پر حاضر ہوئیں تو کہرام
مچا ہوا تھا دیر تک یہ سب یہاں حاضر رہے اور اس کے بعد گھر واپس آئے۔

تبصرہ

شہادت کی یہ مفصل تاریخ پڑھکر اور بنو امیہ و بنو فاطمہ کے تعلقات معلوم ہو جانیکے بعد ہر شخص معاملہ کو سمجھ سکتا ہے اسمیں کلام نہیں بنو امیہ میں عمر بن العزیز جیسے شخص بھی پیدا ہوئے مگر عام طور پر بنو امیہ کے قریب قریب تمام بادشاہ جب تک زندہ رہے بنو فاطمہ کی آگ میں جلتے رہے اور رزمگاہ کربلا میں جو کچھ ہوا یہ بھی اسی آگ کی چنگاریاں تھیں۔

اہل تسنن کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو وقعت نہیں دیتا اور امام حسین کو اسکا ذمہ دار قرار دیتا ہے یقیناً غلطی پر ہے میں سمجھتا ہوں کٹر سے کٹر اور جابر سے جابر مسلمان خواہ وہ یزید کی اُمت ہو یا شیطان کی اسکا جواب نہیں دیسکتا کہ امیر معاویہ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ اصول جمہوریت کو ٹھکرا کر اپنے بیٹے یزید کو منصب خلافت کے واسطے تجویز کیا مسلمان امیر معاویہ کے اس فعل سے انکے متعلق آسانی سے رائے قایم کرسکتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سُنی، میں اس رائے میں بھی مسلمانوں کا ہمنوا نہیں ہوں کہ امام حسین مظلوم تھے۔ میری رائے میں امام کو مظلوم کہنا انکی شان کو بٹہ لگانا ہے۔ بیعت یزید نے آخر لمحہ تک حسین علیہ السلام کے قدم چومے ہیں انکو ظلم سے بچنے کا ہر وقت موقعہ میسر تھا مگر انکو اسلام کا وہ جوہر دکھانا تھا جسکی چمک آج کی دنیا کو خیرہ کر رہی ہے مسلم اور غیر مسلم ہندوستان اور یورپ غرض دنیا بھر یہی نام جپ کر اور وہی کام کرکے کامیاب ہو رہی ہے۔ وقت نے سرور دو عالم کو اس فضیلت کے اظہار کا موقعہ دیا اسلیئے یہ بنیاد حسین بن علی نے کربلا کے میدان میں رکھکر ایک ایسا نمونہ پیش کر دیا جسکو دنیا ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھے گی۔

مسلمانوں کے ایک فریق کو چھوڑ کر جنکی زبان مبارک یہ فرماتی ہے کہ "حسین کربلا میں خود چڑھ کر گئے" باقی مسلمانوں میں شیعہ سنی کا اختلاف اس سلسلہ کی سب سے اہم اور افسوسناک حقیقت ہے۔ مجھے اس مسئلہ میں سنی حضرات کی کمزوری اور ہٹ دھرمی جس جگہ نظر آئی میں نے اسکو نمایاں کر دیا لیکن خلیفہ اول و دوم کی شخصیت کو مجروح کرنے میں اہل تشیع کو میں برسر حق نہیں سمجھتا اور میری رائے میں خلیفہ دوم کا بی بی شہر بانو کو سید الشہدا کے واسطے اس نازک وقت میں منتخب کرنا انکے خلوص کا کافی ثبوت ہے۔ اب رہی حضرت عثمان کی خلافت کچھ شک نہیں بنو امیہ کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا سب سے زیادہ موقعہ اسی خلافت میں میسر ہوا اور بادی النظر میں خلافت عثمانی ایک اعتبار سے اس افراتفری کی ذمہ دار قرار دی جا سکتی ہے لیکن خلیفہ ثالث کی طبیعت عادات کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد واقعات انکی بیگناہی اور نیک نیتی ثابت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جنگ جمل کی تمام ذمہ داری بجائے ام المومنین کے ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں پر ہے جو پہلے سے تاک میں تھے اور جنکی کارگزاریوں نے یہ قیامت بپا کی۔ ان سنیوں کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ امام حسین کیوں گئے ضرور قابل بحث ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ عقل سلیم کو یہ معلوم ہو کر سکون ہو جاتا ہے کہ جو اپنے باپ دادا ہی کا نہیں وہ خدا اور اس کے رسول کا کیا ہوگا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ یہ لوگ اس دولت سے جو انسانیت کی ایک نعمت ہے محروم ہیں اور چونکہ انکی انسانیت ناقص ہے اسلئے انسے شکایت فضول۔

قاتلان حسین کا انجام

امام حسین اور انکے ہمراہیوں کا بیگناہ خون میدان کربلا میں گر چکا مگر اسکی چھینٹیں ابھی دنیا کے دامن پر موجود ہیں قصر یزیدی میں فتح و نصرت کے شادیانے بج چکے لیکن ان نقاروں سے ابھی ماتم کی صدا بلند ہونی باقی ہے۔ ابن زیاد شہید اکبر کے سر کو دیکھ کر باغ باغ ہو چکا مگر ان آنکھوں کو اسی باغ میں ابھی خزاں کا دور بھی دیکھنا ہے۔ عمر و سعد اپنے لشکر جرار سے مٹھی بھر بے بس مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے دل کے حوصلے پورے کر چکا مگر ابھی اسکو وہ تلوار دیکھنی باقی ہے جو اسکے سر پر چمکیگی شمر اور خولی اپنے کارناموں کی داد ابن زیاد سے لے چکے مگر ابھی قدرت سے اسکا صلہ ملنا باقی ہے۔

حرملہ بن کاہل معصوم اصغر کا کلیجہ اپنے تیر سے چھلنی کرکے سکھ کی نیند سو گیا مگر ابھی وقم لکھ کی منیا آگئی باقی ہے۔

موت امیر اور غریب بادشاہ اور فقیر سب کو آئی اور آئیگی۔ اس سے دوزخی بچانہ جنتی۔ نیک پیچ سکا نہ بد۔ اسنے ولی کو چھوڑا نہ پیغمبر کو ظالم کو نہ مظلوم کو قاتلان حسین کی موت کو منزلئے ظلم قرار دینا بڑھیا عورتوں کے کوسنے ہونگے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ موت کس صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ خدا اپنا غضب کس طرح ڈہاتا ہے اور بے گناہوں کا وارث جب کمزوروں کی حمایت کو اُٹھتا ہے تو قدرت خدائی طاقت کو بھولے ہوئے شہ زوروں کی کیا گت بناتی ہے۔

یزید کا آخر وقت اس کسوٹی پر سب سے پہلے یزید کو دیکھنا ہے اسکی ۳۹ برس کی عمر میں مرتا اتفاقیہ ہی اور قولنج بھی معمولی ہی مگر بنت علی کے وہ الفاظ جنکو سنکر یزید اور اسکا دربار سناٹے میں رہ گئے یہ کہ حسین کے خون سے جس سلطنت کو پانی دیا اسپر تیری اولاد بھی نہ ٹھہریگی دنیا کو یاد ہونگے جب حمص میں اسکو موت کا یقین ہو گیا تو اپنے لڑکے معاویہ کو بستر مرگ پہ بلایا اور امور سلطنت میں وصیتیں شروع کیں ابھی یزید نے آغاز ہی کیا تھا کہ معاویہ نے ایک چیخ ماری اور کہا خدا اس سلطنت سے مجھے محفوظ رکھے جسکی بنیادیں سبط الرسول کے خون پر رکھی گئیں۔ یزید بیٹے کے یہ الفاظ سنکر بہت تڑپا مگر معاویہ لعنت بھیجکر چلا گیا۔ لوگوں نے ہر چند سمجھایا کہ تیرا انکار بنو امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہے مگر اسکی سمجھ میں نہ آیا۔ یزید ہاتھ پاؤں مارتا اور سر ٹیکتا تین شبانہ روز درد قولنج میں اسطرح کہ اگر ایک قطرہ پانی کا بھی حلق میں جاتا تو تیر بنکر پیٹ میں اُترتا۔ بھوکا پیاسا تڑپ تڑپ کر دنیا سے رخصت ہوا اور حامیان بنو امیہ نے معاویہ کو بالجبر تخت پہ بٹھا دیا لیکن وہ روکر اور چیخ کر بھاگ اور جاکر ایسا گھر میں گھسا کہ پھر نہ نکلا اور حسین حسین کے نعرے لگاتا ہوا مر گیا۔

یزید اپنی قوۃ کے انتہا نیاد اپنی طاقت کے خولی اور عمر وسعد اپنی شرارت کے مظاہرے کر چکے اب خدا اپنا قہر اسطرح ڈہاتا ہے کہ جبکہ بیدیہ تقی کہ کوئی بادشاہ یا امیر نہیں والی

حکومت یا اختیار نہیں ایک معمولی قیدی بے بس اور لاچار جیل خانہ کی چار دیواری
میں محصور و مجبور حسین ابن علی کی حمایت کو اٹھتا ہے۔ دنیا اسکا مضحکہ اڑاتی ہے
محافظ اسکو مخبوط الحواس سمجھتے ہیں اور حکومت اسکو دیوانہ خیال کرتی ہے لیکن
قدرت اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتی ہے اور اس قیدی کو جس پر لوگ قہقہے لگا رہے
ہیں کوفہ کا حاکم بنا دیتی ہے۔ مختار کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام آدمی جو میدان
کربلا میں امام حسین کے خلاف لڑے تھے قتل کے واسطے حاضر ہوں۔

کوفہ جس نے جگر گوشہ رسول سے بے ایمانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہ کیا تھا۔ مختار کا حکم سنتے ہی تھرا اٹھا اور وہی سرزمین جس پر مسلم اور مسلم کے
بچوں کی پناہ جرم سمجھی گئی تھی ڈھنڈورہ پیٹ رہی ہے کہ کربلا میں امام کے خلاف
تلوار اٹھانے والا اگر ایک متنفس بھی کسی گھر میں مل گیا تو دیواریں تک اکھاڑ
پھینکوں گا۔

نماز فجر کے بعد مختار کا اعلان ہوا۔ ظہر سے پہلے قیس۔ طبران۔ بشیر۔ اسود
اور عمرو بن الحجاج دست بستہ حاضر کر دیئے گئے۔ مختار کا چہرہ انکی صورت دیکھ
کر سرخ ہو گیا۔ قیدی خوف سے اور مختار غصہ سے کانپ رہے تھے، مختار نے
ان لوگوں سے کہا: "تم مسلمان ہو اور جس کو پیغمبر آخر الزماں کہتے ہو اس کے
بچوں کو پیاسا مار کر تنتے شہید کیا اور یہ خیال نہ آیا کہ دنیا کی یہ ہوا عارضی ہے۔
میں اگر تمام کوفہ کو قتل کر دوں اور ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑوں تو بھی امام حسین
کے خون کے ایک قطرہ کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی" قیدی ہر چند روئے پیٹے
جب کسی طرح کام نہ بنا تو کہا: "ہم عمرو سعد اور ابن زیاد کے حکم سے مجبور ہو گئے"
مختار نے کہا "تمہاری مجبوری عمر اور عبیداللہ کے حکم سے تھی اور بہری خدا اور اس کے
رسول کے حکم سے ہے افسوس یہ ہے کہ تمہارے قتل سے کبھی تو میرا غصہ فرو ہو سکتا

ہے نہ تمہارے قصور کی کافی سزا مل سکتی ہے اس لئے جلاد تمکو سسکا سسکا کر
قتل کرے گا۔ اس حکم کی تعمیل ہو رہی تھی کہ قیدیوں کا دوسرا گروہ حاضر ہوا۔
ان کا سردار صریح ابن ازدر تہایہ چیختا چلاتا مختار کے روبرو آیا اور کہا "ہمنے یزید
اور ابن زیاد کے دھوکے میں آکر خاندان رسالت پر تلوار اٹھائی۔ ہمارا قصور معاف
کردے" مختار غصہ سے کھڑا ہوگیا اور کہا "ملعون تجھکو یہ کہتے شرم نہیں آتی۔
اس جرم کے بعد کیا تو حق رکھتا ہے کہ اپنا ناپاک چہرہ دنیا کو دکھا سکے۔ زمین و آسمان
تم بدبختوں سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ جب تک مختار
کی تلوار قاتلان حسین کو فی النار نہ کرے گی میں چین سے نہ بیٹھوں گا" یہ کہہ کر اس نے
جلاد کو حکم دیا کہ پہلے گروہ کی طرح انکو بھی سسکا سسکا کر قتل کر دو۔

مختار کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں اس نے اپنے سرداروں کی طرف
دیکھ کر کہا تم پر دانہ اور پانی حرام ہے اس وقت تک جب تک کہ عمر وسعد شمر اور
خولی کو میرے سامنے زندہ نہ لے آؤ۔

عمر وسعد کا انجام

باغیان رسالت کا قتل عام صبح سے ہو رہا تھا۔ کوفہ کے مفسد بھاگنے
شروع ہوئے۔ کچھ بصرے چلے گئے۔ کچھ تہ خانوں میں چھپے کچھ جنگلوں میں دبکے مگر
مختار کی فوج نے ایک کو نہ چھوڑا۔ شمر کو تہ خانہ سے عمر وسعد کو پہاڑ کی کھوہ سے
اور خولی کو جنگل سے پکڑ کر لائے اور حاضر کیا جس وقت عمر وسعد سامنے آیا
تو مختار کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے کہا "خدا اور رسول کے دشمن
تو بتا کہ تجھ کو کیا سزا دوں جس سے میری اور مسلمانوں کی وہ آگ ٹھنڈی ہو جو تیرے
ناپاک ہاتھوں نے کربلا میں لگائی۔

عمر وسعد نے جواب دیا "میں بے گناہ ہوں یزید اور ابن زیاد کے حکم سے

میں مجبور تھا۔ قتل حسین کی ذمہ داری ان پر ہے میں بے خطا ہوں۔" اس کے جواب
میں مختار نے حکم دیا کہ عمر وسعد کا لڑکا حفص کربلا میں باپ کو مدد دے رہا تھا اسے
فوراً پکڑ کر لاؤ۔ ابو سعید سلمی نے عرض کیا "حاضر ہے۔" جب وہ سامنے آیا تو جلاد
سے کہا "عمر وسعد کے سامنے اس کے لڑکے کا سر تن سے جدا کر تاکہ اسکو معلوم
ہو جائے کہ امام حسین کے دل پر اکبر و اصغر کی لاش دیکھ کر کیا گذری ہوگی۔" اسی وقت
عمر وسعد کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا عمر وسعد رو پیٹ رہا تھا کہ مختار کا اشارہ ملتے
ہی جلاد نے عمر وسعد کی گردن بھی اڑا دی۔

شمر کا انجام

عمر وسعد سے فارغ ہو کر مختار نے شمر سے یوں خطاب کیا۔ "تو ہی وہ جفا کار
انسان ہے جس نے جگر گوشہ رسول کی شان میں گستاخی کی۔" شمر تھر تھر کانپ رہا
تھا۔ رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہا "مجھ سے تو عمر وسعد نے کہا تھا۔" مختار نے کہا
"اچھا اے شقی القلب انسان اپنا وہ ہاتھ اٹھا جس سے امام معصوم کی گردن پر
خنجر پھیرا۔ یہ کہہ کر مختار نے اپنی تلوار اٹھائی تو شمر نے بمنت التجا کی کہ میں بہت
پیاسا ہوں پانی کے چند قطرے پلا کر مجھے قتل کر" مگر مختار نے درخواست یہ کہہ کر
نامنظور کی "شمر! وہ وقت یاد کر جب تیری فوج نے فراط پر قبضہ کیا ہے اور
معصوم بچے اور پردہ نشین سیدانیاں تین شبانہ روز پانی کے ایک ایک قطرے
کو ترستی رہیں!" شمر کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ مختار نے سر ہلایا اور جلاد نے تن سے
سر جدا کر دیا۔

حرملہ بن کاہل کی موت

اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو لائے۔ مختار کو علی اصغر کی پیاس اور حرملہ کے
تیر کے خیال نے بلبلا دیا اور کہا حرملہ کے گلے پر تیروں کی بارش کر دو اور نزع کے

کے وقت آخری تیر گلے کے آر پار ہوئے۔

خولی کا حشر

حرملہ کی لاش تڑپ رہی تھی کہ خولی لایا گیا اسے دیکھتے ہی مختار نے کہا "یہی ہے وہ سیاہ کار جس نے سبط رسول کے کلیجے میں برچھا مارا اور سر کو نیزہ پہ چڑھایا اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو" جب اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو دونوں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور کہا "یقین کر تیرے قتل کے بعد بھی تیری لگائی ہوئی آگ کے شعلے مختار کے دل میں بھڑکتے رہیں گے اور جو کچھ کر رہا ہوں اور ہو رہا ہے یہ تمہارے اعمال کی کافی سزا نہیں پوری سزا خدا کے یہاں ملے گی۔" اس کے بعد خولی کا دھڑ باہر پھنکوا دیا گیا تاکہ لوگ اسکا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

عبید اللہ ابن زیاد کا قتل

اب مختار کو عبید اللہ ابن زیاد کا فکر ہوا کیونکہ صرف وہی باقی رہ گیا تھا۔ مختار نے یا یزید ابن انس سے کہا کہ تو فوراً ابن زیاد پر حملہ کر اور زندہ یا مردہ جس طرح ہو میرے سامنے لا۔ دوسری طرف ابراہیم بن مالک اشتر سے یہی الفاظ کہے اور ان کو بھی روانہ کیا۔ ابن زیاد پہلے ہی خوف زدہ ہو رہا تھا۔ جب دونوں طرف سے چڑھائی ہوئی تو پریشان ہو گیا۔ صلح کے واسطے بہت سے پیام بھیجے مگر جب ناکام رہا تو میدان میں آیا اور ابراہیم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جس وقت عبید اللہ ابن زیاد گرا ہے اور دم سینہ میں تھا اس وقت ابراہیم نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا اور کہا "تو نے دیکھ لیا کہ خدا ظالموں کا اس طرح خاتمہ کرتا ہے ہم بادشاہ نہیں ہیں یہ صرف قہر خدا تھا جو مختار کی صورت میں تم پر نازل ہوا۔" یہ کہہ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور مختار کے پاس بھیج دیا۔

اس طرح کربلا کے موذی ایک ایک کر کے فی النار ہوئے

مختار کا دور حقیقتاً خدائی قہر تھا جس نے دشمنان اہلبیت کو ان کے اعمال کا مزہ چکھا دیا ورنہ مختار کو حکومت یا سلطنت سے واسطہ نہ تھا۔ بنو امیہ کی سلطنت بدستور قایم رہی اس سلطنت میں چودہ بادشاہ ہوئے مگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سوا قریب قریب سب ایک ہی عادت و خصلت کے۔ یہاں تک کہ سلطنت کا پانسہ بدلا اور حکومت عباسیوں میں پہنچی۔ ابو العباس نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ بنو امیہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رہے اور شاہان بنو امیہ کی قبریں کھود کر پھینک دی جائیں اور سب سے پہلے یزید کی ہڈیاں نکال کر جلائی جائیں۔ اس سلسلہ میں طبری کا بیان ہے کہ یزید کی ہڈیاں جلنے سے پہلے ہی قبر سے سیاہ برآمد ہوئیں +

ختم شد

تصانیف مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

نوحہ زندگی

اس معرکتہ الآرا کتاب میں آپ کو ایک ایسا قبرستان ملیگا جس میں عصمت کی لاج رکھنے والی اور غیرت پر قربان ہونیوالی ماں اپنے دو معصوم بچوں کو دائیں بائیں لیے گہری نیند سو رہی ہے نوحہ زندگی بتائیگی کہ سنگدل اور جاہل باپ کی بدولت ایک لڑکی نکاح ثانی کے جرم میں کیسی مصیبتیں بھگت رہی ہے۔ نوحہ زندگی کا ہر فقرہ درد و اثر سے لبریز ہے چوتھی دفعہ شائع ہو چکی ہے قیمت بارہ آنے ۱۲ر

نسوانی زندگی

یوں تو حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ نے اپنی ہر تصنیف میں عورت کی مختلف حیثیتیں دکھائی ہیں مگر اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ ماں بیوی بیٹی بہن ہر حیثیت علیحدہ دکھائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتے ہیں نسوانی زندگی کا ہر افسانہ بے انتہا دلچسپ ہونے کے ساتھ سبق آموز اور درد و اثر سے لبریز ہے اور ہر عورت کو پڑھنا چاہئے ۸ر

ملنے کا پتہ: مینیجر عصمت دہلی

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کی بے نظیر تصنیف

حیات صالحہ

یعنی

صالحات جو بیس سال سے ناپید تھی اور کئی کئی گنی قیمت پر بھی کہیں نہ ملتی تھی۔ برسوں کی محنت اور تلاش اور سینکڑوں روپیہ صرف کرنیکے بعد اب پھر چھپکر تیار ہے صالحات ہی وہ پہلی تصنیف ہے جسنے علامہ راشد الخیری مدظلہ کے کمال افسانہ نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بجا دیا تھا اسمیں ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ تمام واقعات نہایت ہی مؤثر پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ وہی باپ جو اولاد کا عاشق زار ہے کس طرح بچونکی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ صالحات بتائیگی کہ جاہل سوتیلی ماں کس طرح سوکن کے بچونکی مٹی پلید کرتی ہے۔ صالحات سے معلوم ہوگا کہ نیک لڑکیاں مصائب کا کیسے کیسے ایثار اور قربانیوں سے مقابلہ کرکے دنیا کو حیرت میں ڈالدیتی ہیں قصہ کے ضمن میں آج سے چالیس سال پہلے کے گھرانوں کی معاشرت رسم و رواج وغیرہ نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں طرز تحریر کا کیا کہنا! زبان وہی قلعہ معلی کی بیگماتی کوثر سے دھلی ہوئی واقعات اسقدر مؤثر کہ کلیجے کے پار ہوتے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں مستورات کے مطالعہ کے لئے اسقدر بلند معاشرتی ناول بہت ہی کم لکھے گئے ہیں ضخامت چار سو صفحے۔ اعلیٰ درجہ کا دبیز کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی۔ قیمت [illegible] علاوہ محصول

دلی کے کھنڈروں سے ایک صدا

شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مغل رعنا کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے درو دیوار اسوقت بھی اپنے خاندان کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلی کی بہاریں شاہی جھگڑے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت قطب صاحب کے مقبرے سیر عید شاہ برے اور کوٹلہ کے جشن۔ شہر آبادی کی چہل پہل ہندو مسلمانوں کی معاشرت، رمضان، عید، سلونو، سالگرہ کے تزک و احتشام۔ شادی بیاہ کے رسوم۔ غرض دور گزشتہ کی بہار دیکھنی ہو تو

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کی معرکۃ الآرا تصنیف

نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر

ملاحظہ فرمائیے جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اسقدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلا دینگی۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا۔ غدر ۵۷ء کے واقعات، مخبروں کا ظلم، مظلوموں کی حالت زار، مردوں کی بربادی، عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے پیہم مصائب۔ ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں بادشاہ کی تصویر اور تین نادر عکسی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ ہزاروں جلدیں ہاتھوں ہاتھ نکل چکیں تیسرا اڈیشن بھی قریب الختم ہے۔ قیمت صرف [illegible] علاوہ محصولڈاک قسم خاص۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے چکنے ولایتی آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ: منیجر عصمت دہلی

ملنے کا پتہ — مینجر رسالہ عصمت دہلی

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی معرکۃ الآرا تصانیف

تمغۂ شیطانی

حضرت علامہ راشد الخیری نے اسلام کو جن سائنٹفک صورتوں میں سمجھایا ہے اردو لٹریچر میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی جن مسلمانوں نے علامہ محترم کی تصانیف سمجھ کر پڑھ لیں صحیح اسلام اُنکے ذہن نشین ہو گیا اور ہزاروں گھر تباہی سے بچ گئے۔ تمغۂ شیطانی میں اُمت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھلائے گئے ہیں اور اُن لوگوں کو جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے مگر انکے ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی تھا حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے جہاں مارکلے مالی بہری ملاجی کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں لالہ شمس پیرجی شیرازی کے واقعات آنکھوں سے آنسو گرا دیتے ہیں بے حد مؤثر اور بہت مفید کتاب ہے یہ وہی سبق آموز اور عبرت انگیز افسانہ ہے جس کی رسالہ عصمت میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے قیمت ۱۲ر

ستونتی

نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لیے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور شریف عورت شوہر کیلیے سب کچھ قربان کر کے اور وفاداری ایثار کے جوہر دکھا کے دنیا کو محو حیرت کر دیتی اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ دو سال میں چار دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸ر

انگوٹھی کا راز (جدید)

جدید ایڈیشن حضرت مصنف نے نظر ثانی اور بہت کچھ اضافہ کر کے شایع کیا گیا ہے یہ تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہے رابعہ کا حیرت انگیز انجام اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے کہ پڑھنے والے محو حیرت ہو جائیں۔ قیمت ۸ر

سیلابِ اشک (بالتصویر)

درد انگیز ۷ افسانے (۱) پرستار محبت عورت کا دل وفا و محبت کے خزانوں سے مالا مال ہے یہ سبق آموز افسانہ جو کثرت سے لاکھوں انسان کی آنکھیں نمناک کر دیگی اسکا ثبوت ہے اور بہت انتہا مقبول ہوا ہے (۲) بلوچن کے تین رنگ ایک خوددار لڑکی کی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کر دیتی ہے (۳) طلاق کا سفید بال میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں خودداری اور ایثار کے بگڑتے ہیں ضمیر و ایمان کیا کام کرتا ہے اس فلسفانہ نہایت درد انگیز افسانہ سے معلوم ہوگا جنے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا ڈالے (۴) حج اکبر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کس قسم کی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عدل جہانگیر شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن بیگم کی شجاعت عدل و کرم احسان و عفو کے حیرت انگیز کارنامے (۶) بیغم کی بچی (۷) ثریا کا تخیل ہر افسانہ کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۱عہ بار سوم

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے رسالے
جنہیں مسٹر رازق الخیری ایڈٹ کرتے ہیں

عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات
ورسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ
چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر باہوار
رسالہ جو ۲۳ سال سے کامیابی کیساتھ جاری
ہے۔ تمام اردو رسالوں میں سب سے زیادہ
او بیا در ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین
کے اعلیٰ درجہ کے مضامین کم سے کم ۸۰
صفحہ پر ہر ماہ شائع ہوتے ہیں عصمت ہی
وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں
کے لحاظ سے شریف بیگمات کیلئے ہندوستان
کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے
سالانہ چندہ قسم اول پانچ روپے
قسم دوم معمولی کاغذ ہے

بنات دہلی

مسلمان لڑکیوں کے لئے خالص مذہبی رسالہ
آجتک اردو زبان میں جاری نہیں ہوا
تھا بنات نے اس کمی کو اس خوبصورتی سے
پورا کیا کہ جو دیکھتا ہے خریدار ہو جاتا ہے
عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس
میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ
ہر ماہ بیش بہا مضامین تحریر فرماتے ہیں۔ چندہ
سالانہ بھی اس قدر کم کہ غریب سے غریب
مسلمان خرید سکیں۔ یعنی صرف ایک روپیہ
آٹھ آنہ با تصویر ٹائیٹل نہایت خوبصورت۔
اس قدر سستا زنانہ پرچہ کہیں نہیں
ملسکتا۔ ۱۹۲۷ء سے جاری ہے۔
نمونہ مفت۔

گلستانِ خاتون

یعنی جمال ہمنشین حصہ دوم جنت مکانی کے بے مثل افسانوں کا مجموعہ
شہید ظلم۔ آرزوؤں پر قربانی انقلاب زمانہ۔ تربیت اولاد۔
راز زندگی، سچ کی فتح۔ دوسری شادی وغیرہ وغیرہ۔ خاتون اکرم جنت مکانی کے وہ سبق آموز
پرشور اور درد انگیز افسانے جو نسوانی ادب میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں جن کی وجہ سے زنانہ رسالوں
کے خریداروں میں سینکڑوں کا اضافہ ہوگیا تھا۔ کتاب کی صورت میں جمع کئے گئے ہیں۔
اس سے قبل کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ اردو میں نہیں چھپا
ہندوستانی خواتین گلستان خاتون پر جتنا فخر کریں کم ہے ہر افسانہ ہماری معاشرت کی تصویر
ہے آرٹ کاغذ پر چھپا ہے لیکن قیمت صرف سوا روپیہ علاوہ محصول ہے منیجر عصمت دہلی